



حیات محمد ﷺ

قرآن حکیم کے آئینے میں

ڈاکٹر سید محمد انوار الخیر کاشفی صاحب مدظلہ العالی

Toobaa-elibrary.blogspot.com

دارالافتاء اسلامیہ

حیاتِ محمد ﷺ قرآن

حکیم کے آئینے میں

تالیف:

ڈاکٹر محمد سید ابوالخیر کشفی

پیشکش: طوبی ریسرچ لائبریری

toobaa-elibrary.blogspot.com

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

انتساب

رہب محمد ﷺ کے نام

خداوند! مصطفیٰ ﷺ کے ابرہ رحمت کو میری

ہستی پر برسا دے

مجھے صدق ابوبکر رضی اللہ عنہ دے دے

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جذبہ شہادت ہو

جیسا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہوں کو بدل ڈالے

بہترین کی روانے پاک کا سا یہ طے بھجو

مرا بچہ رسول پاک ﷺ کا نقش قدم بن کر

ہماری ناقابلی کو مٹا ڈالے

رہب! العزیز!

اس انتساب کو اور اس دعا کو قبول فرمائے، روز قیامت سرور کا نکات ﷺ کے علم کے سامنے

نکلتے ہیں بناؤ، ہمارے اعمال کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے کہ رسول ﷺ کے ذکر سے ہمارے

دل بار بار دھڑکے، جیسا یہ میری، میری بیوی اور میرے بچوں کی دعا اور التجا ہے۔

خداوند!

اگر یہ تحریر کسی قابل ہے تو اپنے فرشتوں کو اسے ایک درود، ایک سلام کے طور پر حضور

شہم المرسلین ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں پیش کرنے کا حکم عطا کر دے۔

آمین یا زب العالمین

یاہتمام : علیل اشرف عثمانی

شہادت : ابراہیم سعید علی گرائس

شخصیت : 284 صفحات

کہوڑگ : محمد جاوید اقبال

تاریخ سے گزارش

ابنی حنی الملحق نوشکی جانی ہے کہ یہ برف ریگ میری ہو۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی گہرائی کے لئے ہمارے مستقبل ایک عالم جوہر ہے۔ ہمیں کسی کوئی نعرہ آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کہ میں نے کیا کیا کام کیا ہے۔ ہمیں اس سے درست ہو سکے۔ بڑا شکریہ

﴿..... ملنے کے پتے.....﴾

ادارہ اشاعت دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

ادارہ سائنس ہت سمان چنگ درود بازار کراچی

بیت القلم سائل اشرف المدارس گلشن اقبال ہائیک کراچی

بیت الکتب القائل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

کتبہ اسلامیات گلشن بازار گلشن اقبال

مکتبہ المعارف ملتان۔ پتہ اور

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Half Well Road
Belton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
London
Tel : 020 8911 9797, Fax : 020 8911 8999
Email : sales@azharacademy.com
Website : www.azharacademy.com

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
382 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77054, U.S.A.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض ناشر

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

دور حاضر میں انسان نے فنی اور تکنیکی اعتبار سے بہت ترقی کی ہے اور جہت انجینئر ایجادات کے ذریعے اپنی آسائشوں کا سامان دائرہ اختیار موجودات کے لئے بے شمار وسائل کرنے میں لیکن یہ حقیقت بھی ناقابل تردید ہے کہ دور حاضر سے زیادہ کسی گزشتہ دور میں انسان بے چین و بے قرار اور امن و سلامتی سے محروم نہیں رہا انسان کی آزادی اور شعور بیدار سے بیدار تر ہو رہا ہے۔ لیکن اس دور میں ایک انسان دوسرے انسان کے اور ایک قوم دوسری قوموں کے اتصال پر بھی آج سب سے زیادہ مستعد ہے۔ اس کی اصل اور بنیادی وجہ صرف اور صرف ایک ہے۔ یعنی اسوۂ رسول کریم ﷺ سے انسانیت کی بے غری۔

ہم بحیثیت مسلمان اپنے بانی بزرگ رسول اکرم ﷺ سے جو بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں وہ تو ہمارے ایمان کا تھنسا ہے، پیکار اس دانگلی کے بغیر ایمان کا کوئی تھنسا پورا نہیں ہو سکتا لیکن حضور ﷺ کی ہیبت پاک سارے عالموں کے لئے رحمت سے اس لئے عالم انسانیت کے فخر و فلاح اور امن و سلامتی کے لئے اسوۂ محمد ﷺ سے بہتر ہدایت کی روشنی نہیں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

دارالاشاعت کراچی کو الحمد للہ یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات خلیب پر متعدد ذہنات مستعد چھوٹی بڑی کتابیں شائع کیں اور جنہوں نے قبول عام حاصل کیا اور مقام مسرت ہے کہ یہ سب تمام حلقوں میں پسند کی گئیں ہیں۔ ڈاکٹر سید ابوالخیر عثمانی صاحب کی تصنیف کردہ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائیں اور اپنے فضل و کرم سے آنحضرت ﷺ کی شفاعت عطا فرمائیں۔ آمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ اول

حمد اس ربّ العزت کے لئے جس نے انسان کو علم کے ذریعہ علم عطا کیا اور اس سلسلہ کو جاری رکھا، جس نے ہمیں تخلیق فرمایا اور جان کی قوت عطا کی تاکہ یہ قوت وصلات جنت اس کے اور اس کے رسول ﷺ کے ذکر قرآن حکیم کی تعلیمات کی اشاعت اور انسانی زندگی کی تعمیر کے لئے صرف کی جائے۔

مجھے اپنی بے ہمتائی، کم علمی اور کوتاہیوں کا پورا اعزاز ہے لیکن میری تمنا ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ حضور ﷺ کے سیرت نگاروں اور مداحوں میں میرا شمار بھی ہو۔

زیر نظر کتاب کا آغاز ۱۹۶۶ء میں مدینہ منورہ میں ہوا کہند حضرت ی کے جلوؤں کو نظروں میں آباد کر کے سرور دنیا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں حاضری دی اور صلوٰۃ و سلام کا مژدہ مانگوں کیا پھر مدنف کے قریب بیٹھ کر اس تحریر کا آغاز کیا شاید وہ شہر کی ٹوہیں یا دسویں تاریخ تھی۔ اس تحریر نے ایک مضمون کی شکل اختیار کی اور یہ مضمون سیرہ ڈائجسٹ لاہور کے کسی شمارے میں شائع ہوا، پتہ نہیں کیسے مدنف سے مدنف ہو گئے۔ بعد میں یہی مضمون ایک مختصر کتاب کی صورت میں شائع کیا گیا، "عکس محمدی ﷺ قرآن کے آئینے میں"

۱۹۷۰ء میں جاپان گیا اور وہاں اس کتاب کو بڑھانے اور نئے انداز سے لکھنے کا خیال آیا اور کام شروع کر دیا۔ اسی ۱۹۷۰ء میں مسودہ ایک محترم دوست کے ذریعے اپنے ناشر کے پاس کراچی بھیجا، مگر شائع نہ ہو سکا اور ۱۹۷۰ء میں، میں واپس آ گیا ۱۹۷۰ء میں مسلسل اس کتاب کی اشاعت کے لئے کچھ نہ کچھ کوشش کرتا رہا کئی کتابیں چھپ گئیں مگر یہ کتاب ایک مقدس خواہش کی صورت اختیار کر گئی، ایک کاتب صاحب مسودہ لے کر پنجاب چلے گئے اور دو تین سال تک کچھ پتہ نہیں چلا اور جب میں واپس ہو چکا تھا تو ایک دن یہ مسودہ واپس آ گیا کوئی اتنی

صفحات قاصد تھے ابتدائی صفحات۔ میں اتنا ادا ہوا کہ مدتوں کچھ نہ لکھا گیا، سو چتا تھا کہ آخر یہ سب ہے کیا؟ ۱۲ ماہی کے عالم میں کاغذ کے ایک تاجرنے کہا کہ آپ اداں کیوں ہیں؟ یہ تو اشارہ ہے کہ آپ اس حصہ کو دوبارہ لکھیں، اس بار انا اللہ پہلے سے بہتر لکھیں گے یہ کچھ کم سعادت ہے کہ آپ حضور ﷺ کے بارے میں سوچتے رہیں اور کھینچتے رہیں۔

ان کلمات نے ذہن کی فضا بدلی، ماہی کی جگہ ایک سکون نے لے لی لیکن کام دوبارہ شروع نہ کر سکا اور اصرار سودہ جس کی کتابت ہو چکی تھی حسین کالمی صاحب کو دے دیا، چاہتا تھا کہ وہ اسے ایک نظر دیکھ لیں۔

پھر وہ اگست ۱۹۹۰ء میں ربیع الاول کے آغاز سے کوئی ایک ماہ پہلے کتابت اور سودہ دے گئے اور اس حکم کے ساتھ کہ اس ربیع الاول میں یہ کتاب شائع ہوگی، میں نے کتاب کی تصحیح کی اور کام محمد ابراہیم غوری سلمہ کے سپرد کیا اور گم حصہ پھر لکھنے بیٹھ گیا وقت کی کمی کی وجہ سے ابتدائی حصے کے بعض ابواب بے حد مختصر ہیں انشاء اللہ اگلی اشاعت میں یہ حصے زیادہ تفصیل کے ساتھ پیش کئے جائیں گے۔

دل چاہا کہ کتاب کی روئندہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دی جائے اس کتاب کی اشاعت کے لئے پانچیس مسلسل اصرار کرتی رہیں مگر مقررہ وقت سے پہلے شائع کیسے ہوتی، زینت محمد ﷺ کو تو یہ منظور تھا کہ یہ کتاب سال محمدی میں شائع ہو اس سال ہجری میں نبی اکرم ﷺ کے وصال کے چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور اس طویل مدت کے ہر لمحہ نے اس کائنات اور اہل ایمان کے دلوں میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی موجودگی کی شہادت دی ہے وہ موجودگی اور موجودگی کا وہ احساس جو ہمارے لئے حیات بخش ہے اس سال تقبی ہی تقریبات منائی جائیں گی حضور سرور کائنات ﷺ کے ذکر کی تقبی ہی مظاہرین سمائی جائیں گی، تقبی ہی تحریریں شائع ہوں گی اور اس سندر میں یہ قطرہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس آسمی کاہرے حقیر ہے اور آپ جانتے ہی ہیں

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

آخر میں اپنے دوست ممتاز عالم اور امام اقرنی یونیورسٹی میں تحقیق کے پروفیسر مولانا ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب کا شعر یہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے بڑی توجہ سے پورے مسودہ کو پڑھا تھا بعض انفاط کی تصحیح کی تھی اور کئی مفید مشورے دینے تھے جو حصہ دوبارہ لکھنے کے وہ ضرور ان کی

نظر سے نہیں گزرے۔

اللہ سے دعا ہے کہ یہ دہ بی، نبی آخر الزماں ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہو اور اس کتاب کی کسب لفظی پر میرا مواخذہ نہ کیا جائے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ مجھے بری کوتاہیوں کی اطلاع دیں، عاکف سلمہ محمد شریف الموان سلمہ، اور ابراہیم غوری سلمہ، نے کتاب کے ہر حصے میں میرا ساتھ دیا اس کے لئے میرے پاس صرف دعائیں ہیں ان زہرت محمد غفری ﷺ کے پاس ہے۔

سید محمد ابوالخیر کشفی

۲۶ مفر ۱۴۱۱ھ



فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۵	دعائے ظہیر۱
۲۳	عرب قبل اسلام۲
۲۹	حماش بن۳
۳۱	بشت۴
۳۳	دعوت حق اور اس کی مخالفت۵
۴۷	جماعت مؤمنین ظلم کا مقابلہ زبان اور صبر سے۶
۵۷	کئی زندگی کے اہم باب۷
۷۵	ہجرت حبشہ۸
۸۵	ہجرت نہدی ﷺ۹
۹۳	بشرپ سے عذیبہ النبی ﷺ تک۱۰
۹۹	تائیس ریاست اور حوثیلی قبیلہ۱۱
۱۰۳	حکم جہاد۱۲
۱۰۹	غزوہ بدر۱۳
۱۱۷	غزوہ اُحد۱۴
۱۲۷	اُحد سے احزاب تک۱۵
۱۳۳	غزوہ احزاب۱۶
۱۴۵	غزوہ بنی قریظہ سے واقعہ اُکب تک۱۷

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۶۱	صلح حدیبیہ	۱۸
۱۷۵	صلح حدیبیہ کے بعد عالم گیر دعوت اور فتح خیبر	۱۹
۱۸۳	فتح مکہ تک	۲۰
۱۸۹	فتح مکہ	۲۱
۱۹۷	غزوة تبوک	۲۲
۲۰۳	وفد بخران	۲۳
۲۰۷	تربیت کے اعلیٰ ترمرطے اور ایسا پیچیدگی	۲۴
۲۱۵	غزوة تبوک	۲۵
۲۲۳	غزوة تبوک کے بعد	۲۶
۲۳۷	قیامہ الوداع	۲۷
۲۵۵	عالم جاوید کی جانب	۲۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ
رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّۦنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
يُكَلِّمُ سَيِّدًا عَلِيْمًا ؕ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اذْكُرُوْا اللّٰهَ ذِكْرًا كَبِيْرًا ؕ وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً
وَاصِيْلًا ؕ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَةُ
يُسَخِّرُوْنَكُمْ مِّنَ الطُّلَمَبِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ؕ نَجِيْتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ
سَلَامًا ؕ وَاَعَدَّ لَهُمْ اٰخِرًا كَرِيْمًا ؕ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ
اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَٰهِيْدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ؕ
دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّبِيْرًا وَّ نَبِيْرًا
الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ؕ



دعائے خلیل ﷺ اور نوید مسیحا علیہ السلام

سعودی عرب میں مغرب کے وقت جب مؤذن بیت اللہ اور مؤذن مسجد نبوی ﷺ کے ہونٹوں پر اللہ ﷻ کے نام کے ساتھ ساتھ محمد ﷺ کا نام دعوتِ صلاۃ و طہارح میں آتا ہے تو وقت کی رفتار ٹائی جاتی ہے، اور گھڑیاں اس آواز پر ای طرح تھد ہو جاتی ہیں جس طرح ان دونوں عناصر (توحید و رسالت) نے دنیائے اسلام کو متحد کر رکھا ہے۔

یہ آواز چودہ صدیوں سے گونج رہی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کا نکات میں ر

محمد ﷺ کا اب تک دھڑکتا ہے دل!

اور یہ دل ہمیشہ دھڑکتا رہے گا

یہ نام چودہ سو سال کی مدت اور عہدِ حاضر کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نام، یہ اسمِ گرامی جو ایک زندہ وجود ہے، اور سارے کرۂ ارض پر بسنے والے اہل ایمان کے لیے زندگی کی علامت اور ترحم کی ہے۔ یہ علامت اور ترحم ایک ہیبتِ اللہ سے دنیا کے ہر گوشے تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ نام ہر کرم کی طرح ”گنگا سے گلےں تک“ ہر جگہ برسا ہے۔ قرآن کریم نے ”میسر و افسی الارض“ کی تعلیم دی ہے۔ اس سے ایک طرف تو ”عساقبۃ المسکدین“ سامنے آ جاتی ہے اور دوسری طرف محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسمِ گرامی، انفاسِ پاک اور زندگی بخش آواز کے تھاں تک مشہور طور پر ابھرتے ہیں۔

وقت کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا جب دنیا کے کسی نہ کسی گوشے میں نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و درود کے دہریے نہ چیخیں کئے جاتے ہوں۔ ہمدرد سحرورہ میں صحیح تاروں کی چھاؤں میں صلوٰۃ و درود کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے روزِ منہ مبارک کے روبرو ہونگے سے ہو کر آسٹریلیا، یورپ، امریکہ، افریقہ اور ایشیا کے ہر ملک اور خطے کے لوگ اپنی روح کے ساز پر یہ نغمہ جاس حریف پاس اور شہادت فرشتوں کی ہم نوائی میں حضور ﷺ کی خدمت میں چیخیں کرتے ہیں۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

”سلام درود و سید الکرم ﷺ پر
اسے رسول عظیم ﷺ اسے رُف و رجم! آپ پر اللہ کی برکتیں ہوں۔

اسے وہ کہتے تھے ہاری آنکھوں کی خشک ہے، اور اللہ کا آخری رسول ہے۔ اللہ اور فرشتوں کے
صلوٰۃ و سلام کے ساتھ ہم بھی شریک ہیں۔

اسے نور مرش! اسے خیر خلق ﷺ۔ تمہ پر ملاکھوں سلام

اسے رحمت لعلائین ﷺ! تمہ پر ملاکھوں درود

اسے نبین! اسے سبط! اسے شہیر! اسے سران منیر ﷺ

”ہیں ماہیں زفر مانا۔ قیامت کے دن تیرے علم کا سایہ ہمارے سروں پر رہے۔“

یا رسول اللہ! (ﷺ)! ہم اپنے ایمان کی تمام کمزوریوں کو جاننے کے باوجود گواہی دیتے ہیں
کہ آپ ﷺ نے تعلیم ترین رسول کی تمام برکتوں کے ساتھ، اللہ کا پیغام ہم تک پہنچایا، اور ہم
آپ سے شرمندہ ہیں کہ جو فریضہ آپ ﷺ نے امت کے سپرد کیا تھا، ہم اسے اچھی طرح انجام
نہیں دے رہے ہیں۔

اسے سلطان انبیاء و مرسلین ﷺ! تیری عظمت کی سوا کد، کہ ہم اپنی زندگی کے نقشے کو بدلنے کی
کوشش کریں گے۔

اسے شہ عرب و عجم! تیری ایک لطف، تیرا ایک اشارہ، بس سبھی میں درکار ہے“

سرزمین حجاز کے ہر حصے میں سفر کرتے ہوئے قدم قدم پر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم تاریخ
کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ تاریخ کسی مرد ماہی کا نام نہیں بلکہ روایتیں کے جلوں کا
نام ہے۔ تاریخ کے عظیم افراد اپنے ناقصوں میں قدمیں لے آگے بڑھ رہے ہیں، اور پھر جیسے
وقت کی آنکھیں ان قدموں کو کھجوا دیتی ہیں۔ ان کے پیچھے ہی یونان کا فلسفہ، روم کی تہذیب،
مصر کی تہذیب تو مامات، بر عظیم پاک و ہند کی مذہبیت اور چین کے کارنامے، سب ہی ایک منہا رہیں
کھوجاتے ہیں۔

جب یہ مہار چمکتا ہے تو انسان پھر وحشت و بربریت کے پاس میں نظر آتا ہے۔ زمین اللہ
کے نائب سے شرمناک لگتی ہے، اور بارگاہِ نبوت العزت کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھتی
ہے۔ زمین کی نگاہوں کی یہ چارنگی کا جواب ہم کو نہ کلاہ ترین انسان اس دنیا میں آتا ہے کہ

زمین اپنے پیدا کرنے والے کے نور سے جگمگا ہنستی ہے۔ حضرت خلیل علیہ السلام کی دعاؤں،
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارمانوں اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نوید کو انسانی تکمیل جاتا ہے۔

ہوئی پہلوئے آمد سے ہویدا

دعائے خلیل علیہ السلام اور نوید مسیحا علیہ السلام

خدا کی عیب کے گرد لطف کرتے ہوئے، جبر اسود کو بوسہ دیتے وقت وہ صبح ہو کر سامنے
آ جاتی ہے جب کہ انوں کے ہونٹوں سے بے ساختہ لگا تھا کہ ”وہ اتین آ گیا، وہ صادق آ
گیا ہم اس کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ یہ تو محمد ﷺ ہے۔“ اور پھر خوش آ شام
کو آ رہی اس اتین و صادق کے فیصلے کی وجہ سے نیا مس میں چلی گئیں۔ یہ واقعہ سرور کائنات
کی نبوت کا پیش خیمہ ہے۔ ایسا طائر جو بہار کے گلشنے کھٹنے سے پہلے ہی بہار کی آمد کے
لئے نغمے چاہتا ہے۔

اور مقام ابراہیم پر نکل ادا کرتے ہوئے وہ لہجہ تصویر کی دنیا سے نکل کر حقیقت کے دائرے
میں داخل ہو جاتے ہیں، جب دو قدری نفس انسان اللہ کے سپیکر کی قبر میں مصروف تھے، اور
ان کے ہونٹوں پر وہ عاقبتی نصیحت قرآن مجید نے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

وَ إِذْ يَرْفَعُ الرِّجْلَ الْفَوَاعِدُ مِنَ اللَّيْلِ وَيَأْمُرُ بِرُتْنَا
تَقْبَلُ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رُبَّنَّا وَأَجْعَلْنَا
مُسْلِمِينَ لَكَ ۝ وَمِنْ قَدْرِنَا أُمَّةٌ مُّسْلِمَةٌ لَّكَ ۝ وَأَرْبَا
مَنَّا مَكْنَا وَتُبَّ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رُبَّنَّا
وَإِنبَعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۝ إِنَّكَ أَنْتَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

اور جب ابراہیم علیہ السلام اور اسمعیل علیہ السلام بیت اللہ کی دیواریں اونچی کر رہے تھے
(تو ان کے لبوں پر یہ دعا تھی کہ) اے ہمارے رب! ہماری یہ خدمت قبول

فرما ہے: "جب تو خوب سننے اور جاننے والا ہے اور اے ہمارے رب! ہم کو اپنا فرمانبردار اور مسلم بنانے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت مسند بنا کر دے جو تیرے احکام کی پابند ہو اور ہم کو ہمارے بیچ (دو غیرہ) کے احکام بھی بتادے عبادت و ملکوت کے حقیقی طریقے (مناسک) سکھا دے اور ہمارے حال پر توجہ فرما، ہے شک تو توجہ فرمانے والا اور ہم سے ہے اور اے ہمارے رب! ای جماعت کے اندر سے ان کی ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو انہیں حیرتی آیات پڑھ کر سنایا کرے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کر دے۔ (ان کا تزکیہ و تفسیر کرے) (پیشگو تو غالب اور صاحب حکمت ہے) (سورۃ الفرقان آیات ۱۷-۱۹)

اور پھر خاندانِ کعبہ سے قدرے فاصلہ پر مولد نبوی ﷺ کی زیارت کرتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لویہ کو نونوں میں گونجنے لگتی ہے۔ وہ لویہ جو آج کی مسخ شدہ انجیل میں موجود ہے۔ "جب وہ مددگار (فارقلید) آئے گا تو میری گواہی دے گا۔" (انجیل یوحنا)

"میں تم سے کہتا ہوں کہ میرا جانا ہی تمہارے لئے مفید ہوگا، کیونکہ میرے جانے بغیر وہ مددگار تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ جب وہ روح صداقت تمہارے پاس آئے گا تو تم کو مکمل سچائی کی راہ دکھائے گا۔" (انجیل یوحنا)

خداوند تبارخ خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی بھی بپا کرے گا۔ تم اس کی سننا۔ (انجیل ایشیا)

انجیل میں فارقلید (مغرب) کا لفظ حضور ﷺ کی ذات کے لئے ہی استعمال ہوا ہے، جس کے معنی ہیں "احمد" کتب سیر کے مطابق آپ کا نام حضرت عبدالملک بن محمد (ﷺ) اور حضرت آمنہ بنت عبدالمطلب سے ہے۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بَنِي إِسْرَائِيلَ يَا رَبِّي ارْسُلْ إِلَيَّ
إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ الْوُحُودِ وَبَشِيرًا بِرَسُولِي
يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ

"اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے نبی اسرائیل! میں اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ تم سے پہلے جو تورات آچکی ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آئیں گے جن کا نام (مہارک) احمد (ﷺ) ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔"

(صاف آیت ۲)

چار مقدس کتابیں (تورات، زبور، انجیل اور قرآن حکیم) کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے رسولوں پر بھی صحیفے نازل فرمائے۔ صحیفہ ابراہیم کا قرآن مجید میں ذکر ہے

صُحُفًا إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى (سورہ اہلئے آیت ۱۹)

قرآن مجید کے مطابق رسولوں پر ان کی زبانوں میں وہی بھیجی گئی اور کوئی قابل ذکر قوم باطلہ انسانی وہی و عبادت اور رسولوں سے محروم نہیں رہا۔

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں بھی رسول اکرم ﷺ کی آمد اور بعثت کی پیش گوئیاں موجود ہیں۔ انہیں چھپانے اور دبانے کی بہت کوششیں کی گئیں لیکن بشارتوں کے مختلف مجموعوں میں انہیں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ حال ہی میں ہندوستان میں کنگلی اوتار (KALKI AUTAR) کے نام سے پنڈت اپھحائے کی کتاب شائع ہوئی ہے۔ ان کا تعلق آریا بدھ نیوٹری سے ہے۔ ہندو عرصے سے دہانت یا تہ رہنما اور اتار کا انتظار کر رہے ہیں جس کے بارے میں تفصیلات و بیویوں اور ان کی مذہبی کتابوں میں موجود ہیں۔ پنڈت اپھحائے نے اپنے ہم مذہبیوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ روح صداقت توجہ و مدد یوں پہلے دنیا میں آچکا ہے۔ اس پر ایمان لادے۔ اس کتاب میں جو نکات پیش کئے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

- ۱۔ کنگلی اوتار آخری پیغمبر ہوگا اور وہ سارے انسانوں کی دہانت کے لئے بھیجا جائے گا۔
- ۲۔ کنگلی اوتار کے والد کا نام دیشو بھگت اور والدہ کا نام سرمائی ہوگا۔ دیشو کے معنی ہیں خدا اور بھگت کے معنی ہیں بندہ، غلام۔ یہ صاف صاف "عبداللہ" کا ترجمہ ہے۔ سرمائی کے معنی ہیں امن یعنی آمت
- ۳۔ ان پیش گوئیوں کے مطابق کنگلی اوتار کی ہندو پیغمبر خدا سمجھو اور زہن ہوگی۔ وہ اپنے علاقے کا سب سے امانت دار اور سچا آدمی ہوگا (نبی اکرم ﷺ کو رسالت سے پہلے ہی

کہو اے "امین" اور "صادق" کہتے تھے)

- ۴- ویدوں کے مطابق کلکی اوتار عرب کے علاقے میں پیدا ہوگا۔
- ۵- ویدوں کے مطابق کلکی اوتار نہایت معزز قبیلے میں پیدا ہوگا (حضور ﷺ قبیلہ قریش میں پیدا ہوئے)
- ۶- کلکی اوتار کو اللہ کا بیٹا نام ایک غار میں لے گا (غار حرا)
- ۷- کلکی اوتار کو کرکڑا ریش اور ساتوں آسمانوں کی سیر کے لئے برق رفتار گھوڑا عطا کیا جائے گا (معراج کی طرف اشارہ ہے)

ایسی ہی دوسری ہجرت میں ڈالنے والی تعلیمات اور بھی ان مقدس کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نوید کو اہل لیلے میں باہر گاہ رب العزت سے لباس بشری عطا ہوا۔ انسانیت نے قاب تو سین کی پابندی پائی، اور انسان یہ کہنے کے قابل ہو گیا کہ

مقام بندگی دے کے نہ لوں شان خداوندی

ہماری تقویم میں دو تاریخ الاول کا مقدس مہینہ تھا جب اس عالم رنگ و بو میں وہ آگیا جس کا ہم کو اسی طالبان مدعا کے لئے ہم گروہ کشا ہے، وہ ہم جس سے غنچہ ادراک کھلتا ہے، تاریخ الاول کی یار ہویں • تاریخ کو اس عالم کن نکال کے ذروں نے اس حقیقت نر کے نقوش پا کو بوسہ دیا کہ سواد صبح ازل جس کے راستے کا شمار ہے۔ اور فنا کے اس دشت میں وہ ذات آجپنی کی جو روضہ بقا تھی، ہے اور ہے گی • • • • • جسے اس کے پیچھے والے نے سراغ ضمیر کہہ کر بھیجا۔ وہ جو شرف آدم کی سب سے بڑی دلیل اور آیت ہے۔ وہ آگیا جس کے کلمات دینے و روزگار کے لئے سرمہ بصیرت ہیں، اور وہ جس کا کس آج بھی انسان کے ہر خوبصورت بول اور ہر تعمیری خیال میں نظر آتا ہے۔ تاریخ انسانیت کے اندھیروں کو چاک کرنا ہوا وہ شعلہ نمودار ہو گیا جسکی آغوش

• تاریخ کے اس پہر ہر مومن میں انکاف ہے۔ تاریخ اول کے کن میں بھی قوی شہد موجود ہیں۔

• وہ جس کے کلمات سے غنچہ ادراک سواد صبح اول جس کے راستے کا قہار فرس کے گلزار وہاں میں وہ گلنت بہد

• وہ جس کا نام ہم کلمہ کلکی کی طرح علم لونا اب ہم سے کلکی پا کی طرح نا کے دشت میں وہ روضہ ہا کی طرح سراج اللہ بر قلندر

میں ہمارے لئے اسلام کا نور مست نما تھا۔ وہ آگیا جو جسم ہدایت تھا اور ہمارے لئے ہدایت کا سبب ہے۔ وہ آگیا جو جن و باطل کے درمیان فرقان ہے، اور ہمارے لئے اللہ کی جنت۔ وہ خاتم النبیین، سید المرسلین، امام المتقین اور رسول رب العالمین آگیا جو اللہ کی صلیب رحمت کی دلیل ہے۔

مکہ کی وادیوں پر اس آفتاب کی کرنیں پھیل گئیں جسے محمد ﷺ کا نام دیا گیا۔ وہ جو صاحب تاج و عماما ہے، وہ جو کراستوں والا ہے، وہ کہ نشانیاں اور معجزات جس کے نقوش قدم ہیں، وہ جو روشن علاقوں والا ہے، اور وہ جو صاحب کوثر ہے۔ وہ صاحب کلام آگیا کہ "پتھروں" نے جس کی صداقت کی شہادت دی اور جس کا وسیلہ ہمارے اور دوزخ کے درمیان آڑ ہے۔

نبی اکرم ﷺ قریش کے قبیلہ بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے جب کہ • • • • • متولی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ وہ کہہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت المقدس سے تقریباً تیرہ سو سال پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ تعمیر فرمایا تھا، اور جسے رب العزت نے اپنے گھر کے طور پر پسند فرمایا، ایسی نہیں بلکہ جس کی اویٹ کی تصدیق بھی قرآن حکیم میں موجود ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ نَبِيٍّ وَضِعَ ————— لِنَسَائِ لِّلَّذِي بِيْحَةَ مُبْرِكَا
وَهْدَى لِّلْعَالَمِيْنَ ۝

"بے شک وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے لئے (برائے عبادت) مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے (جو ہمارا گھر ہے) اور جہاں بھر کے لوگوں کے لئے موجب ہدایت ہے اور جسے عالم انسانیت کے لئے دارالامن قرار دیا ہے۔"

وَأَذِّعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةَ لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۝

"اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ہم نے مکہ کو انسانوں کا معبد اور (مقام امن بنایا۔"

• مکہ آج ملت اسلام کا مرکز اور اس بات کا ثابہ ہے کہ امت تمام عالمی تہذیبوں کی سہ ماہی ہے۔ کاش کہ اس سہ ماہی کی دلیل ہمیں ملے۔

یہ حقیقت اس بات کی شہادت ہے کہ رب کعبہ نے کعبہ کے متولی خاندان کو رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے طور پر اس لئے چاہا کہ خانوادہ ابراہیم علیہ السلام و اسماہیل علیہ السلام کے اس فرزند جلیل کی نگاہوں کی ترنا اور آرزو اور بار بار مڑ کر دیکھنے کے جواب میں ”تحویل قبلہ“ کے ذریعہ کعبہ کی تعمیر کے مقصد کی تکمیل ہو سکے۔

عرب قبل اسلام

حضور سرور کائنات ﷺ کی پیدائش کے وقت عرب اور بقیہ دنیا کی جو کیفیت تھی وہ ایک معلوم بات ہے، اور اس باب میں کئی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ غلطیوں کی انتہا کا دور تھا۔ انسان کے ذہن میں نہ اپنی مرکزی اہمیت کا کوئی تصور تھا نہ وہ تخلیق کا کائنات کے ”بہا الحق“ ہونے کے سہارے میں کچھ جانتا تھا، اور نہ خالق کائنات سے اس کا کوئی رشتہ باقی رہ گیا تھا یہودی اور عیسائی اللہ کے منکر نہ تھے مگر انہوں نے اپنے احبار اور یہان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس کو ”اوباسا من دون اللہ“ کے درجہ تک پہنچا دیا تھا۔ مشرکین عرب بھی ”خالق اکبر“ کے منکر نہ تھے، لیکن انہوں نے اس کے اختیارات اپنے جوں میں تقسیم کر دیئے تھے، (سوائے تخلیق کے) معاشرتی طور پر قتل و عارت گری، بدکاری اور ظلم و ستم کو قانون کا درجہ حاصل تھا۔ عرب ان تمام برائیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا، مگر عربوں میں کچھ خصوصیات ایسی تھیں جن کی بنا پر وہی اللہ کے آخری پیغام کے مخاطب اول بن سکتے تھے۔ وہ فلسطیانہ اور ذہنی غلاما بازیوں سے نا آشنا تھے، اور اسی لئے ان کی قوت و حرکت کے فزائوں کو برائیوں کی طرف سے خیر و سعادت کی راہوں کی طرف موڑا جاسکتا تھا۔

قرآن حکیم میں عرب قبل اسلام کی کیفیت کی مقامات پر پیش کی گئی ہے اور کتاب اللہ کی روشنی میں عربوں کی زندگی کے کئی پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مثلاً ان کی باہمی لڑائیاں، جن کو اسلام نے ایسی محبت میں بدل دیا کہ وہ اسلام لانے کے بعد آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ اخلاقی حالت کا اندازہ سو درجہ انداز ہی، ٹوٹے اور ٹوٹے، جنسی معاملات میں بے راہ روی (مثلاً دو بیٹیوں کا ”کناح“ میں جمع کرنا) سے ہو سکتا ہے۔ عبادت کا یہ انداز کہ بہرہ ہو مگر طواف کرتے اور بیٹیاں بچاتے۔ اور دوسری طرف یہ انتہا پسندی کہ سفر حج میں سب معاش کو ممنوع قرار دے رکھا تھا۔ مشرکین عرب کا ذہن کتنی ہی اوبام توہمت میں گرفتار تھا۔ انہیں اوبام کے تحت وہ جانوروں کے کان بچر کر انہیں اپنے ”خداؤں“ کے نام پر وقف کر دیتے۔

عربوں کی زندگی قبل اسلام کے بارے میں چند اشارے کئے گئے۔ مناسب ہو گا کہ ان کی

ذہبی زندگی کے بارے میں کچھ اور عرض کر دیا جائے کیونکہ اس طرح خود قرآن حکیم کے بعض مقامات کا ہنس منظر معلوم ہو سکے گا، اور یہ بھی اندازہ ہو سکے گا کہ قرآن کے اولین مخاطب کس ذہن اور نفسیاتی کوائف کے مالک تھے، اور قرآن نے کس کس انداز میں انہیں مخاطب کیا ہے، اور کس طرح انہیں و آفاق کی نشانیوں کو پیش کر کے شرک کے تصورات پر کاری ضرب لگائی ہے۔

اسلام سے پہلے عربوں میں بیت اللہ کا احترام باقی تھا بلکہ یوں کہا مناسب ہوگا کہ خانہ کعبہ کو ان کی اجتماعی زندگی میں اساسی اہمیت حاصل تھی، حج اور عمرہ کے مہینے حرام تھے جن میں راستے سفر کے لئے ٹھہرنا نہ رہتے۔ اسی بات سے اس حقیقت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ تیسرے کے ساتھ ساتھ اس کے مہمار (حضرت ابراہیم علیہ السلام) اور ان کے شریک معمار (حضرت اسماعیل علیہ السلام) سے بھی انہیں نسبت تھی۔ عہد جاہلیت کے عرب اپنے بارے میں یہی گمان رکھتے تھے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے مذہب پر قائم ہیں لیکن صورت حال یہ تھی کہ انہوں نے صدیوں اللہ کے دین میں اپنے عقائد و خیالات، ہوا و ہوس اور مفاد پرستیوں کو اس طرح شامل کیا کہ اس دین کے نقوش بھی بچانے نہیں جاتے تھے۔ ان کا پورا مذہب خود، ان کی نظروں میں مشیت ہو کر رہ گیا تھا، اور اس کی مثال اولاد ہے۔

وَسَخَّلْنَاكَ زَيْنًا لِكَيْتَبِرَ بِسَنَ الْمُشْرِكِينَ قَتَلَ وَلَا دِيَهُمْ
شُرَكَاءُ هُمْ لِيُرَدُّوهُمُ وَلِيَلْبَسُوا عَلَيْهِمُ دِينَهُمْ ۝

اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے خیال میں ان کے شرکاء (معبودوں) نے ان کی اولاد کے نکل کو تحسن بنا دیا ہے تاکہ ان کو ہلاکت میں ڈال دیں اور ان کے دین کو ان کے لئے غلام ملکہ کر دیں (مشیت بنادیں)۔ (الاحقاف: ۱۳۷)

مشرکین عرب اللہ کے خالق ہونے کے قائل تھے۔ اسی طرح وہ موت کو بھی حکم زنی سمجھتے تھے، مگر انہوں نے ارباب من دون اللہ کے سکنے ہی آستانے سما لے تھے اور ان آستانوں پر جنین نیا ز بجھا دی تھی۔ وہ اپنے جنوں کو خالق اکبر کے حضور پناہ بھیج اور مدد گار جانتے تھے۔

وَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْصُرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَيَقُولُونَ هَلْؤَلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتَبْتُونَ اللَّهَ بِمَا

لَا تَعْبُدُونَ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ شَيْخَةً وَتَعْلَى
عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

”اور یہ لوگ پرستش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع اور نہ کفر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ (۱) (محمد ﷺ) ان سے کہہ دیجئے کہ ”کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور بالاتر ہے۔“ (سورہ بقرہ: ۲۰۰ آیت ۱۸)

خدائے بلند و بزرگ کے انداز بیان کا یہ حسن تو دیکھئے کہ یہ لوگ اسے اس کے شرکاء کے بارے میں ”فخر“ دے رہے ہیں۔ اور پھر ان مشرکین نے اللہ کی بیٹیاں اور بیٹے ”تھیف“ کر لئے تھے۔

وَتَحَرَّفُوا لَهَا بَيْنِينَ وَبَيْنًا بَعِيرٍ عَلِيمٍ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا
يُصِفُونَ ۝

”اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں بلا سند تراش رکھی ہیں وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔“

دہشت جو، ان ”بندگان ضرورت کے آفریدہ“ تھے ان کے شجر و نسب کو ان ”مخلوق و عابد خالقوں“ نے اللہ سے ملا دیا تھا۔ یہ لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اب ذرا عیسائیوں کے اس ”عظیم“ کا اندازہ تو کیجئے۔ جو انہوں نے اللہ کے طیل القدر نبی اور اپنے ہادی کو خدا کا بیٹا قرار دے کر کیا ہے۔

اس مقام پر عرب کے عیسائیوں اور یہودیوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یہ اہل کتاب، اپنی کتابوں کی روشنی میں چاہتیں کہ ”گواہ“، ”حد گار“ اور ”روح صداقت“ کا اظہار کر رہے تھے۔ لفظ میں جس کی کیفیت بارش کی آمد آمد کی نشان دہی کر رہی تھی، لیکن جب محمد عربی علیہ السلام کی باران رحمت کی صورت انسانی ذہن، روح اور اس دنیا کے ہر ذرے سے پیاں بچھانے کے لئے تشریف لائے تو اپنے اوئی مفادات کی خاطر ان لوگوں نے حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ ۖ
وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا
جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

"اور جب ان کو ایک ایسی کتاب پہنچی (یعنی قرآن) جو مخاطب اللہ ہے (اور) اس کی (بھی) تصدیق کرنے والی ہے جو پہلے سے ان کے پاس ہے (یعنی توریت) حالانکہ اس سے قبل وہ (خود) کھیاں کیا کرتے تھے کفارے۔ پھر جب وہ چیز آئی جس کو وہ (خوب) جانتے، پہچانتے ہیں تو اس کا (صاف) انکار کر بیٹھے، پس مگروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت"۔ (البقرہ: ۸۹)

یہی نہیں بلکہ اسی کتاب نے مشرکین کے ذہنوں میں مختلف قسم کے شکوک پیدا کئے اور انہیں مختلف "سوالات" سمجھائے۔ ان کا یہ رویہ اپنی سیاست و قیادت کے قیام کے لئے تھا اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے برتاؤ سے مشرکوں کو یہ یقین ہو جائے گا کہ (معاذ اللہ) یہ نبی جانتیں ہے۔ حدیث کے قُرْب و جوار میں یہودیوں کی کئی بستیاں تھیں اور یہاں کے قبائل خاص طور پر اوس و خزرج، سے ان کے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ ان قبیلوں کے قول اسلام کے ساتھ ہی یہودیوں کے دلوں کی زمین میں دشمنی کے بیج تصعب اور مفاد کی کھاد کے سہارے نشوونما پا کر نفرت کے درختوں میں بدل گئے، مگر اپنی دشمنی کو ان یہودیوں نے منافقانہ کمال کے ساتھ چھپایا، اور جماعت مسلمہ میں انتشار پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ان کی نفرت اتنی شدید تھی کہ انتہائی احتیاط کے باوجود اس کا اظہار ہو ہی جاتا تھا۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ان کی چالوں سے ہوں آگاہ کیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةَ بَنِي دَاوُدَ
لَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا مَنَافِقِينَ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ
أَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۖ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ
الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝

"اے مومنو! اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا کسی کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ

تمہارے ساتھ خدا کرنے میں کوئی دیندار نہیں رکھتے تمہاری حضرت کی تمنا رکھتے ہیں۔ واقعی ہمیں ان کے منہ (زبان) سے ظاہر ہو کر رہتا ہے اور جس قدر ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ تو بہت کچھ (اور کبھی زیادہ شدید) ہے ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے ہیں اگر تم، محفل رکھتے ہو۔ (سورۃ آل عمران ۱۱۸ آیت ۱۱۸)

یہ تھا وہ دینی، اخلاقی اور معاشرتی ہمس مگر جس میں دعائے ظہن اور نوبہ مسیحیہ کو انسانی بیکر میں ڈھالا گیا تاکہ انسانوں کے لئے اللہ کے ازلی وابدی دین کو اس کی کھل شکل میں پیش کر کے ہمیشہ کے لئے ان کے سامنے ایک صراطِ مستقیم پیش کر دی جائے۔ وہ صراطِ مستقیم جو قرآن کریم کے حروف اور محمد عربی ﷺ کی حیات مبارکہ کے ہر لمحہ اور ہر پہل میں جھلکتی نظر آتی ہے، اور انسانوں کو اپنی طرف بلائی رہی ہے اور بلائی رہے گی۔



تلاش حق

حضور سرور کائنات ﷺ کی حیات قبل نبوت تاریخ کے سامنے ہے آپ ﷺ نے اپنے گرد و پیش کے اثرات کے سامنے سر نہیں اٹھایا۔ راہ حق کی تلاش آپ ﷺ کو بے چین اور مضطرب رکھتی تھی۔ آپ ﷺ قلیل ذوق جنجو تھے۔ یہی صفت آپ ﷺ کے ہمہ امہد حضرت ابراہیم طویل اللہ ﷻ کی نبوت سے پہلے کی زندگی میں نمایاں تھی۔ قرآن حکیم نے آپ ﷺ کے اسی ذوق جنجو کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝

”اور ہم نے آپ (ﷺ) کو (حلاش حق) میں سرگرداں پایا پس ہدایت عطا فرمائی۔“
(سورہ العنکب ۹۳: آیت ۷)

حضور ﷺ اکثر زندگی کے اہم ترین سوالات پر غور کرتے۔ یہ کائنات کیا ہے؟ اس کائنات کے لیے ہوئے آچار و شوہد جس ذات مطلق کی طرف اشارہ ہیں اس تک کیسے پہنچا جائے، اس کی صفات کیا ہیں؟ انسان کا مقصد تخلیق کیا ہے؟ اور ایسے ہی اہم اور بنیادی سوالوں پر غور کرتے ہوئے آپ ﷺ نے عمار میں اپنی ابتدائی زندگی کے کتنے ہی شب و روز گزار دیئے۔

ایک طرف حرامی تنہائیوں میں اپنے سوالوں کے جواب تلاش کرنے کی یہ کوشش تھی، اور دوسری طرف آپ ﷺ نے اپنے گرد و پیش کی زندگی سے اپنا رشتہ کبھی نہیں توڑا۔ حضور ﷺ کا انداز زیست ان لوگوں کے لئے مثال بن گیا جو اپنے ماحول اور اپنے معاشرہ سے مطمئن نہ تھے۔ اس باب میں حضرت ممد علی اکبر ﷺ کا اسم گرامی پیش کیا جاسکتا ہے۔

رزق حلال ابتداء ہی سے آپ ﷺ کی پاک زندگی کا ایک بنیادی پہلو تھا۔ آپ ﷺ نے تجارت کو اپنایا، اور اسی سلسلہ میں آپ ﷺ کی دیانت کی شہرت نے آپ ﷺ کو حضرت خدیجہ سے روشناس کرا دیا، اور آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی بکبری کی تجارتی نمائندگی کے فرائض بھی انجام دیئے۔ حضرت خدیجہؓ کی پاک زندگی نے عہد قبل اسلام میں بھی لوگوں کو مجبور کر دیا تھا کہ انہیں ”ظاہرہ“ کے لقب سے یاد کریں، اور یہ ظاہرہ اس قدسی نفس انسان کی زندگی

Toobaa-elibrary.blogspot.com

میں بیوی کی صورت، رحمت بڑوں بن کر آئی، جس کی سیرت نے لفظ طہارت کو نئی معنی دئی گہرائیاں اور نئی معنویت عطا کی ہے۔

اس رشتے نے حضرت محمد ﷺ کو مائی دشواریوں اور ظاہری و مادی الجھنوں سے بے نیاز کر دیا۔ سورۃ العنکبیٰ نبی اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی گفتگو کی نہایت خوبصورت مثال ہے جس میں آپ ﷺ کی تسکین اور تلاش حق کے ذکر کے بعد اسی رشتے کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنِي ۝

”ہم نے آپ کو تنگ دست پایا آپس مال دار بنا دیا“۔ (سورۃ العنکبیٰ ۶۳: آیت ۸)

حضرت خدیجہ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی زندگی کو از روایتی زندگی کی کامل ترین مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے لئے ایک ذہنی سکون کا درجہ رکھتی تھیں اور یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ عقد کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال اور سرورِ دو عالم ﷺ کا سن مبارک پچیس سال تھا۔



بعثت

جب حضرت محمد ﷺ پندرہ سال کی عمر میں چالیس سال کی ہوئی تو وہ وقت آگیا جسے خدا کی رضا کے مطابق انسانیت کے عہد جدید کا نقطہ آغاز بنا دیا تھا رمضان کا مہینہ ۵، تھا، اور حضور کی زندگی کا چالیسواں سال کہ جبرائیل امین، اللہ کا یہ پیغام لے کر آئے۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝
اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ
مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

”(اے رسول) پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے (خلوق کو) کو پیدا کیا جس نے آدمی کو خون کی پھٹکی سے تخلیق کیا، آپ (قرآن) پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے (انسان کو) قلم سے تعلیم دی اور (محمّد) انسان کو (دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا“۔ (سورۃ العلق ۱-۴: آیت ۵۲)

مکہ سے عرفات جاتے ہوئے پہاڑوں کے سلسلہ میں ایک پہاڑی پر سفید رنگ دامن نظر کو اپنی جانب کھینچتا ہے۔ یہ جملی ٹور ہے۔ اسی کی آغوش میں عارخا ہے جسے قلب محمدی ﷺ کے بعد اللہ کے آخری سلسلہ ہدایات کی پہلی وحی کو ”ہدایت“ کرنے کا شرف حاصل ہے۔ حضور ﷺ عارخا سے مکان تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے یہ خبر یہ بیان فرمایا۔ انہوں نے فرمایا آپ ﷺ کے چہ ہونے کی گواہی دی اور ایمان لے آئیں۔ آپ کے علاوہ سب سے

- 1۔ انسانی ذراعت کا عہد جدید جب شروع ہوا؟ ایک اہم مسئلہ ہے۔ عرب کے کائنات پر کوئی اثر نہ تھا اور ذراعتیہ واسطے ہی بھول جاتے ہیں کہ نبی ﷺ انہی اسلام کی نشانی کی پیروی ہے۔ رسالت محمدی ﷺ ہی عہد جدید کا نقطہ آغاز بن گئی ہے۔ رسول اللہ کے بعد کسی رسول کا حق اس بات کی نہیں ہے کہ وہ اپنی نبی ہو گیا ہے۔ اور وہ قرآنی تصدیقات و سیرت رسول کی روٹی میں خود اللہ کا احرام کرتے ہوئے اپنی ذات کا لئے اور فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔
 - 2۔ خطبہ رمضان الذی تنزل علیہ القرآن علی الناس وینبت من اللہ من الظفران ۵۔ سورہ صفر ۱۰۵۔
- ”رضوان علیہ“ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جبرائیل کے لئے چاہے ہے اور اور اسے کہا ہے ذالی ہرج و مرج و اصل کو انگ رکھنے والی تصدیقات پر مشتمل ہے۔

دعوتِ حق اور اس کی مخالفت

نبی کریم ﷺ سونے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ سب سے زیادہ قریب رہنے والوں کا اس حقیقت کو ذرا تسلیم کر لینا حضور ﷺ ختمی مرتبت کی صداقت کی ایسی نفسیاتی اور بدیہی دلیل ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی تابندہ اور خشدہ ہے۔ قریب رہنے والوں سے بہتر کسی شخص کی کمزوریوں اور خوبیوں کو جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ پیوستگی کسی شخص کی ہر روحانی اخلاقی اور جسمانی کمزوری کو جانتی ہے اور حضور ﷺ کی صداقت پر سب سے پہلے ام المومنین خدیجہ الکبریٰ نے شہادت دی۔

نبی کریم ﷺ سونے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ سب سے زیادہ قریب رہنے والوں کا اس حقیقت کو ذرا تسلیم کر لینا حضور ﷺ ختمی مرتبت کی صداقت کی ایسی نفسیاتی اور بدیہی دلیل ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی تابندہ اور خشدہ ہے۔ قریب رہنے والوں سے بہتر کسی شخص کی کمزوریوں اور خوبیوں کو جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ پیوستگی کسی شخص کی ہر روحانی اخلاقی اور جسمانی کمزوری کو جانتی ہے اور حضور ﷺ کی صداقت پر سب سے پہلے ام المومنین خدیجہ الکبریٰ نے شہادت دی۔

حضرت خدیجہ، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ رسالت ایک ایسا غیر معمولی تجربہ ہے جس کا ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ رسول میں وحی کی برداشت اور نبوت کے تحمل کی صلاحیت اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرماتا ہے اور اس میں اضافہ کرتا جاتا ہے۔ بہشت سے پہلے بھی حضرت محمد ﷺ کی اس تجربے سے گزرے، آپ ﷺ جن راہوں سے گزرتے تھے ان کے پتھر بھی آپ ﷺ کو یوں سلام کرتے، ”السلام علیکم یا رسول اللہ۔“ پھر جب پہلی وحی آپ ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنے پیغمبرانہ عرف کے ساتھ اسے برداشت کیا۔ نزول وحی کی کیفیت اتنی سخت ہوتی تھی کہ سر کا ترسی مرتبت پر اگر سفر کے دوران وحی نازل ہوتی تو تاقہ زمین پر بیٹھ کر اپنا سینہ زمین سے لگا دیتی، سردیوں کے زمانے میں نزول وحی کے وقت پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے اترنے لگتے۔ ابتدائی بیانات وحی کے نزول کے موقع پر آپ کو اپنی تمام پیغمبرانہ تربیت کے باوصف فطری طور پر اضطراب کا احساس ہوتا اسی لئے اولین پانچ آیات کے بعد سلسلہ وحی کچھ عرصہ کے لئے منقطع ہو گیا اور پھر سورۃ المدثر کی پہلی سات آیات نازل ہوئیں۔

لَيَأْتِيهَا الْمَدْيِرُ لَأَقْمُ فَانذِرْهُ وَرَبِّكَ فَكَبِيرٌ وَبَيِّنَاتٍ
فَطَهَّرْهُ لَأَوَّلُ الرُّجُزِ فَأَهْجُرْهُ لَأَوَّلُ الرُّجُزِ فَاهْجُرْهُ لَأَوَّلُ الرُّجُزِ فَاهْجُرْهُ
فَاصْبِرْهُ

”اے جبریل کو زمین و آسمان کے درمیان کچھ کر بیٹ سے (اڑھ لپٹ کر لےنے والے اٹھواؤ خیر وار کر دو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو اور زیادہ (بدلہ) حاصل کرنے کے لئے احسان دہو اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔“

(امدثر صفحہ ۷۳ آیت ۷۳)

● مسلمانوں کو لالون میں شریک کا شرف دیکھنے والوں میں حضرت احمد رضا رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ سب سے زیادہ قریب رہنے والوں کا اس حقیقت کو ذرا تسلیم کر لینا حضور ﷺ ختمی مرتبت کی صداقت کی ایسی نفسیاتی اور بدیہی دلیل ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی تابندہ اور خشدہ ہے۔ قریب رہنے والوں سے بہتر کسی شخص کی کمزوریوں اور خوبیوں کو جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ پیوستگی کسی شخص کی ہر روحانی اخلاقی اور جسمانی کمزوری کو جانتی ہے اور حضور ﷺ کی صداقت پر سب سے پہلے ام المومنین خدیجہ الکبریٰ نے شہادت دی۔

اسی دور میں حضور ﷺ کو "مزل" بھی کہا گیا۔ مزل یعنی اسے کپڑے میں لپیٹنے والے۔ سورۃ مدثر کی یہ آیات حضور ﷺ کو اپنے فریض نبوت کے لئے تیار کرنے سے متعلق ہیں۔ احکام کے اس سلسلہ کو ملاحظہ کیجئے۔ "المدثر" تم "کچھ کپڑے بے ہوئے کیونکہ انہذا کا وقت آ گیا ہے۔ عالم انسانیت کی اصلاح کے سلسلہ کا آغاز کیجئے۔ غلط کاروں کو محبت و شفقت کے ساتھ ڈرائیے۔ اور قول و فعل سے اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کیجئے اور اپنے کپڑے پاک رکھنے سے مراد قلب و نفس اور اخلاق کی پاکی ہے۔ یہ مجاہدہ اہل عرب ہے۔ لفظی معنی بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ چوتھا حکم: پاکی (رزق) سے دور رہنے کا ہے۔ مفسرین کے مطابق رزق سے مراد بیت ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ہر معصیت اس کے دائرہ میں آ جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ تو معصوم تھے اور ان کی عصمت ہمارے ایمان کی اساس ہے، اس لئے اس حکم کے حقیقی معنی یہ ہونے کہ انسانیت کو ان باتوں سے روکا آپ کا فریضہ ہو گا۔ اور حضور ﷺ کو مخاطب کر کے انسانوں سے کلام کیا جائے گا۔ یہ بھی طوع و رضیہ کی ایک صورت ہے اس کے ساتھ رب تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی کہ بدلے کے خیال سے کسی کے ساتھ احسان نہ کیا جائے۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اپنے رب کے لئے صبر کیجئے۔ پانچ بنیادی احکام کے بعد یہ حکم "ایک جامع حکم ہے جو تقریباً پورے دین کو شامل ہے" اور پورے دین پر محیط ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت کے فوراً بعد اللہ جل جلالہ ایک طرف تو آپ کو آپ کے فریض کے لئے ہدایت فرما رہا تھا اور دوسری طرف نہایت احتیاط کے ساتھ اسلام کی دعوت قریب ترین طاقت تک پہنچائی جا رہی تھی۔ اس کام اور دعوت حق کو بڑھانے میں محرم راز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی کردار ادا کر رہے تھے۔ سابقین الاولین انہی کی کاوش سے ایمان لائے اور یہ وہ لوگ تھے جو اپنے معاشرے سے غیر مطمئن تھے۔ یہ کسی راہنمائی کے منتظر تھے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی صداقت، دیانت اور امانت کے گواہ تھے۔ ان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اسلام کی دعوت بڑی احتیاط کے ساتھ ان لوگوں تک پہنچائی جاتی جن کے قبول حق کی صلاحیت پر نبی رحمت ﷺ کی نبوت صمیمیت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تجربہ کو یقین تھا۔

یہ دو تین سال کی طویل مدت پر محیط ہے۔ ایک طرف اسلام حق طلیوں کے دل میں گھر کر رہا تھا اور دوسری طرف کار مسائت کے اٹلی زمرے اٹلی آخری رسول ﷺ کے سامنے پیش کے جا رہے تھے۔ اور آپ ﷺ کو مسلسل حرف تہلی سے نوازا جا رہا تھا۔ وہی کلمی کی گراں باری کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ نبی اکرم ﷺ آیات کے حفظ کرنے اور انہیں اہل ایمان تک پہنچانے کے سلسلہ میں حدود و جہت حساس تھے۔ آیات کو جلدی جلدی دہراتے، زبان کو بار بار حرکت دیتے ان کے رب کو ان کی یہ ذمہ دار اندازا نہیں سمجھی تھی ہوں گی۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ کتاب اللہ کو پڑھو، انا سے یاد کرو، انا سے سمجھا، یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ ﷺ پریشان نہ ہوں۔ بس اپنے علم میں اضافی دعا کرتے رہئے۔

لَا تَسْرُوكَ بِهِ لِسَانَكَ لِتَفْعَلَ بِهِ طَائِفًا عَلَيْنَا جَمْعَةً وَقُرْآنَهُ
فَإِذَا قُرْءَانٌ فَاتَبِعْهُ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيِّنَاتَهُ

"(اے محمد ﷺ) وہی کے پڑھنے کے لئے اپنی زبان کو بار بار نہ حرکت دو کہ جلدی یاد کرو لو اس کا معنی کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے لہذا جب ہم اسے سنا رہے ہوں تو تم فورے سنتے رہو اور اسی طرح پڑھا کرو، پھر اس (کے معنی) کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔" (سورۃ القیامہ ۷ آیات ۱۰۴-۱۰۶)

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ
أَنْ يُقَضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۚ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا

"پس اللہ تعالیٰ بلند و بزرگ اور بادشاہ حق ہے اور قرآن کی وہی جوتہداری طرف بھیجی جاتی ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے (پڑھنے کے) لئے جلدی نہ کیا کرو اور یاد کیا کرو کہ اسے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرمائے۔"

(سورۃ القیامہ ۷ آیات ۱۰۴-۱۰۶)

یوں نبوت کے پہلے تین سال خفیہ تبلیغ میں گزرے اور اللہ نے وہی کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کو آنے والے مرحلوں کے لئے تربیت عطا فرمائی۔ اس مدت میں بھی مسلمانوں کے اجتماعات ہوتے۔ کبھی کبھی بیاضی کی گھاٹی میں، کبھی خود خانہ کعبہ میں چاشت کے وقت کی چاشت کی عبادت قریب بھی کرتے تھے اور پھر حضرت ارقم بن ابی ارقم کے گھر میں جو کوہ صفا کے قریب تھا۔

اس مدت میں سوا سو سے زیادہ سعید و شمس، اسلام کے حصار رحمت میں داخل ہو گئیں۔ ان میں قریش کے تمام ممتاز قبیلوں کے افراد شامل تھے قبیلہ قریش کے علاوہ دوسرے قبیلوں کے دو چار افراد بھی مسلمان ہو گئے۔ ایمان لانے والوں میں کم و بیش نو غلام اور کنیزیں بھی شامل تھیں۔ جن کی آغوش کی فضا میں سرور کائنات ﷺ نے اپنے بچپن کے لئے گزارے تھے اور حضرت عمارؓ، بنی یاسر کی والدہ حضرت سہیلہؓ بھی تھیں جو اسلام کی پہلی شہیدہ ہیں۔ اسلام کی تاریخ، عورت کی عظمت کا سرمایہ ہے۔ پہلی مسلمان ایک خاتون، پہلی شہیدہ ایک خاتون۔ ایمان لانے والے نو ذریعتوں (غلاموں اور کنیزوں) میں چھ کنیزیں شامل ہیں۔

ایک طرف خفیہ تبلیغ کے ذریعہ مکہ کے مشرکانہ ماحول میں وہ جماعت وجود میں آئی جس کے ارکان کی زندگی اللہ، وہی الہی اور نور مجسم ﷺ کے انوار سے جگمگا رہی تھی۔ یہ وہ تھے جن کے معاملات اور اسلوب حیات کو دیکھ کر اہل مکہ سوچنے لگتے کہ آخر یہ روشی ان کو کہاں سے ملی۔ دوسری طرف رسول اکرم ﷺ کی تربیت رہتے ہوئے فریادیں ان کی اس دعوت حق کو عام کرنے کا مرحلہ آ گیا۔ تاریخ نبوت کے صفحات شاہد ہیں کہ ہر رسول نے اپنی عملی زندگی اور موعظہ و حکمت کی زبان اور زور سے اسلام کی دعوت اپنے اپنے دور میں پیش کی۔ حضور ﷺ کو خلاصہ نبوت اور جامع صفات نبوت تھے۔ اسی لئے آپ ﷺ کی دعوت حق کو حکمت و نصیحت کا لفظ عروج و تکمیل بنا تھا۔

آپ ﷺ کے رب نے آپ کو بتایا

أَذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ
وَحَسَادٍ لَهُمْ يَا لَيْتَنِي هِيَ أَحْسَنُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ
ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۗ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُنْهِنِينَ ۝

”(اے نبی) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور موعظہ و نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور بہترین طریقے سے ان سے مہذب کرو اور تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے ہٹ گیا ہے اور وہی خوب جانتا ہے جو ہدایت پانے والوں میں سے ہیں۔“ (آل عمران: ۱۱۰-۱۱۱)

ہر لفظ صحیح بھی رسول اکرم ﷺ کے امتین کو طریق دعوت حق بتاتا رہا ہے۔ لوگوں سے ان

کے ذہن کے مطابق عمدہ پیرایہ اظہار میں بات کرنی لازم ہے اور مباحث میں مزاج کا استعمال اور الفاظ کا سلیقہ ناگزیر ہے۔ پھر نبی کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔ نتائج تو اللہ تعالیٰ مرحب فرماتا ہے۔ رسول کا اسلوب تبلیغ اور اندازِ احوال کام بھی شیطان کے حملوں اور حربوں سے شکست نہیں کھا سکتا۔ شیطان جو انسانوں کے درمیان فتنہ برپا کرتا جانتا ہے۔ سورہ بقرہ میں اسرا بکھل معراج کا تختہ ہے۔ اس سورت میں ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے دعوت حق کے امایب کے سلسلہ میں جیسے احکام کی تکمیل فرمادی گئی ہو۔

وَقُلْ لِيَعْبُدُنِي يَقُولُوا لِلَّهِ حَيْثُ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ
بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ۗ وَرَبُّكُمْ
أَعْلَمُ بِكُمْ إِنَّ يَشَأْ يُرْسِلْ عَلَيْكُمْ حَمِيمًا ۖ وَإِنْ يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ وَمَا
أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْكُمْ وَمَكِيدًا ۝

”اور (اے نبی) میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ الٰہی بات کہیں جو بہترین ہو۔ شیطان انسانوں کے درمیان فساد ڈالنا جانتا ہے، بے شک شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے تمہارا رب تمہارے حال سے خوب واقف ہے وہ جانتا ہے تو تم پر رحم کرے اور جانتا ہے تو عذاب دے اور (اے نبی) تم نے تم کو ان پر عذاب دار بنا کر نہیں بھیجا ہے۔“ (بقرہ: ۱۰۲-۱۰۳)

یہ آیات تبلیغ کے اس مرحلے کو چوٹیں کرتی ہیں جب دعوت عام کو شروع ہونے لگی برس گزر چکے تھے، اور جماعت مؤمنین بھی اس سلسلہ میں اپنا فریضہ انجام دے رہی تھی۔ تین سال کی مختصر تبلیغ کے بعد جب فضا دعوت حق کے لئے ہموار ہو گئی تو دوسرا مرحلہ آ گیا اور وہ مرحلہ تھا اپنے قرعین عزیزوں اور رشتہ داروں کو مدد اوقات اور نجات کی طرف بلانے کا حکم ہوا۔

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ

”اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو (کفر سے) خبردار کرو اور
ڈراؤ۔“ (الشعراء: آیت ۷۱)

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے قرعین عزیزوں کو دعوت دی۔ ان لوگوں تک ”سنئے دین“ کی

اطلاع تو پہنچ چکی تھی۔ تین سال کی کاوشوں سے وہ بے خبر تو نہیں رہ سکتے تھے۔ نبی ہاشم، نبی عبدالمطلب اور نبی عبدالمناف کے سر پر آور ہو لوگ دعوت پر آگے نبی کریم ﷺ کے خطاب سے پہلے ہی ابولہب اٹھا اور اس نے کہا جیتے اور جو چاہو کوہو مگر اپنے نئے دین کی بات نہ کرنا تم سے زیادہ کوئی شخص اپنے خاندان کے لئے آفت نہیں لایا۔ ابویوں پہلے ہی دن ابولہب نے اپنی ازلی بدبختی اور حق دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ یوں ابولہب، مصطفیٰ ﷺ کے مقابل لڑکی کی علامت بن گیا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرارِ بولہبی

رسول اکرم ﷺ نے دوسرے دن پھر اپنے ذوی القربی کو جمع کیا اس محفل میں ابولہب نے یہاں تک کہہ دیا کہ آقا ہم اسے گل کر دیں کی اس سے پہلے کہ ٹبرایا کر میں اسی محفل میں جناب ابولہب نے کہا کہ میں اپنے آئی دن کو تو ترک نہیں کر سکتا۔ ہاں تمہیں نہیں روکتا۔ تم اپنا کام کرو۔ ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔

اس پہلی دعوت عام کے بعد ایک طرف تو مسلمانوں پر مشرکین کے مظالم کا سلسلہ اور بڑھ گیا۔ اور دوسری طرف وہ مسلمانوں کے ساتھ مستحق کرنے لگے۔ ان کا مذاق اڑاتے اور ان کا طرہ یہ کلام کا انداز وہی تھا جو اقوم سابقہ کے ”مشرکین“ رسولوں اور اہل ایمان کے ساتھ روا رکھتے تھے۔ ان حالات میں سلسلہ تبلیغ کو اور عام کرنے کا حکم ہوا اور وہ بھی اسی قسمی کے ساتھ کہ ان پر ٹھکانے اور مذاق اڑانے والوں کے لئے اللہ کافی ہے۔

فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُونَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّا كَتَبْنَاكَ الْكَافِرِينَ ۝

”ہیں جو حکم تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے وہ لوگوں کو سناؤ اور مشرکین کا ذرا خیال نہ کرو ہم تمہاری طرف سے ان مذاق اڑانے والوں (کو سزا دینے) کے لئے کافی ہیں۔“ (الجزء ۱۵، آیات ۹۳-۹۵)

اور اسی حکم کے سلسلہ میں یہ بھی ارشاد ہوا۔

وَقُلْ إِنِّي أَنَا الْبَدِيئُ الْمُبِينُ ۝

”اور (اے رسول اللہ) کہہ دیجئے کہ میں تو علامہ زار نے والا ہوں۔“ (الجزء ۱۵، آیات ۹۳-۹۵)

اللہ تعالیٰ کی ان ہدایات کے بعد ایک صبح حضرت محمد ﷺ کو صفائی چوٹی پر چڑھے اور آپ ﷺ کے ہونٹوں سے ”یہا صبا صحاہ“ کا نعرہ بلند ہوا۔ صبح صبح اس وقت بلند کی جاتی تھی جب کسی دشمن کے حملے کا اندیشہ ہوتا یا لشکرِ غنیمت دیکھ لیا جاتا۔ عقاب و مردہ کی پہاڑیوں کو قرآن حکیم نے مسن شعائر اللہ (اللہ کی نشانیوں میں سے) قرار دیا ہے۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے انہیں پہاڑیوں کے درمیان بے تابانہ پیکر لگائے تھے۔ شیر خوار شعیب رضی اللہ عنہ کی پیاس اور ماں کی بے تابانی نے رحمت الہی کو چشمہ کے جاری کرنے کا ”بہانہ“ عطا کیا۔ اس واقعہ کے علاوہ صفائی کی عظمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسی کی بلندی سے سرور کائنات ﷺ نے قریش کو آزادی تھی ”یہا معشور القریش“ اور قریش اس آزادی کی طرف بے تابانہ آئے تھے، کیونکہ یہ اس کی آزادی تھی جو ان کے معاشرہ کا صادق اور امین تھا اور اس صادق و امین کے دل میں بھی ایک اضطراب تھا۔ اپنے عزیزوں اور قبیلہ والوں کو گمراہی سے بچانے کا اضطراب۔ یہ وہ ذات تھی جو ساری زندگی گمراہوں کے غم میں اپنے آپ کو بھٹکتی رہی۔ اس دن جب آپ صفائی چوٹی پر تھے تو دوسری طرف کا اضطراب ﷺ لگے گمانے تھا۔ سامنے قریش جمع تھے اور آپ ﷺ کی پخت پر کوہ صفائی کی دوسری جانب جو کچھ تھا وہ اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے نبی عبدالمطلب! اے نبی کعب! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے دوسری طرف ایک فوج تیار کر لے گی ہے اور تم پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے تو کیا تم میری بات مان لو گے؟ قریش نے کہا کیوں نہیں ہم، ہوں، ہم نے تم سے کبھی کوئی غلط بات نہیں سنی۔ قریش کے اس اقرار کے بعد زبان رسالت سے یہ الفاظ ادا ہوئے ”ہیں تم جان لو کہ میں تمہیں اس عذاب شدید سے آگاہ اور متنبہ کرنے آیا ہوں جو تم سے بہت قریب ہے“ اور پھر آپ ﷺ نے دعوت اسلام پیش کی۔ اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی دعوت۔ قریش کا مجمع خاموش ہو گیا۔ مکمل سنا سنا اس مجمع پر چھایا ہوا تھا۔ وہ تڑپ کر رہے تو کیسے! ہاں، بد بخت ازلی ابولہب نے اس ٹھکانے کو توڑتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا دن برباد ہو۔ کیا اسی لئے تم نے ہمیں ڈایا تھا۔“

صفائی کا انتخاب میں مصعب نبوت کا عملی مظاہرہ بھی تھا۔ نبی کا مہموم صرف یہ نہیں کہ وہ غیب

مٹی خیریں ہم تک پہنچاتا ہے۔ بلکہ نبی اس کو کہتے ہیں جو مقام بلند پر کھڑا اور دونوں طرف دیکھ سکے۔ رسول کو نبی اس لئے کہتے ہیں کہ دونوں دنیا میں اس کے دائرہ نگاہ میں ہوتی ہیں یہ دنیا تو اس کے سامنے ہوتی ہی ہے۔ اللہ اسے آخرت کا مشاہدہ بھی کرا دیتا ہے۔ اور نبی انہیں خالق کی طرف جاتا ہے جو اس کے لئے "وید" ہوتی ہیں۔ جنہیں وہ دیکھ لیتا ہے۔
قرآن حکیم مسلسل نازل ہو رہا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے نازل شدہ اجزا کو بھی کتاب قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کتاب کے نزول کا مقصد یہی ہے کہ تمام قرآنی (کہہ) اور اس کے اطراف کے باشندوں کو اس کی روشنی میں ان کی گمشدہ حیات کے کنارے سے متنبہ کرو۔

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَشِّرًا لِلَّذِينَ آمَنُوا
وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا

"اور یہ کتاب جسے ہم نے نازل کیا بڑی خبر و برکت والی ہے اور اس چیز (کتاب) کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آئی تھی اور اس لئے نازل کی گئی ہے کہ تم اس کے ذریعہ ایمان قرآنی (کہہ) اور اس کے اطراف کے لوگوں کو خبردار کرو۔"
(سورہ اعراف: ۶۰-۶۱)

اس حکم کے بعد حضرت ہادی و نذر پر و شہید ﷺ نے قرعہ ہی بستیوں کا دور فرمایا۔ اسی کے ساتھ زمانہ رنج میں مختلف علاقوں کے آنے والوں سے بھی آپ ﷺ نے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسی سلسلہ میں یثرب کے بنو نہدی سے بعد کے برسوں میں آپ ﷺ کی ملاقاتوں کے بعد ہی ہجرت مدینہ کی منزل آئی۔ مگر اس سے پہلے ہی جس کی ہجرتوں کی منزل آگئی تھی۔ تعلیمات آپ ﷺ کے ملاحظہ کریں گے۔

ہجرت تاریخی مراحل سے گزرتی ہے۔ حضور ﷺ کی دعوت کے مراحل کی تکمیل ان الفاظ کے ساتھ ہوئی۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ خَيْرِ مِمَّا بَدَأَ اللَّهُ
لَكُمْ مَلَائِكَةَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ هُوَ يُحْيِي
وَيُمِيتُ - فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

"(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کہ اسے انسانوں (اے عالم انسانیت) میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت جس کے لئے ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی جلا جاتا اور مارتا ہے جس ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے پیچھے ہونے کی امی پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے ارشادات کو ماننا ہے اور اس کی اتباع کرتے کہہ جاہت پالو۔" (سورہ اعراف: ۶، آیت ۱۵۸)

اہل مکہ کے سامنے آپ ﷺ کی زندگی کا ہر گوشہ ایک کھلی کتاب کے صفحات کی طرح تھا اور اس کتاب کی عبارت میں کہیں ایک نئے کی غلطی نہیں سمجھیں آئی تھی۔ اسی لئے جب صفا کی بندگی سے آپ ﷺ نے انہیں دعوت دی تو وہ خاموش رہے۔ اور اس کے بعد سلسلہ تبلیغ پھیلا تو آپ ﷺ نے آیات الہی کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔

یہ آیات مجزہ کا درد بھی رکھتی تھیں۔ جسی ہجرات بھی اہل قریش کے سامنے آئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کی کوشت کے طور پر پیش کیا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مَّا قَبْلَهُ - أَفَلَا تَعْقِلُونَ

"آخر میں اس سے پہلے ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، پھر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔"
(سورہ بقرہ: ۱۱۰ آیت ۱۶)

اللہ رب اعزت نے رسول اکرم ﷺ کی زبانی کفار سے جو بات کہلائی ہے، ذرا اس کی معنویت پر غور فرمائیے۔ سامنے کے معنی تو یہی ہیں کہ میں نے تمہارے درمیان ایک عمر گزاری ہے اور میری ساری زندگی، میرا کردار، میری نشست و برخاست میری گفتگو اور میرے معاملات تمہارے سامنے ہیں۔ پھر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے اور میری صداقت کے اقرار کی جگہ یہ خاموشی کیوں۔ لیکن اس جگہ ان سات الفاظ کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ گہرا ہے۔ اپنی زندگی کے ذکر سے پہلے آیات میں نبی کریم ﷺ سے اللہ نے یہ الفاظ کہلائے ہیں کہ "اگر اللہ کی مشیت نہ ہوتی تو میں تمہیں قرآن کیوں سنانا اور تمہیں تو اس کا علم ہی نہیں ہوتا۔ میں نے ایک عمر تمہارے درمیان گزاری ہے۔ کیا تم نے اس سے پہلے ایسا حکیمانہ کلام، ایسی صداقتیں

کئی مجھ سے سنی ہیں جن کے دائرے میں یہ زندگی اور آنے والی زندگی سمٹ آئی ہے۔ تم محض سے کام کیوں نہیں لیتے اور یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ ان تعلیمات کا سرچشمہ کچھ اور ہے۔ یہ اللہ کی دہی ہے اور اللہ عظیم وغیرہ ہے۔

مصلح سے کام لینے کے جگہ اور حضور ﷺ کے پیچھے کا جواب دینے کی جگہ سروران قریش نے آپ کی اور آپ کے پیغام کی مخالفت شروع کر دی اور نہایت شدت کے ساتھ حضور ﷺ کی مخالفت اتنی شدت کے ساتھ کیوں کی تھی؟ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر اس سوال کا جواب دیا اور تمام عوامل و عناصر کو پیش کر دیا ہے جو اس مخالفت کی بنیادی وجہ تھے۔ ان عوامل کے مطالعے سے اس عہد کے ذہن اور عربوں کے برسرِ اقتدار طبقے کے مفادات کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

یہاں یہ بات عرض کر دینی مناسب ہوگی کہ انبیاء سابقین میں سے بیشتر کی مخالفت کے یہی اسباب تھے اور آج بھی کفر نہیں اسباب و عوامل کی بناء پر دین حق کی مخالفت کرتا ہے۔ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کفر کا ذہن جاہد ہوتا ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کی مخالفت برسرِ اقتدار طبقے نے اس بناء پر کی کہ یہ پیغام ان کے اقتدار کے لئے موت کے اعلان کا درجہ رکھتا ہے۔ ”افوت“ اور ”مساوات“ کے تصورات ان کی سیادت کے خاتمہ کے مترادف تھے۔ اس طرح توحید کا نظریہ ان کی قبائلی تقسیم پر کاری ضرب تھا۔ اور قبائلی امتیازات کے سہارے ہی ان کی بڑائی کی عمارت کھڑی تھی۔ وہ ایک ایسے دین کو کیسے تسلیم کرتے جس میں نوبت اور بڑائی کا انحصار قبیلہ، پیدائش اور دولت کی جگہ کردار اور نیکوئی تھا۔ معاشرے کے زبردست اور غریب لوگ اس نظام سے وابستہ ہو کر ان کے ہم سر بن جاتے، ابو بکر و عثمان و علی اور صہیب و جلال و عمار میں کو فرق نہیں نہ رہ جاتا۔ حضرت نوح کی قوم نے بھی نوح سے یہی کہا تھا۔

قَالُوا إِنَّا كُنَّا مِنْ لَدُنْكَ وَأَنْتَ عَلَيْنَا أَلَا تَرْجَعُونَ ۝۶

”انہوں نے کہا، کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں حالانکہ تیری ہی جیروں ہی روٹی تریں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہے۔“ (اشعرا ۶: ۱۱۱ آیت ۱۱۱)

قرآن حکیم نے اس سلسلہ میں یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اقوام سابقہ کے سرور انبیاء نے کراتم کی مخالفت میں جوش پیش نہ کیے تھے، کیونکہ وہ معاشی اور خانمانی طور پر کم تر لوگوں کو متفق

انسانیت دینے کے خلاف تھے۔ اور پھر یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ ان جیسا ایک شخص اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے۔

فَقَالُوا الْمَلَأْنَا لَدُنَّيْنِ كَحَفْشِهِمْ وَمِنْ قَوْمِهِ مَا تَرَكُوا إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا تَرَكُوا إِلَيْكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَزْوَاجُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ۚ بَلْ نَنْظُرُكُمْ كَذِبِينَ ۝

”نوح کی قوم کے سرور جنہوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا، بولے تم ہماری نظروں میں اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ بس یہ ہم انسان ہو اور ہم دیکھ رہے کہ ہماری قوم میں جوڑ بولتے تھے انہوں نے بے سوچے کیے تمہاری بیوی اختیار کر لی ہے اور ہم کسی چیز میں تم کو اپنے سے زیادہ صاحب فضیلت نہیں مانتے بلکہ تم تو تمہیں ہی جودہ سمجھتے ہیں۔“ (سورہ ہود ۱۱۱ آیت ۱۲)

یہی رویہ قریش مکہ نے اختیار کیا۔ ان کی مخالفت کا ایک اور قوی سبب اسلاف پرستی اور آباء اجداد کے راستے کو صحیح سمجھنا تھا۔ اس سبب کا ذکر قرآن حکیم میں بار بار کیا گیا ہے۔ قریش نے اللہ پرستی کی جہتیں جوڑ رکھی تھیں، والدوں سے کام لینے اور

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰئِدُونَ ۝

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اس کی طرف اور اس کے رسول ﷺ کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ جس راستے پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے چاہے ان کے آباؤ اجداد کچھ نہ جانتے ہوں اور جس راستے کی انہیں خبر نہ ہو۔“ (المائدہ ۵۵ آیت ۱۰۳)

منکر یہ باتیں کہتے تو تھے مگر اپنے غلط نظروں کو اتنا کھرو دیتے تھے کہ انہوں نے افترا کو اپنا مسلک بنایا۔ بہت سی باتوں کو اللہ سے منسوب کرنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے نبی اکرم

ﷺ کے سچے اور دل میں اترا جانے والے ارشادات کے اثر کو کم کرنے کے لئے آپ کو مجنوں سا اور مسکورا اور شاعر بنا کر شروع کر دیا۔ ایسے باہم آپ کو کذاب (معاذ اللہ) کہنے کی ہمت نہ پڑتی تھی مگر مجبوراً یہ لفظ بھی استعمال کرنا پڑتا۔ قرآن حکیم میں یہ سارے الزامات اور بہتان تفصیل کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ اس کا عملی اور ہمیشہ قائم رہنے والا پہلو یہ ہے کہ ہر دور میں حق کی آواز بلند کرنے والوں کو انہیں راستوں سے گزرتا پڑنا ہوگا۔

رسول کریم ﷺ ایسے رسول تھے کہ ان کا رسول ہونا برا اعتبار سے واضح تھا۔ دور رسول مبین تھے مگر اہل قریش کی بدعتی اور سخت دلی نے انہیں اعتراض حق سے روک رکھا تھا۔ ان کی غفلت کا عالم یہ کہ

أَتَى لَهُمُ الْبُكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۖ لَأَقُولُوا
عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ ۝

”ان کی غفلت کب دور ہوتی ہے حالانکہ ان کے پاس رسول مبین آیا پھر بھی انہوں نے اس سے منسوخت لیا اور کہا کہ یہ تو کسی دوسرے (انسان) کا بڑا حایا سکھایا ہے اور مجنوں ہے۔“ (الدخان: ۴۳، ۴۴ آیت ۱۳)

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَأَيُّ آلَاءِ اللَّهِ لَبَسْتُمْ كَبُورًا ۖ
وَيَقُولُونَ إِنَّمَا لِنَارٍ كُفُورًا ۚ الْهَيْهَاتَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ ۖ

”یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ فرور اور اٹھکارتے کیجئے کہ کیا ہم اپنے ایک شاعر مجنوں کے کہنے سے اور اس کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔“ (الطہ: ۲۵، آیات ۳۵-۳۶)

”مجنوں“، ”شاعر“، ”کذاب“، ”مسکورا“، ”معلم“ اور ”شاعر“ جیسے خطابات کی ارزانی، چہروں کی بارش، سماجی مقلد، تین سال تک ایک گمانی میں انتہائی شہادہ کے ساتھ بناوگزی اور ایسی ہی دوسری صبر آزار ماور جاں یواختا لغتوں کے درمیان نبی کریم ﷺ اللہ کے راستے پر چلنے رہے اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے رہے۔ یہ تھا فریضہ نبوت کی تکمیل کا کمال ترین مظاہرہ۔ اس سلسلہ میں حضور ﷺ نے ان ربانی ہدایات کے ہر پہلو پر عمل فرمایا جن کا ذکر آیات قرآنی کے

حوالوں سے کیا جا چکا ہے۔ سرور دنیا و دین ﷺ نے وہی الہی کو دوسروں تک پہنچانے میں حکمت و موعظت سے کام لیا اور بحث کی شائق اور روی کی بے غرض کا وہ معیار قائم فرمایا کہ آج کی مہذب، شائستہ اور متقدم دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

حضرت محمد مصطفیٰ، امیر مجتہب ﷺ کا قلب مبارک انسانیت کے دور اور رحمت کا ایسا سرچشمہ تھا کہ گمراہوں کی گمراہی پر آپ ﷺ کا دل روتا رہتا۔ اس حقیقت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ جو ایمان نہیں لائے آپ ﷺ ان کے لئے بلقان نہ ہوں کیونکہ ان کے ضمیر مردہ ہیں اور کلام حق ان کے سہرے کانوں کے لئے نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو ساعت حق اور قبول حق سے محروم کر لیا ہے۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ۝ إِنَّكَ لَا
تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَأَنْتُمْ سَمِيعٌ ۖ وَاللَّحْمِ الدُّعَاءُ إِذَا وُلُّوا
مُذْبِحِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمَىٰ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِنَّ
تَسْمِعُ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُ فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝

”ہیں آپ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھئے یقیناً آپ سب سے صریح اور باہکل واضح حق پر ہیں آپ فردوں کو نہیں سنا سکتے نہ ان بہروں تک اپنی دعوت پہنچا سکتے ہیں جو منہ پھیر کر بھاگے جا رہے ہیں اور خدا مومن کو راست ہا تکھلنے سے بچا سکتے ہیں۔ آپ تو انہی باتا انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہارنی آیات پر ایمان لائے ہیں اور پھر مسلم بن جاتے ہیں۔“ (سورہ اہل ۲۵، آیت ۸۱ تا ۸۴)

حضور ﷺ کے ذمے اللہ تعالیٰ نے ”سید پر“ اور ”تعمیر“ کے فرض تقویٰ پیش فرمائے تھے۔ ان لوگوں کو تباہی سے آگاہ کرنا جو راہ باطل پر گامزن تھے۔ اور انہیں جنت نعم اور بھلائیوں کی بشارت دینا جو صراطِ مستقیم کے راہی تھے۔

امام الانبیاء ﷺ نے نہ صرف بشارت کے فرض تقویٰ جس فوق بشری صحت، دیانت، اور شفقت کے ساتھ انجام دیئے جو وہ صدیاں اس کے آثار کا دورہ کرتی ہیں۔ آپ ﷺ نے صراطِ مستقیم کی سعادتوں کو اپنے اسوۂ حسنہ سے اچھا کر لیا اور آفراسیاب ریاست کے قیام کے ذریعہ انتہائی زندگی کو اللہ کے رنگ میں رنگ دیا۔ وہ اسلامی ریاست آج بھی صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ تمام عالم انسانیت

کے لئے ایک بشارت کا اہجر رکھتی ہے۔ لیکن کامیابی کی اس منزل تک پہنچنے سے پہلے حضور ﷺ کو سختی آزمائشوں سے گزرے۔ وہ آزمائشیں جو زلزلہ صفت تھیں۔ لوگوں نے جب صادق و امین ہر مشورہ، محکم اور بندۂ سوا صفات کو سارہ کذاب کہا تو ان کی کیفیت جراثیم کا اندازہ لگانا ممکن ہے۔

مگر قسلی دینے والا پہلی سے نواز رہا تھا۔ اور یہ قسلی دینے والا کون تھا؟ خالق کائنات

فَإِن كُذِّبْتُمْ فَسَأَلْتُ رَبِّي فَمَا يَكْفُرُ أُولَئِكَ أَنِ لَمْ يَأْتِكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ

”اے نبی (ﷺ) اگر یہ لوگ آپ کی کھڑکی کرتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کی کھڑکی کی جا چکی ہے، جو بہت واضح نشانیوں اور عینوں اور روشنی کے طائرے والی کتابیں لائے تھے۔“ (سورۃ آل عمران آیت ۱۸۳)

اللہ تعالیٰ نے انبیائے سلف کی تاریخ کے حوالے سے اپنے رسول ﷺ کو قسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ افروں کا حضور کو نبی بھی نہیں۔ باطل کے ہاتھ میں صرف یہی حربہ ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اسْتَهْزَأُ بِرَسُولِ رَبِّكَ فَجَاءَكَ بِالْبَيِّنَاتِ مَنجُورًا
مِنهُمْ مَّا كَانُوا يَهِيمُونَ وَنَدَّ قَوْلُ يَمِينُوهَا فِي الْأَرْضِ
ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ

”اے نبی (ﷺ) آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا جانے کا بے گمان مذاق اڑانے والوں پر آخر کار وہی حقیقت مسلط ہو کر رہی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ رسول (ﷺ) اپنے ان مذاقوں اور شکر کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ ذرا زمین پر چل بھر کر دیکھیں کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔“ (سورۃ الاحزاب آیت ۷۱)

حضور ﷺ کی زندگی اور تاریخ شاہد ہے کہ یہ مذاق اڑانے والے ذلت کی زندگی اور الم ناک موت سے دو چار ہوئے۔ اور ان کے وطن کی زمین ان پر ٹنگ ہو گئی۔ ہاں ان میں سے جو سعید اور خوش بخت تھے وہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہدایت کے ستارے اور اپنے عہد اور آنے والے اودار کے معماروں میں شامل ہو گئے۔

جماعتِ مؤمنین

ظلم کا مقابلہ ایمان اور صبر سے

کفر کو پانے والے صرف تھوڑے تھوڑے حصے ہی رہتے بلکہ وہ اہل ایمان کے دلوں میں ظلم کے تیر بوجھت کرتے ہیں۔ ان مظالم کا جواب اللہ کے ماننے والے صبر اور صلوات سے دیتے ہیں اور جب تاریخ کا رخ مڑتا ہے تو ظلم کی کھائی مروڑ دیتے ہیں۔ اور یہاں قریش مکہ کا واسطہ تو اس رحمت للعالمین سے بڑا تھا۔ جو مذاق اڑانے والوں کے لئے دعا میں کرتا اور صبر کو اس طرح اختیار کرتا کہ ظلم کو اپنی کمزوری کا احساس ہوتا۔ یہ وہ صبر نہیں جو جھوٹی اور مجبوری کی پیداوار ہوتا ہے، بلکہ وہ صبر جو اپنے راستے پر بہاڑوں کی طرح تم کھڑے رہنے کی کیفیت ہے۔ اور اسی صبر کا سبق اللہ تعالیٰ نے صابرِ ظلم اور جماعتِ مؤمنین کو دیا ہے۔ کفار کی ایذا رسانی کے سلسلہ میں حضور ﷺ سے ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَنُرْسِلُنَّ لَكُمُ الْغَابِغَاتِ وَأَنصَابُهَا
إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنُوا عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُفِرُوا فِيهِمْ
بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ وَإِنَّ السَّلَاةَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا
وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ

”اگر تم صبر کرو (جدا لینے کی جگہ) تو یقیناً یہ صبر صابرین کے حق میں بھتر ہے اے نبی امیر سے کام لے جاؤ اور تمہارا یہ صبر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے جان لوگوں کی حرکات پر حرج نہ کرو اور زمان کے کھڑے اور چالوں پر دل تنگ ہو، بے تکلف اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ کو اختیار کرتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔“ (آفل آیت ۱۱۶-۱۱۷)

اس سلسلہ کام پر پائی سے صبر کے مرتلے اور صابروں کے مرتے کسی طرح سامنے آتے ہیں اپنے مؤقف پر قائم رہو اور مظالم کا مقابلہ کرو، مجر دیکھو کہ رقم کیسے پھول اور آتسو کیسے شہم ہناتا



ہے۔ وہ شہم جو وجود کی گہرائیوں میں اتار کر شادابی بن جاتی ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہوتا ہے۔ اللہ سے رشتہ قائم رہے تو قلب کو مطمئن مان حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح عالم بہت چھوٹے نظر آتے ہیں۔ ان کی چالیں تار عنکبوت اور ان کے ظلم و انہار کمزوری۔ اللہ کی توفیق مبر کے ساتھ تقویٰ بھی عطا کرتی ہے۔ ایسا تقویٰ جس کی طاقت کا راز احیاء میں کردار کے روشنی دان کو کائناتوں سے مجروح نہیں ہونے دیتی اور ظلم کے مقابل احسان کا انہار، ظالموں کو رعبہ بر اندام کر دیتا ہے اور وہ حق کے آستانے پر جمک جاتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور راستہ ان کے لئے باقی نہیں رہتا۔ اس مبر اور ظلم کے مقابلے کی کچھ حکمتیں ملاحظہ ہوں۔

ایک دن صاحب کوثر اور ابن مبرا معاً کعبہ کے پاس سے گزر رہے تھے۔ اور یہ سوچتے ہوئے کہ یہاں رب ابراہیم ﷺ اور پرتش کی شروع ہوگی اور انسانوں کے تراشے ہوئے دیوتاؤں سے یہ عمارت کب خالی ہوگی کہ سرداران مکہ آپ پر ٹوٹ پڑے۔ ایک دن پہلے بھی انہوں نے یہی ارادہ کیا تھا۔ مگر جب ان کے طنز و دشنام کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ”اس ذات کی قسم جس کے قبضے قدرت میں میری جان ہے۔ میں تمہارے لئے ذبح عظیم لے کر آیا ہوں“ تو آخر طنز جیسے بے روح اور بے جان ہو گئے اور دوسرے دن انہوں نے اچانک حملہ کا فیصلہ کیا۔ درمیان میں سردار کائنات تھے اور چاروں طرف سرداران مکہ اپنے دائرے کو کھنگ کر رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے آپ کی چادر کھینچی شروع کی، یہاں تک کہ چادر سے آپ کے گھوٹے مبارک پر فرخاں پڑنے لگی اور دم کھٹنے لگا۔ وہ گھوٹے مبارک جس سے دشمنوں کے لئے بھی دعا میں نکتی تھی۔ اس عالم میں بھی کوئی خوف آپ کے احساسات میں شامل نہ ہو سکا۔ زہر آب آیات الہی کی تلاوت اور پھر سے پروہ سکون، جو اللہ پر اعتماد کائنات تھا۔ صدیق اکبر و درمیان میں آگے اور ظالم کے ہاتھ کو روک کر روتے ہوئے کہنے لگے کہ ”تم اس انسان کو صرف اس لئے مار ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ اعلان کرتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔“ صدیق اکبر بھدکے بے آنسو اپنے صاحب، اپنے ہادی کی تکلیف کے لئے تھے۔ اور ان کا حلقہ اعدا میں آ کر انہیں روکنا ان کے ایمان اور شجاعت کی دلیل تھا۔ اللہ اور اسلام کے دشمنوں نے نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر ﷺ پر حملہ کر دیا۔ ان کے سر پر گہرا زخم آیا اور ریش مبارک ٹوٹی گئی۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہر دن، آزمائش اور فتنے کے مقابل استقامت کا دن تھا۔ کبھی آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے، کبھی راہ گزرتے آپ پر گندگی پھینکی جاتی اور ایسا تو اکثر ہوتا کہ آپ ﷺ بچھر سے گزرتے، قریش والے طنز ہیہٹے کہتے، تہنہ آمیز فقرے چست کرتے اور آپ ﷺ کی تکذیب کرتے۔

جماعت مؤمنین میں ایمان اور اسلام کے دائمی اور جہادیت مجسم ﷺ کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق ﷺ سب سے باعزت اور بااثر فرماتے، لیکن قریش دین حق کی دشمنی میں سارے آداب قربت اور جذبہ کے سارے آداب فراموش کر بیٹھے، ایک دن حضور ﷺ کی معیت میں حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے ایک مجمع میں تبلیغ اسلام کے لئے زبان کھولی ہی تھی کہ قریش نے ہر طرف سے بلغار کر دی۔ قتیبہ بن ربیعہ نے پرانے اور سخت تلے والے جوتوں سے آپ کے چہرہ مبارک پر آتی خنثیں لگا کیں کہ چہرہ خون میں ڈوب گیا اور ضد و خال، چٹوں کی ہڈ پھجانے نہ جاتے تھے۔ نبی تمیز آپ کو بیہوشی کے عالم میں اٹھا کر لے گئے۔ موت ابو بکر کو چھو کر گزرتی۔ مٹھنوں کے بعد جب ہوش آیا تو جو لفظ زبان سے ادا ہوئے وہ یہی تھے کہ ”رسول ﷺ تو خیریت سے ہیں؟“

آپ کو اپنے قبیلہ کی حیثیت کی بنا پر پتلا کر لائے والے عائد بنو جمہ بھرا لیا کہنے لگے کہ دیکھو اپنی پروا نہیں، ہاں کا ذکر ہے جس کی وجہ سے اس حال کو پہنچے۔ ام جمیل مسلمان ہو چکی تھیں۔ وہ جب قریب آئیں تو ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انہوں نے اشارہ سے کہا کہ کیسے بتاؤں؟ آپ کی والدہ کن لیں گی۔ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے فرمایا کہ ان کے سامنے تادہ کوئی بات نہیں۔

ام جمیل نے حضور ﷺ کی خیریت سے مطلع فرمایا تو سب سے سائے اٹھ گئے۔ جب کوئی مشروب پیش کیا گیا تو چائنا محمد عربی ﷺ نے انکار کر دیا اور کہا اللہ کے حضور یہ میری نذر ہے کہ چہرہ زیبائے رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے بغیر نہ کچھ کاؤں گا، نہ بیوں گا۔ جب قبیلہ والے چلے گئے تو اپنی والدہ اور ام جمیل ﷺ کا سہارا لے کر ہزار دقت سے اپنے آپ کو کھینچتے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ ابو بکر ﷺ کی وفاداری کے اس نقش کو دیکھ کر سر کا زخمی مرتبت ﷺ کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے، اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کی وہ نیکر نمودار ہوئی جس میں مستقبل کے پردے میں چمکی ہوئی اسلام کی ساری کامیابیوں اور توفیق عات کی روشنی تھی۔ صاحب خلق عظیم ﷺ نے

صداقت پر کئی ایمان تھا۔ یہ وہ تھے جنہوں نے اہدی زندگی کی جاودا لذتوں کو اس دنیا کے بدلے خرید لیا تھا اور جو زندگی کے آداب کو اپنے عمل کے ذریعہ اے والی صدیوں کے لئے مرتب کر رہے تھے۔ یہ لوگ جانتے تھے کہ کفر کی طرف ذرا سا جھکاؤ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور اللہ کی نصرت صرف ثابت قدمی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

فَأَسْتَقِيمُ كَمَا أُمِرْتُ فَعَمْرُنَا نَابَ مَعَكَ وَلَا نَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَلَا تَسْكُنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَمِمَّا كَسَبْتُمُ النَّارَ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝

”جیسے نبی اکرم اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر و ظلمت ایمان و اطاعت کی طرف) لپٹتے ہیں اور راست پر پوری طرح ثابت قدم رہیں جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے اور بندگی و اطاعت سے تمہارا ذکر۔ جو کہ تم کر رہے ہو وہ تمہارے زبانی ہے، ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکاؤ نہ جہنم کی آگ کی لپیٹ میں آ جاؤ گے اور جس کوئی ایمان والی صبر پرست نہیں لگے گا جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچا سکے اور نہ کہیں سے تم کو مدد پہنچے گی۔“

(سورہ آل عمران آیت ۱۱۳-۱۱۴)

رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا کفار کی طرف جھکاؤ اور اذیتاں قیاس ہے۔ یہ قرآن حکیم کا وہ انداز بیان ہے جو ایمان و کفر کے درمیان بہتر نقل کو کاٹ دیتا ہے اور سب سے بڑھ کر آنے والے اہل ایمان بھی اس تقاضا سے اپنے آپ میں حوصلہ پیدا کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ جب باطل و کفر کا ڈانٹنے کے طریقوں میں ناکام ہو گیا، جب ہر ناکحتم خود ظالموں کے سینوں میں بیست ہو گیا تو تحریروں اور لابی سے کام لیا گیا۔ قریش کے اربابِ صل و معتقد نے آپ سے کہا کہ اگر تمہیں دولت کی آفتاب تھی تو تمہارے لئے سونے چاندی کے انبار لگائے جا سکتے ہیں اور اگر انجھی گھریلو زندگی میں اپنا وقت گزارنا چاہتے ہو تو شہر کی کسی کو تمہاری شادی کر دی جائے اور اگر حکومت کی خواہش ہے تو یہ کھڑے ہوئے قبیلے تمہارے لئے ایک مملکت کی صورت میں منظم کئے جا سکتے ہیں۔ ان ترغیبات کا جواب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ دیا کہ ”رب طیب لک اہم“ اگر تم میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی رکھ دو تو بھی میں وہی اہل

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا شکر یہ ادا کیا، اور یہی ہوتا تھا کہ ان کا دل اسلام کے لئے کھل گیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ اگر ایک طرف دعوتِ صلوة کا استعارہ ہیں تو دوسری طرف استقامت و صبر کی علامت۔ مکی گری کی وہ پہریں، بیٹے کے نیچے جتنی ریت، سینے پر ہماری جتا ہوا پتھر، آقا کا مقابلہ کر محمد ﷺ کی اطاعت سے انکار کرو اور لات و تکیل کی عظمت کا آواز بلند کرو۔ اور ادھر ہلال ہیں کہ دونوں پر احد احد ظلم کے مقابل احدان کے لئے کافی ہے۔ یوں ہلال آگ میں انداز لگاتار پیدا کرتے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

کون جانتے کہ یہ شعر کہتے وقت مولانا محفل جو ہر کے ذہن میں ہلال رضی اللہ عنہ کی آرزائیں ہوں۔ لگاؤ کھیل کے سامنے ایسی تصویریں مسلط آتی جاتی ہیں۔ مثلاً میں کہاں تک بہرائی جاؤں۔ صرف یہی موضوع کئی فطروں کا مقناضی ہے۔ یہ خیاب اللہ بن الامارت ہیں۔ قریش نے انہیں دیکھتے ہوئے انکاروں پر لٹا دیا اور ایک قوی نیک آدمی نے سینے پر پوری قوت سے اپنا بھر رکھ دیا تاکہ ان کی پشت انکاروں پر رہے مگر یہ تو وہ تھے جس کا ذوق صبر ہر سزا کے بعد اور بڑھتا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے رسیوں سے باندھ دیا اور اس اعلان کے ساتھ کہ محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کو نہیں چھوڑو گے تو سرنے تک یوں ہی گرفتار ہوا رہو گے۔ مگر عزم عثمان رضی اللہ عنہ کے آگے یہ دعویٰ تصور برد تو گیا۔ حضرت سیرہ ام ہمار کو شہرکوں کے سرخیل ابو بھیل نے نیزہ مار کر شہید کر دیا اور وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اسلام کے علاوہ ہر چیز سے لاتعلقی کا اعلان کرتی رہیں۔ ان کے شہر حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی اپنی جان کی قیمت پر تصدیق رسالت کی۔ ابو بھیل نے سفوفان بن امیہ کے تقاضا سے سفوفان انہیں شہر اور اپنے لوہند لوگوں کے حوالے کر دیا کہ اپنا تکی بھلاؤ۔ اور وہ نسیت میں سزا میں ان کے جسم پر لٹاؤ کرتے۔ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے کھرانے کی کنیز حضرت زینبہ ؓ کا عمر کے اسلام لانے سے پہلے ان کی مسلسل سزاؤں کا نشانہ تھیں۔ اور ایک بار ابو بھیل نے انہیں اتارا کہ حساس حصوں پر چوٹ پڑنے سے آنکھوں کی بصارت سے آتش کے لئے عزم ہو گئے۔

یہ وہ تھے جن کے ایمان کی طاقت کا سرچشمہ وہی لہی، نبی کریم رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی اور اپنی

کی اشاعت و تبلیغ سے نہیں رک سکتا۔ اس اختلاف کا سبب اپنی رسالت پر یقین اور اللہ اور اس کے تعاون و حفاظت پر کمال ترین ایمان تھا۔
اس ایمان کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ان کے گھر کے بارے میں قرآن حکیم جو کچھ ارشاد فرما رہا تھا اسے اللہ کا رسول ﷺ، جو بے سرو سامان تھا، نہایت جرأت کے ساتھ اہل ایمان اور اہل مکہ تک پہنچا رہا تھا۔

فَرَزْنِي وَ مَنَ خَلَقْتُ وَ جِئْنَا ۚ لَا وَجَعَلْتُ لَهٗ مَلَا مَلًا مَّمْلُوكًا ۙ
وَبَيْنِي سَهْوَدًا ۙ وَ مَهْدَتْ لَهٗ تَمَهِّدًا ۙ لَمْ يَطْمَعُ اَنْ
اَزِيْلَهٗ اَلْحَلَّا ۙ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰتِنَا عِنْدَهٗ سَارِهَةً صَعُوْدًا ۙ
اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ۙ وَ قَدَّرَ لَهٗ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ لَمْ يَتْلُ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ
لَمْ نَقْطَعْ لَهٗ عِيْسَ وَ بَسْرًا ۙ لَمْ اَذْبَرْ وَ اسْتَكْبِرَ ۙ فَقَالَ اِنْ
هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُهٗ ۙ اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۙ سَأَصْلِيهٗ
سَقَرُهٗ

”چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے لایا ہے اور اسے بہت سال دیا۔
اس کے ساتھ رہنے والے بیٹے اسے دیکھے اور اس کے لئے ریاست کی راہ ہموار
کی اور پھر مجھی لایا رکھتا ہے کہ اسے اور دوں۔ پھر انہیں۔ وہ ہماری آیات سے
عاد اور حوشی رکھتا ہے، میں مغرب سے اسے ایک شخص چڑھائی چڑھاؤں گا۔
(سخت آزمائش میں انہوں نے اس کے سوا اور بات ہانے کی کوشش کی، اس پر
اللہ تعالیٰ کی بارگاہی بات ہانے کی کوشش کی، یہاں اس پر اللہ کی بارگاہی بات
ہانے کی کوشش کی۔ پھر (لوگوں کو) دیکھا پھر تیسری چڑھائی اور نہ پایا پھر بیٹے
پھیری اور غرور (کا اظہار) کیا پھر بلا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جاو جو پہلے
سے چلا رہا ہے یہ انسانی کلام ہے“ مغرب سے دوڑنے میں جموں تک وہاں گا۔

(المدثر ص ۲۰ آیات ۲۳ تا ۳۱)

یہ ولید بن مغیرہ کا تذکرہ ہے جس کی متاع دنیا کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس کی سالانہ آمدنی

ایک کروڑ دینار تھی۔ اور یہ اپنے آپ کو جیدہ ابن الوحید کہتا تھا (قرآنی بیان میں اس طرف
اشارہ بھی ہے) اس کے دل نے قرآن حکیم کے کلام اللہ ہونے پر گواہی دی۔ اور یہ گواہی زبان
تک آگئی۔ عرب کے سب سے مالدار سردار کی اس تہذیبی قلب سے ابوجہل پریشان ہوا اور اس
نے کذب و سازش سے ولید کا دل اسلام سے پھیرا مگر ولید نے یہ ضرور کہا کہ محمد ﷺ کو شاعر،
مجنون، کذاب اور کابن کہنے سے کام نہیں چلے گا۔ انہیں ساحر کہو۔ آیات بالا میں اس کے ذہن
کی کیفیات اور مختلف غمگی مرحلوں کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ ہر کلمہ ایک ذہنی موڑ ہے۔
ولید بن مغیرہ کو اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ اس کا نام اللہ کی کتاب میں آتا، لیکن تمام قرآن
اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور قریش تک پر ان آیات کا مفہوم بالکل واضح تھا۔ ہاں ابولہب کا
ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ اس بد بخت ازلی کا رو بہ اور اسلام دشمنی کا ذکر
اور اہل کفر و مشرکیت میں پیش کیا جا چکا ہے اور ایسی ہی منظر میں سورۃ اللہیب کو سمجھا جا سکتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَّتْ یَدَا اٰبِی لَهَبٍ وَ تَبَّتْ مَآ اَعْنٰی عِنْدَ مَالِهٖ ۙ وَ مَا
كُنْتُ بِمَصْیُلِی نَارًا ۙ ذَاتَ لَهَبٍ ۙ وَ اَمْرٌ اَتَهٗ حَمٰلَةٌ
الْحَطْبِیَّةُ ۙ فِیْ جَنِّیْهَا حٰنُتٌ مِّنْ مَّسْبُوْبٍ ۙ

”ابولہب کے ہاتھ توٹ گئے وہ ہمارا اور ہوا کیسا کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا
اس کے ہاتھ کام نہ آوے ضرور شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کی
جور دہی لگائی جھانکی کرنے والی، اس کی گردن میں موٹیجھی رہی ہوگی۔“
(سورۃ لہب ص ۱۱)

یہ سورت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب حضور ﷺ نے کوہ صفا کی بلندی سے قریش کو آواز
دے کر جمع کیا تھا اور ابولہب نے آپ ﷺ کی دعوت سن کر گستاخانہ کہا تھا کہ ”تو ہلاک ہو۔ کیا
ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا“ اور آپ ﷺ کے مارنے کے لئے چھرا اٹھایا تھا۔ اسی لئے قرآن حکیم نے
اس کے ہاتھوں کو ٹوٹنے کی خبر دی۔ یہ عبادہ کسی کے منصوبوں کی برادری کا اظہار کرتا ہے۔ اور
پھر ابولہب بڑی ذلت کے ساتھ ہلاک ہوا۔ غزوہ بدر کے سات دن بعد وہ طاعون میں مبتلا
ہوا مگر والوں نے اسے الگ کر کے ایک کوٹے میں ڈال دیا اور وہیں وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر

گیا۔ تین دن تک اس کی لاش کو کسی نے ہاتھ نہ لگایا۔ پھر گلی مزویٰ فحش کو مزدوروں نے ایک گڑ سے میں ڈال کر پتھروں سے پات دیا۔

اس کی بیوی خاردار کاٹنے عسکری السائبینہ کے راستے میں ذاتی تھی۔ آپ ﷺ کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف چھل خوری کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔

ان واقعات و آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابلیسی مظلومیت کے انتہائی دور میں بھی مسلمانوں کے صبر میں استقامت بلکہ حق کے غلبے کے لئے کفار کے بارے میں اعلان حق شامل تھا۔ قریش کے مقابلے میں عام مسلمانوں کی زندگی بوجھ بن گئی تھی۔ حضور ﷺ کے لئے اپنے جانثاروں کی تکلیف جب قطعاً ناقابل برداشت ہو گئیں تو قریش نے نبی آپ ﷺ نے انہیں جبراً ہجرت کی اجازت دے دی۔ حبشہ کی دونوں جہتوں کا ذکر ہجرت نبوی سے پہلے کیا جائے گا تاکہ ہجرت کی اہمیت اجاگر ہو سکے۔

قریش کے ان مقابلے میں مسلمانوں کی تربیت ہوئی۔ ان میں اللہ پر اعتماد اور توکل بڑھا۔ ظلم کی سیاہ رات میں انہیں اس آنے والے روشن دن کی آمد پر مکمل ایمان تھا جب اسلام کا سورج اپنی پوری تابانی سے چمکے گا، جس سے سر زمین عرب کے ڈرے آئینہ چلی بن جائیں گے۔ اور ساری دنیا کو اس سورج کی روشنی سے ایمان کی صراطِ مستقیم ملے گی۔ فراروی آزمائشوں کے بعد وہ منزل آگئی جب رب العزت نے جماعت مؤمنین کے کردار، ان کی استقامت اور حقیقی ضد و مخال کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی تدبیر فرمائی اور اس جماعت کے صبر و استقامت ان کے اظہار کے لئے شعب ابی طالب کی محسوری کا واقعہ مرتب فرمایا۔

کفار کے ظلم و ستم کا ایک مثبت پہلو یہ بھی تھا کہ بعض نہایت دلیر افراد اس ظلم سے اظہار برات کرنے کے لئے مسلمان ہو گئے۔ مظلوموں کے صبر نے ان کے دلوں کو بر ما دیا۔ شعب ابی طالب کے واقعہ سے ایک سال پہلے یعنی ۶-۱۰ نبوی میں حضرت عمرؓ نے مسلمان ہو گئے۔ مزہ شجاع تھے، دلیر تھے، سرد شکار کا شوق تھا، زندگی کو شکار کا میدان سمجھتے تھے۔ اپنے پیچھے محمد ﷺ سے بہت محبت تھی، مگر اسلام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ایک دن کو صفحہ کے قریب ابوجہل نے حضرت سید المرسلین ﷺ کے ساتھ سخت گستاخیاں کیں۔ مزہ ﷺ شکار پر گئے ہوئے تھے جب وہ شام کو واپس آئے تو چہرہ گرو سے انا ہوا تھا۔ منہ ہاتھ دھوئے سے پہلے ہی کینز نے، جس نے ابوجہل کی گستاخیوں کو خورد و کھا تھا اور واقعہ سنایا، وہ توفیق الہی کی سماعت اور قبول حق کی

گھڑی تھی۔ مزہ ﷺ اسی حال میں تیر کمان لے کر حرم میں داخل ہوئے، کمان ابوجہل کے سر پر ماری اور جلال کے عالم میں اعلان کیا۔ "سن لو میں مسلمان ہو گیا ہوں" یہی وہ سال تھا کہ عمرؓ نے اسلام بھی اسلام لائے۔ عمر کے اسلام قبول کرنے کے لئے زبان رسالت نے اپنے مجبور و حضور عاقر بانئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ نہایت معروف ہے۔ اس لئے ہم تفصیل سے گریز کرتے ہیں۔ ہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ بھی ایک مسلمان خاتون کی جرأت و ہمت کا کارنامہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن فاطمہ کو زد و کوب کیا مگر بہتے ہوئے لہو کے ساتھ زبان فاطمہ نے یہی کہا کہ بھائی! کچھ کرو، رسول اللہ ﷺ سے رشتہ نہیں ٹوٹ سکتا اور کلام الہی ہونٹوں پر یوں ہی جاری رہے گا اور دل کی طرف یوں ہی سفر کرتا رہے گا۔ اور یوں فاطمہ نے تقدیر عمرؓ بدل دی۔

قریش طے سے اپنی انکھیاں کاٹ رہے تھے اور اپنے غضب کی آگ میں جل رہے تھے۔ ان کے بہترین افراد حلاقہ جو کوشان محمد ﷺ میں شامل ہو گئے تھے۔ اللہ کی زمین ان کے لئے وسیع تر ہو رہی تھی۔ مسلمان مہاجرین کے دو قلعے حبشہ چکے تھے۔ اور قریش کے جو سفر انہیں واپس لائے اور حبشہ لٹکانے کے لئے گئے تھے وہ نامرادانہ واپس آچکے تھے۔ نہایت خود بھی دولت اسلام سے سرفراز ہوا۔ ان حالات میں قریش نے یہ انتہائی تدبیر سوچی کہ مسلمانوں کو محصور کر کے رزق اور مسلمان حیات سے محروم کر دیا جائے تاکہ دنیا سے ان کا رشتہ ٹوٹ جائے اور وہ تپا ہی دوسرے کی وادی میں پہنچ جائیں۔

قریش نے مکمل مقابلہ (باہیگات) کا معاہدہ مرتب کیا جس کی رو سے طے ہوا کہ کوئی قبیلہ نیا ہاشم سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔ ان تک کمانے پینے کا سامان نہیں کھینچ دیا جائے گا۔ ان کے ساتھ تجارت اور لین دین ممنوع ہوگا۔

یہ معاہدہ مکہ میں آؤ بڑاں کروایا گیا۔ نئی ہاشم میں سے ابولہب اس معاہدہ میں قریش کے ساتھ شریک تھا۔

جب ابوجہل نے کمال جرأت کے ساتھ مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ نوا ہاشم سے نبوی میں شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے، دو چار دن، دو چار مہینے کے لئے نہیں چلے پھر دو تین سال کے لئے۔ نئی ہاشم دشمنوں کے پتے چلے پھر کے کھڑے ابال اہال کرکھانے پر مجبور ہو گئے۔ شعب ابی طالب میں جب مضمون بچوں کے رونے کی آوازیں گونجتیں تو محمد مصطفیٰ ﷺ

کے قلب میں ربیٰ و لم کی سونہیں اضطراب پیدا کر دیتیں۔ اگر وہ اللہ کے رسول نہ ہوتے اور اللہ کی وہی کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے مکتف نہ ہوتے تو یہ سب کچھ کیسے برداشت کرتے۔ ان شداکد کو دیکھئے اور اس نقطہ پر غور کیجئے کہ اس عالم میں بھی سرکارِ حقسی مرتبت ﷺ نے اپنی تلخ چاری رکھی۔

نبی اکرم ﷺ کی اس استقامت سے وہ دل بھی پھیلنے لگے جو پتھر کی طرح سخت تھے اور انہیں بھی اسلام کی حقانیت کا یقین ہونے لگا۔ قریش میں ایسے لوگ بھی تھے جو انصاف اور انسانیت کے تصور سے بے بہرہ نہ تھے، وہ مسلمانوں اور حسن سلوک کا واضح تصور رکھتے تھے۔ ہشام بن عمرو بن ربیعہ ایسے ہی انسان دوست اور بہادر انسان تھے انہوں نے اور ان کے چار ساتھیوں نے قریش کے اس خالمانہ معاہدہ کے خلاف آواز بلند کی۔

ایک دن جب قریش کی مجلس تھی ہوئی تھی۔ حقیقہ نگ رہے تھے، جام نکرانے جا رہے تھے زہیر بن ابی امیہ کی آواز گونجی کہ مجھ پر شہ اور رزق حرام تک جب تک میں اس خالمانہ معاہدہ کو چاک نہ کروں گا۔ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے بہت شور مچایا مگر بہادروں کا یہ قافلہ معاہدہ کو چاک کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ اس میں ہشام، زہیر اور عظیم بن عدی شامل تھے۔ جب وہ کعبہ پہنچے تو دیکھا کہ معاہدہ کو دیک چاٹ چکی ہے۔ اللہ اپنا فیصلہ دے چکا تھا۔ مگر اس واقعہ کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ قریش میں بہادر اور حق کا احساس رکھنے والوں کا خمیر جاگ اٹھا۔ حق میدان جنگ میں سر فرزا نہیں ہوتا وہ تو قلوب کی دنیا کو تسلیم اور درگروں کو دیتا ہے۔

مکہ کے اس دور میں افراد کی تربیت کے ساتھ ساتھ جماعتی مومنین کی شیرازہ بندی ہوئی۔ ایک ایسا گروہ وجود میں آیا جسے اپنے رب پر اپنے رسول پر اور اپنے دین پر مکمل ایمان تھا۔ یہ وہ جماعت تھی جو کسی ظلم کے سامنے جھک نہیں سکتی تھی اور جسے کوئی تحریک و ترغیب خرید نہ سکتی تھی۔ مہر اور استقامت اس جماعت کی امتیازی صفات تھیں، اور ان کے ممبر کی بنیاد صلوة پر قائم تھی۔ یہ جماعت مہر و صلوة کے ذریعہ اللہ سے نصرت طلب کرتی تھی اور ان کی دعا جب بابِ اجابت پر دستک دیتی تو اسے نکلا ہوا پانی۔ اس جماعت کے ممبر نے دوسری طرف مخالفوں کے دلوں کو بھی بدل دیا۔

سکی زندگی کے اہم باب

شقِ قمر، عام الحزن، طائف، ایام حج میں تبلیغ اور معراج

جہاد کسی مقصد کے حصول میں حد درجہ مشقت اور امکان بھر کو کوشش کو کہتے ہیں۔ سیدنا مولا تانا محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا پیرہن جہادِ اکبر تھا۔ آپ ﷺ تو شعب ابی طالب کے عہدِ معصوری میں بھی فریضہ تبلیغ میں ہمہ تن مصروف رہے۔ پیغامِ حق کی تبلیغ و ترسیل میں رسول ﷺ کی زندگی اور آیاتِ الٰہی معجزات کا درجہ رکھتی ہیں۔ ہم اس مطالعے میں کسی مقام پر عرض کر چکے ہیں کہ آمنہ کے نکتِ جگر ﷺ کے یہ دونوں معجزات یعنی آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور قرآن حکیم قیامت تک کے لئے ہیں۔ یہ نکتہ آپ ﷺ کی رسالت پر ہر دور کے لئے ہے ان معجزات کے علاوہ وحی معجزات بھی عطا کئے گئے تاکہ ان کے منکروں پر حجت قائم ہو سکے۔

شعب ابی طالب کا محاصرہ جاری تھا۔ ایک طرف قریش کے بعض سردار عناد اور دشمنی میں سخت تر ہوتے گئے۔ دوسری طرف ہشام، زہیر اور عظیم بن عدی کے دلوں میں نرمی کی کونٹیں چھوئے لگیں۔ یہ بھی ایک مجرہ تھا۔ اسی دور میں مجرہ و حق فرود نا کے سامنے آ گیا۔ محاصرہ بنیادی طور پر معاشرتی مقلد تھا۔ حضور ﷺ اس زمانے میں بھی مکہ کے دوسرے مقامات پر تشریف لے جاتے تھے۔ وہ چاندنی رات تھی۔ حضور ﷺ منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ اہل مکہ آپ ﷺ کی تکذیب و تعذیب کے لیے ہر جگہ تلخ جاتے۔ وہ منیٰ میں بھی پہنچ گئے اور بخاری و مسلم کے مطابق: "اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اپنی نبوت کے لئے کوئی نشانی (معجزہ) دکھلائیں تو اللہ تعالیٰ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا یہاں تک کہ انہوں نے جبلِ حرا کو دو ٹوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔" ۱

قرآن حکیم نے سورۃ القمر میں اس معجزہ کو اہل ایمان و بصیرت کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

اِقْتَسَرَّتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۚ وَانْزَلْنَا نَارًا مِّنْ سَمَوٰتِنَا

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَىٰ ۖ قُلْ إِنِّي لَا أَعْلَمُ ۗ وَسَيَلِّقُوا الْكِبْرِيَاءَ وَالْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقِينَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ سَوَاءٌ يُغْفِرُ لَهُمْ وَاَسْفَهًا لَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّمَا اللَّهُ يُغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ ذَكِيمٌ ۝

قیامت کی گزری آگئی اور جان نہ بچت گیا مگر ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ خواہ کوئی لٹائی دیکھ لیں منہ مڑواتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو بچتا ہوا جاوے ہے انہوں نے (اس بھڑوق الفکر کو بھی) بھلا دیا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی ہر معاملہ کو بالآخر ایک انجام پر پہنچاتا ہے۔ (سورۃ الفرقہ ۵۵ آیات ۳۲-۳۱)

قریش مکہ اور صحابہ کرام ﷺ کی ایک جماعت نے چاند کو دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے دیکھا۔ ایک ٹکڑا مشرق کی طرف۔ دوسرا مغرب کی طرف چلا گیا۔ صحابہ معجزات پر اہلین ﷺ نے گروہ قریش سے کہا کہ دیکھو اور شہادت دو۔ اور اچھی طرح دیکھنے کے بعد چاند بھر گیا۔ اس واقعہ کی شہادت بعد میں مکہ آنے والے قافلہ بانیوں نے بھی دی۔ لیکن قریش مکہ کے قلب و نظر جیسے ان کے تعصبات اور ہت مہرئی نے مہر لگا دی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ چاند تو قہقہ اور صدود چیز ہے، لیکن اقصائے عالم میں دیکھے جانے والے اس معجزے کو بھی انہوں نے سحر قرار دے کر گریز کی صورت نکال لی۔ مگر وہ یہ بھول گئے کہ ہر چیز اپنے انجام تک ضرور پہنچتی ہے اور اس مرحلے پر حق واضح اور مشہور ہو کر سامنے آجاتا ہے جس سے انکا ممکن نہیں ہوتا۔

نبوت کے دسویں سال مسلمان شعب ابی طالب کی محصوری سے نکلے۔ پناہ گزینی کے دن فتح ہوئے، لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد جناب ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ یہ وہ ذات تھی جس نے کم سن اور یتیم محمد ﷺ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا تھا، جس نے قریش کی تمام دھمکیوں کے علی الرغم اپنے سنبھلے سے کہا تھا کہ اپنے کام میں لگے رہو میں تمہیں چھوڑوں گا۔ وفات کے وقت ہادی تن ﷺ نے اپنے چچا کے سامنے ایک باہر اسلام کی دعوت پیش کی لیکن قریش کے سردار بستر مرگ کے گرد جمع تھے، اور ابو طالب خاموش رہے تاکہ یہ سرداران قبیلہ انہیں بزدل قرار نہ دیں۔

ابھی اس صدمے سے حشو ﷺ سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئیں۔ حضرت خدیجہ ؓ سے سب سے پہلے آپ ﷺ کی رسالت اور صداقت کی گواہی دی تھی۔ وہ خدیجہ کی ذات تھی جس نے اپنے حرف نسی سے آپ ﷺ کا بوجھ

ہلکا کیا تھا، اور جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبی مقرر کیا تھا۔ حضرت خدیجہ طاہرہ ؓ کا سن مبارک سے سرکار دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چار سا جزا دیاں عطا فرمائی تھیں ان کے نام قیامت تک صفت و صمت سے استعارے رہیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ کو ہمیشہ یاد رکھا۔ ان کے ذکر سے آپ کو کم آ میری ناطا حاصل ہوتا۔ آپ ﷺ حضرت خدیجہ کی سہیلیوں اور اعزاء کے ساتھ الطاف کرتے رہے اور عنایت کا سلوک کرتے رہے۔

مہربان بچا اور زندگی کے ہر ذک کہ مکہ میں رفیقہ حیات کی رخصت کا یہ سال عام الحزن یعنی غم کا سال کہلاتا ہے۔

طائف صحت محمدی ﷺ کے عہد میں مکہ کے بعد دوسرا بڑا اور اہم شہر تھا "قورینین عظیم" سے مراد یمنی "دوفن بڑے شہر" تھے۔ قریش جو دولت اور اقتدار کو ہر عملت کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ یہی اعتراض کر تے تھے کہ اگر وہ ان کو نبی رسول بھیجنا ہی تھا تو ان بتیوں (مکہ اور طائف) کے کسی سردار اور ذی حیثیت آدمی کو اس منصب کے لیے کیوں نہ چنا۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ نبوت اللہ کی رحمت ہے اور اس کی "تقسیم" اور "انتخاب" اسی کا حق ہے۔ یہی دولت و سودہ اس نے دنیا پرستوں کو دے دی۔ وہ تو دنیا پرستوں کے گھروں کی چٹوں ان کی بیڑیوں، ان کے دروازوں اور ان کے چیمبے کے چٹوں کو بھی سونے چاندی کا بنا کر انہیں فریب مزید میں جتا کر دیتا اگر یہ بات اس کی حکمت کے مطابق ہوتی۔ ان سارے مباحث کو سورۃ الزخرف کی پانچ آیتوں میں سمویا گیا۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي نَحْنُ بِهَا عَضُدٌ وَرَحْمَةٌ رَبِّكَ لَسُنَّ قَسْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّبِعُوا بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَحْمَعُونَ ۝ وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِيُؤْتِيَهُمْ مِّنْ سَخْفًا مِّنْ فَضْلِهِ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَتَّبِعُونَ ۝

وَيَلْبَسُوهُمْ آبُوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَكَبَّرُونَ ۗ وَزُخْرُفًا وَوَانِ
كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ
لِالْمُتَّقِينَ ۝

”اور یہ مشرک کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں بڑے شہروں کے کسی بڑے آدمی پر
کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کیا تمہارے رب کی رحمت یہ لوگ تحسیم کرتے
ہیں؟ ہم نے تمہارے رب کی رحمت سے خدمت سے نہیں اور تمہارے رب کی
رحمت (نہوت) اس مال و متاع سے کہیں زیادہ بھتر ہے جو یہ لوگ جمع
کر رہے ہیں اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طریقے کے
ہو جائیں گے تو ہم (نبی) سے ٹکر کرنے والوں کے مکانوں کی چیمیں
اور ان کے ذریعے جن سے وہ اپنے بالا خانوں پر چڑھتے ہیں اور ان کے
دروازے اور ان کے تخت جن پر وہ بٹھکے لگا کر بیٹھتے ہیں سب چاندی سونے
کے بنا دیئے یہ جو شخص دنیوی زندگی کی متاع و اسباب ہے اور تمہارے رب کے
پاس آخرت (اور اس کے انعام) صرف متقیوں کے لئے ہے۔“

(الزخرف ۳۳ آیات ۲۵-۲۷)

ان آیات ہی سے اہل طائف اور بالخصوص وہاں کے سربراہ آورد و لوگوں کے اعزاز و زینت اور
طرز و نگار کا پورا پورا اعزاز ہو جاتا ہے۔ طائف مکہ کے بعد دوسرا بڑا شہر ہی نہیں تھا بلکہ دوسرا اہم
مذہبی مرکز بھی تھا۔ قریش کے بڑے اُمّت ”قبل“ کے بعد طائف کے بت اعظم ”لات“ کا درجہ
تھا۔ قریش بھی ہلیل و لات کی عظمت کی قسم کھاتے تھے۔ طائف باغوں کا شہر تھا۔ اور گرمیوں میں
سارے عرب کے امراء کا مرکز تفریح بن جاتا۔ طائف کے رئیس اپنی متاع دنیوی پر ناز کرتے
ہوئے اپنے آپ کو مذہب الٰہی سے بالاتر سمجھتے تھے۔ اور ان کو اس سابقہ کے خوشحال لوگوں کے اس
اسلوب فکر کی ترجمان تھے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا قَالَ: مُتَّبِعُوا هَذَا ۖ إِنَّا بِمَا
أُرْسِلْتُمْ بِهِ كٰفِرُونَ ۝ وَقَالُوا لَنَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا ۖ

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ۝

”اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی ہستی میں کوئی خیر دار کر کے اور سزا دہی کر کے
کے ساتھ ہی سے، ڈرانے والا جو ایسا ہوا جس ہستی کے خوشحال لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ
جو (پیغام) تم نے کر کے ہو ہم اس کو نہیں جانتے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ”ہم
مال و اولاد میں سے تم سے زیادہ اور ہرگز مذہب میں جتنا نہیں کئے جائیں گے۔“

(سورہ اسراء آیات ۲۳-۲۴)

مکہ میں آپ کو تبلیغ کرتے ہوئے دس سال ہو رہے تھے، لیکن قریش کے سرداروں کا وہی
رو یہ رہا۔ آپ ﷺ باہر سے آنے والے قافلوں میں بھی تبلیغ کرتے۔ اس مرحلے پر آپ کے
ذہن مبارک میں طائف کے سفر کا خیال آیا۔ مکہ سے طائف کا فاصلہ کوئی پچاس میل ہے۔ بعض
راہتوں کے مطابق حضرت زید بن حارثہ آپ کے شریک سفر تھے۔ لیکن سفر طائف کی جو
تفصیل سامنے آتی ہیں۔ ان سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ آپ تو ہاتھ بٹھیک لے گئے تھے۔ اس عہد
میں یہ فاصلہ کچھ کم نہ تھا۔ اور راستہ بھی پہاڑی تھا۔ حالات ایسے تھے کہ کسی سواری کا بند و بست
بھی نہیں کیا جاسکا۔ آپ کے صحابہ ﷺ آپ کے چارٹا کر کے لے کر آمادہ رہے لیکن اس
سفر میں آپ ﷺ نے کسی کو ساتھ نہ لیا۔ تبلیغ اور رسالت کا کامیاب راستہ تھا۔ یہ جاؤہ فرض تھا اور
اس سلسلہ میں آپ ﷺ کسی کو تکلیف دینے کے لئے تیار نہ تھے کہ مومنوں کے لئے آپ ﷺ کو
دُور و رحیم بنا کر بھیجا گیا تھا۔

نبی اکرم ﷺ کے اس سفر کی مدت اور طائف میں قیام کے بارے میں اختلاف ہے۔ مختلف
روایات کے مطابق آپ کی مدت قیام دس دن سے لے کر ایک ماہ عمنان علی اور ہاب صبر و
استقامت بن گیا۔ آپ ﷺ طائف کے سرداروں سے ملے اور ان کا اعزاز کلام یہ تھا۔

”تم رسول ہو؟ خدا کو تمہارے علاؤ کوئی نہ ملا؟“

”اگر خدا نے تمہیں پیغمبر بنا دیا ہے تو میں کہنے کا پردے بھاڑ دوں گا۔“

”میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔ اگر تم واقعی رسول ہو تو میں تمہاری بات کا
نہجواب نہیں دے سکتا۔ اگر تم جھوٹے ہو تو بات کرنے کے لائق نہیں۔“

یوں سرداران طائف نے اپنی باتوں سے آپ ﷺ کے سینہ چلنے کو ٹھیک کیا اور پھر بے کار وار

ابوہاشم لڑکوں اور نوجوانوں کے ساتھ اپنے غلاموں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ آپ ﷺ بدر سے گزرتے وقت تالیان بجاتے، مذاق اڑاتے، گا لیاں سے آپ ﷺ کو متصل کرتے اور پھر آپ پر پتھروں کی بارش ہوتی کہ اربوں کے لہو سے ظلمین مبارک تنہا بنانے لگے۔ آپ ﷺ زخموں سے چور چور ہو کر مجبور کے ایک درخت کے نیچے بٹھ گئے۔ بیٹے ابوہاشم نے سر و سامانی کے احساس، کھڑکی تار کی کے غلاب اور لوگوں کے تن سے گریز بنے آپ ﷺ کو ایک کرب عظیم میں جتا کر دیا تھا مگر اس لمحے میں بھی آپ ﷺ کو تنہا کی احساس نہیں تھا کیونکہ رفیق اعلیٰ کی معیت پر آپ ﷺ کا یقین پختہ تھا اور آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کا خاد، مامور، پناہ گاہ تھا۔ اس عالم میں آپ کے ہونٹوں پر یہ دعا ابھری۔

”اے میرے معبود! میں اپنی کمزوری، اپنے وسوسے کی اور لوگوں کی حقیر کے سلسلہ میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو ہی درمانوں اور ضعیفوں کا رب ہے اور میرا مالک بھی تو ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرے گا بیگانے اور دشمنوں کے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی بیڑ کی پروا نہیں۔ تیری معایت میرے لئے بہت دست ہے۔ میں تیرے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جو ہر تار کی کوروشن کر دیتا ہے۔ اور جس سے دین و دنیا کا ہر کام سدھر جاتا ہے۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے۔ نیکی کے عمل کی توفیق اور شر سے بچنے کی طاقت تو ہی مجھے عطا کرے۔“

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے حضرت محمد مصطفیٰؐ سے سوال کیا کہ احد کے معرکے سے بھی سخت تر کوئی مرحلہ آپ کی زندگی میں آیا؟ آپ نے فرمایا طائف اور فرمایا کہ میں غم کے عالم میں جران تھا کہ کھر جاؤں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ میں قرن السنائل میں ہوں، ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایا لگن ہے اور اس میں جبرئیل امین موجود ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے رب نے وہ سب کچھ سن لیا ہے جو آپ نے اپنی قوم سے کہا اور اس کا جو جواب دیا گیا۔ آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے اپنے غم سے مطلع کریں۔ اس واقعہ کی تفصیل مسلم بخاری اور طبرانی میں موجود ہیں۔ پہاڑوں کا فرش مکہ اور طائف کے درمیان قریش اور اہل طائف کو دبا کر رکھ دینے کی اجازت مانگ رہا تھا، لیکن رحمت للعالمین ﷺ نے

جواب دیا کہ نہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد میں وہ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

آپ کی حالت زار اور آپ کے مہربان کا طائف کے سرداروں حنیف بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ پر اثر پڑا یہ انہوں نے اپنے ایک عیسائی غلام کے ہاتھ آپ کو گنہ گنہ جوائے تاکہ آپ نوش فرمائیں آپ سے تل کر اور آپ کی عزیمت سے متاثر ہو کر وہ غلام مسلمان ہو گیا یہ کچھ کر کہ اتنی تکلیف دینے والوں کے لئے بھی یہ ذات دعا کر رہی ہے اس کے ذہن میں آپ ﷺ کی رسالت کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہا۔ اور وہ کہا تھا کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اپنے اعزاز اور اپنے قبیلہ تک اللہ کا بیگام پہنچانے کے بعد ہادی برحق قرآن مطلق معلّم نے مضافاتی بیٹیوں کے علاوہ عربوں کے اجتماع اور ایمان جج میں اطراف و جواب سے آنے والوں کے درمیان تبلیغ شروع کر دی تھی۔ طائف کا سزاوی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔

اجتماعات عرب اور بالخصوص جج کے اجتماع میں یہ قبیلہ اپنے خیمے ایک ساتھ لگا کر اپنے ”پردا“ قائم کرتے، یوں برقبیلہ کی ایک چھوٹی عمارت ہستی وجود میں آجاتی۔ حضور ﷺ پر قریش کے جاسوس مقرر تھے۔ جب بھی کسی قبیلہ کا رخ کرتے کسی اجتماع میں تبلیغ کے لئے روانہ ہوتے تو ایہا بل اور ابوہاشم آپ کے پیچھے لگ لیتے۔ آپ ﷺ پر پتھراؤ کرتے اور جب کسی قبیلہ سے آپ ﷺ گفتگو کرتے تو ہاں بچ کر شہر جاتے، آپ ﷺ کی تکذیب کرتے۔ جب آپ اللہ کی وحدت، انسانوں کی مساوات، آنے والی زندگی کے نکات بیان کرتے تو ایہا بل پکائی اور قریشی سردار اٹھ کر لات و دھاری کی دہائی دیتا۔ قریش کے اس طرد عمل کے طور پر دور دراز سے آنے والے قبیلوں کے ذی شعور لوگ سوچنے لگے کہ آخر یہ لوگ اس حد تک مخالفت کیوں کر رہے ہیں۔ پھر عرب شجاع تھے اور ہوا ہوا انسانوں کو ظلم سے نفرت ہوتی ہے۔ قریش کے خالمانہ برتاؤ کو دیکھ کر ان قبیلوں کے بعض افراد سوچنے کے آخر فرقیہوں نے عربوں کے رویہ اخلاق، آداب کو کیوں ترک کر دیا ہے۔ لیکن اس جاہلانہ معاشرے میں ایسے ذی شعور لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔

سردار عالم ﷺ نے جنوبی عرب کے بائیں قبیلہ کنہہ شمالی عرب کے قبیلہ کلب کے علاوہ بنی الحارث، بنی حنیفہ، بنی سلیم، بنی میس، بنی نذرہ، بنی بکر، بنی منان اور کنی دوسرے قبیلوں کے نفوذ

سے ملاقاتیں کیں۔ حضور ﷺ ان قبیلوں کے سرداروں سے فرماتے کہ میری قوم تجھے تبلیغ اور انسانوں کی اصلاح سے روک رہی ہے۔ اگر تم مجھے اپنے علاقے میں رہنے کی اجازت دو تو میں ہجرت کے لئے تیار ہوں۔ بیشتر قبائل کا رویہ دل چاہن ہوتا اور ان کا مذاکمت۔ جو لوگ نئے دین کے لئے کشش محسوس کرتے وہ تعداد میں بہت کم تھے۔ یہ سعادت اہل یشرب کے لئے مقدر ہو چکی تھی کہ وہ اللہ کے رسول کو اپنے دیار میں آنے کی دعوت دیں اور اس پیام کو پیچیلانے کے لئے رسول اکرم ﷺ کا یوں ساتھ دیں کہ تاریخ انہیں انصار محمد ﷺ کہے اور ان کا دین یشرب کی جگہ سے ابینی بن جائے۔

اطراف یشرب میں یہودیوں کو "قیلیہ بنی قریظہ اور بنی نضیر آباد تھے ایک یہودی قبیلہ بنی قریظہ کی مدینہ میں آباد تھا۔ ان یہودی قبیلوں کے تعلقات دو قبیلوں اوس و خزرج سے تھے۔ بنی قریظہ خزرج کا حلیف قبیلہ تھا اور بنی قریظہ و بنی نضیر اوس کے حلیف تھے۔ یہ یہودی قبیلے اوس و خزرج کو آپس میں لڑاتے رہتے اور اپنی اپنی اہمیت قائم رکھتے۔ یہودیوں سے ان تعلقات کی وجہ سے اوس و خزرج والے ان کے اعتقادات سے خوب واقف بلکہ متاثر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہود اپنی کتاب کے حوالے سے ایک نبی کی آمد کو منتظر ہیں۔ ۱۰ جو آ کر ان کی بالادستی اور اقتدار کے دور کا آغاز کرے گا۔ یہود جب یشرب والوں سے ناراض ہوتے اور کوئی باہمی جھگڑا ہوتا تو آنے والے نبی سے انہیں ڈراتے۔ اس طرح نبوت، وحی اور کتاب کے تصورات اہل یشرب کے لئے نئے نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے طے کر لیا ہے کہ وہ یہود سے پہلے آنے والے رسول پر ایمان لے آئیں گے اور وہ انہیں امن اور آسائش کی زندگی عطا کرے گا۔

- ۱۰۔ یہودیوں کی روٹی میں فری نبی کی ہمت کے علاوہ، یہ بھی ناجائز، دوسرا اور جبر کے قریب کے علاقوں میں ہجرت کر کے آئے، مذکورہ بالا قبیلہ یشرب میں ہی آباد ہو گئے، وہ اس سے بھی بترختے تھے، وہ نبی آل ہرلم ﷺ میں سے ہو کر جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جگہ پر آئے، انہیں وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا کہا گیا اور وہاں کی بھاری بھاری کی بیگانگی کے بھی مشر ہو گئے، ہر قسم کی مالوں کی، خزیرتوں کے، زمینوں میں یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے ہمیں ایک نیا مذہب عطا فرما رہا ہے اور وہاں کا کوئی مذہب اللہ کے رسول میں۔ ہم یشرب جا کر اپنی قوم کے سامنے دو چیل کر رہے تھے، جسے قبول کر لیا ہے۔
- ۱۱۔ اہل یشرب نے دین مومن جا کر رسول اور اس کے دین سے اپنے دلوں کو بچا لیا، مگر اسلام کی بات وہ بولنے لگے۔ اگلے سال موسم حج میں بارہ آدمیوں نے آ کر اسلام قبول کیا۔ بنی نضیر سے متعلق ہے۔ اور اس کا ذکر ہم نے ہجرت نبوی ﷺ کی سلسلہ میں کیا ہے۔ وہ نضیر قبیلہ کا تو کہہ ہی آتے تھے۔
- ۱۲۔ "حقیقت اسباب و عوامل سے جو وہ اس اللہ تعالیٰ کی رحمت و رحمت پہنچی تھی، اور ان کا مقصد اسلام کی اشاعت اور حق کے لئے راستہ ہموار کرنا تھا، اس سلسلہ میں ان کے پیش قدمی کے بعد کئی اصلاحات ہو چکی تھیں، اور انہیں نبی سے دور تھے۔

خاندان حقیقی ختم ہو جائے گی۔ اتحادی طاقت انہیں گردنوں کے تمام علاقوں میں ممتاز کر دے گی۔ یہ تھا وہیں منظر جب خزرج کے کچھ لوگوں کو رسول اکرم ﷺ نے مدینے کی تقریب ان کی خیر خواہی میں جا کر دعوت اسلام دی تو انہوں نے آپس میں جارحانہ خیال کیا اور آپ کی تصدیق کی اور کہا یا رسول اللہ! ہم تم کو بھروسے ہوئے ہیں۔ ہم اعتبار میں مبتلا ہیں۔

وَلَمَّا حَآكَهٖ هُمْ كَيْفَ مَنَّ عَلَيَّا اللّٰهُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ
وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْهِمُونَنَا عَلَى الْاَيْدِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا
حَآكَهٖ هُمْ شَاعَرُوْا كَفَرُوْا بِهِۦ فَلَغَنَ اللّٰهُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

"اور جب یہ کتاب (قرآن) ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی جو اس کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی (نبی تورات) تو ان کا اس کتاب کے ساتھ کیا رویہ ہے حالانکہ اس کے آنے سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں حق و صحت کی دعا میں مانگا کرتے تھے مگر جب وہ حق آئی تھی جسے پہچان بھی گئے، تو اس سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان کافروں پر!"

تعمیر و تعمیر اور انہیں حق سے ڈرا کر پاک تھے۔ ۱۱ "علیٰ میان مدللہ نے نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشاد کی روشنی میں اس کا سبب اوس و خزرج کی نسلی و نسبی خصوصیات اور بعضی مزاج و کردار کو قرار دیا ہے۔ "یہ دونوں قبیلے اپنی اصل میں ہی بن سے وابستہ تھے۔ زمانہ قدیم میں ان کے آباؤ اجداد وہیں سے یہاں منتقل ہوئے تھے۔ ۱۱

سورہ مشر جو دنیا اور آخرت میں یہود کے عذاب والوں کی سازشوں اور اسلام دشمنی سے متعلق ہے اپنے دامن میں اوس و خزرج کا ذکر بھی رکھتی ہے۔ کفار یہود سے حاصل ہونے والے مال (فنی) کے بارے میں سورہ مشر کی آیت میں ارشاد ہوا کہ یہ فریب مہاجرین کے لئے ہے جو اسلام کی "پاداش" میں اپنے گھروں سے نکال دیے گئے۔ اور اس کے بعد کی آیت میں انصار (باطنوں اوس و خزرج) کا ذکر ہے۔

۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ یہاں سے آگے میں ہی کتاب میں ذکر ہے اور اس کا ذکر ہم نے ہجرت نبوی ﷺ سے کیا ہے۔

۱۳۔ حوالہ دیا ہے۔

اختلافات کی صورت میں قبول کر لینا چاہئے۔ جس طرح آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے سلسلہ میں ۱۲ رجب الاول کو قبول کر لیا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ مسجد حرام میں آرام فرما رہے تھے۔ کہ جب راتیل امن نے آکر بیدار کیا اور کہا کہ معراج کی گزری آ چکی ہے۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں براق پیش کیا اور آپ نے براق پر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر سونپ دیا۔ یہی سفر اسرا کہلاتا ہے اور پھر بیت المقدس سے آسمانوں کا سفر معراج۔ سورہ نبی اسرائیل (سورہ اسرا ہی کہلاتی ہے) سفر اسرا کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور پہلی ہی آیت میں اسرا کی تمام کیفیت آجاتی ہے اور اس طرح اسے محض روحانی تجربہ قرار دینے والوں کے براہ اعتراض کا جواب ابی آیت میں موجود ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَنْسَرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہٖ مِنْ
اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

”پاک ہے وہ (معبود) جو ایک رات اپنے بندے کو لے گیا مسجد حرام سے دور کی اس مسجد (مسجد اقصیٰ) تک جس کے ماحول کو اس نے بابرکت بنا لیا ہے تاکہ اسے اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرے۔ ہے شگ اللہ ہی سب سے بھرپور ہے۔“
(سورہ نبی اسرائیل آیت ۱)

آیت کا آغاز کس اہتمام اور شان سے کیا گیا ہے ”سُبْحٰنَ الَّذِیْ“ اگر یہ خواب کا معاملہ ہوتا تو ایسے افتتاحی الفاظ رب محمد ﷺ استعمال نہ فرماتا۔ پھر اسوی کا لفظ جو ”رات کو لے جانے“ کے مفہوم کے ساتھ وابستہ ہے۔ پھر لیل اناں حقیقت کا اظہار ہے کہ یہ ایک پوری رات کی بات نہیں بلکہ رات کے ایک حصہ کا واقعہ ہے۔ آگے ”عبد“ کا لفظ حضور ﷺ کی عمل ذات کا احوال کر رہا ہے۔ عبد شخص روح سے عبارت نہیں ہوتا بلکہ جسم و روح کا نام عبد ہے۔ یوں محمد مصطفیٰ ﷺ کے عقل ”عبد“ مسلمانوں کے لئے بلند ترین مقام ٹھہرا اور یہ عبد و عبدیت دونوں کی معراج ہے۔ اس کے علاوہ متواتر احادیث سے اسرا کے بعد سفر معراج کی تصدیق کرتی ہیں۔ حضور ﷺ نے معراج سے واپسی پر حضرت ام ہانئ سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ کسی اور کو نہ سنا سکیں۔ اگر یہ خواب کی بات ہوتی تو ام ہانئ کھنڈہ سے کیوں ڈراتیں۔

حضور اللہ کے رسول تھے اس لئے وہ اس سفر اس کے نتائج اور اس سے متعلق آیات و احکام کو کیسے چمپا سکتے تھے۔ اور سفر بھی ایسا جس میں اللہ نے اپنے حبیب کو اپنی آیات اور اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ یہ سفر خود ایک آیت کبریٰ تھا۔

آپ ﷺ نے جب اپنے سفر معراج کا ذکر کیا تو قرین ایٹن حمل کے پیمانے سے اس واقعہ کو پرکھ کر مذاق اڑانے لگے۔ اور جہاننا لگے۔ کئی تو مسلمانوں سے معاذ اللہ عقل و دماغ سمجھ کر مرتد ہو گئے۔ یہ سعادت الیوم کہ اللہ کے جس سے مائی کہ سنتے ہی تصدیق کی صداقت بہ رسول اللہ اور اسی تصدیق نے انہیں صدیق بنایا۔ صدیق جو رسول تو ہرگز نہیں ہوتا۔ مگر مقامات نبوت کو کوئی غیر نبی اس سے زیادہ نہیں سمجھتا۔

حضور ﷺ نے مسجد اقصیٰ میں تجزیہ المسجد کی نماز اہل اور فرمائی اور پھر صحن مسجد سے آپ کا سفر معراج شروع ہوا۔ ایک رہائی دینے کی بیڑھیوں چڑھتے ہوئے آپ پہلے آسمان پر گئے اور پھر دوسرے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ جیسے آسمان کے بعد سدرۃ المنتہیٰ کی منزل آئی! سدرۃ المنتہیٰ کے آسمانوں پر بیت المعمور کا مشاہدہ جہاں حضرت ظلیل اللہ آپ ﷺ کے منتظر تھے۔ اللہ کے زینے کی نوبت کی میں کیا خبر اور نہ ہمارا قیاس ہمیں اس راستے پر دور تک لے جا سکتا ہے۔ اسی زینے کی نسبت سے یہ واقعہ معراج کہلایا۔

آسمان حد نظر کسی مگر یہ قرآنی آسمان تو طہقات سماوی ہیں۔ اور دوازہ جن میں کائنات کا ایک بڑا حصہ آجاتا ہے۔ ابھی تو ہمارے رب کے عالموں اور دنیاؤں کی ہمیں خبر بھی نہیں کتنی ہی کھینچائیں ہمارے دائرہ علم عام آ رہی ہیں۔ اور اسی کے سفر میں انبیاء کے کریم اپنے امام کے ساتھ بیت المقدس میں اسرا سے اور آپ ﷺ نے ان انبیاء کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور ان کی امامت کی۔ حضور ﷺ نے معراج میں جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا یہ مشاہدہ محض مکانی نہیں تھا۔ بلکہ اس مشاہدہ میں زمانے بھی سمیٹ دیئے گئے اور مستقبل اس لحاظ سے دیکھا کہ اللہ کا صدیق بن گیا۔ آپ ﷺ مستقبل میں جنت، دوزخ اور ملائکہ کو ماننے کی دعوت اپنی قوم کو دے رہے تھے۔ یہ سب چیزیں آپ کو کھادی گھنٹیں تاکہ آپ کی دعوت جو وحی الہی کی بنا پر مستحکم و مستبرجی اس مشاہدہ سے شخصی شہادت بن سکے۔

اقبال نے لکھا ہے کہ صوفی کا تجربہ شخصی ہوتا ہے جب کہ نبی کا تجربہ شخصی ہونے کے ساتھ

ساتھ عالم انسانیت کے لئے بہت سی ہدایات اپنے دامن میں رکھتا ہے۔ صوفی کے لئے تو اللہ کے قرب میں کم ہو جائی مہراج ہے، جب کہ رسول قرب الہی سے نئی قوت اور نئی طاقت کے عالم انسانیت کی طرف واپس آتا ہے اور تاریخ کے حصار کے کوئی پارخ مٹا کرتا ہے۔ شیخ وقت نماز ہمارے لئے معراج مصطفوی کا تقذ ہے اور شاید الہی کے ہمارے قرار ہاں ﷺ نے نماز کو معراج المؤمنین قرار دیا۔

شیخ کا تفریج جیسا کہ عرض کیا گیا اپنی ادنیٰ اور اعلیٰ کے آداب کے ساتھ اسلامی معاشرہ کا بنیادی ادارہ ہے۔ آداب سے مراد مسجد اور جماعت ہے۔ سورہ نبی اسرائیل میں اسلامی معاشرہ کے رہنما اصول عطا کر دیئے گئے۔ اور یہ بات ہجرت اور مدینہ کی اسلامی ریاست کے قیام کا واضح اشارہ ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی واضح طور پر بتادی گئی کہ اسلامی ریاست کا قانون قرآن پر مبنی ہوگا۔ ویسے یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن کو صاحب قرآن ﷺ سے الگ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قرآن کی تفسیر اور احکام قرآن پر عمل کے راستے اسی ذات اقدس نے ہمیں عطا کئے ہیں۔

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّذِينَ هِيَ أَقْوَمُ وَيُنذِرُ الْمُؤْمِنِينَ
الَّذِينَ يَعْملُونَ الصَّالِحَاتِ أَنْ لَّهُمْ أُجْرًا كَبِيرًا ۝

”یہ شک ہے قرآن دور اور دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے جو لوگ اسے مان کر اعمال صالحہ کرتے ہیں انہیں بظرت دیتا ہے کہ ان کے لئے اجر بڑا ہے۔“

(سورہ نبی اسرائیل ۷۷ آیت ۵)

سورہ نبی اسرائیل میں انسانی زندگی اور اسلامی معاشرہ کے جو بنیادی اصول عطا کئے گئے ہیں ان میں بنیادی اصول آیات نمبر ۲۳ سے ۳۷ تک تسلسل کے ساتھ بیان فرمادیئے گئے ہیں۔ آیات کے ترتیب میں ہم نے ان اصولوں پر نمبر ڈال دیئے ہیں تاکہ انہیں الگ سے دہرایا نہ جائے اور قارئین کرام ان آیات میں تہرور نظر فرمائیں۔

لَا تَحْسَبْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْلُوعًا ۝
وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ وَبِأَنفُسِ الَّذِينَ
إِحْسَانًا ۚ إِيَّائِي لَعَنَ عِنْدَكَ الْكَبِيرَ أَخَذَهُمَا وَكَلَاهُمَا

فَلَا تَغْلِبْ لَهُمًا أُفٍّ ۖ وَلَا تَنْهَرُهُمْ سُوءًا ۚ قُلْ لَئِنَّمَا فُتِنًا
كَرِيمًا ۖ وَأَخْفِضْ لَهُمَا خَنَاحَ الدَّلِيلِ مِنَ الرُّوحَةِ ۚ وَقُلْ
رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا ۚ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا
فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِنَّ تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلأُولَئِينَ
عَفْوَرًا ۚ وَابْتَغِ الْوَعْدَ مِنَ الرَّحْمَنِ إِنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۚ وَابْتَغِ الْوَعْدَ
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الشَّيَاطِينِ إِنَّهُنَّ لَأَخْوَانُ الشَّيَاطِينِ ۚ
وَكَانَ الشُّطْرُونَ لِرَبِّهِمْ كَفُورًا ۚ وَأَمَّا نَعْرَضَ عَنْهُمْ إِبْرَاهِيمَ
رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ تَرْحُومًا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا ۚ
وَلَا تَحْسَبْ بِذَلِكَ مَعْلُومًا ۚ إِلَىٰ عُنُقِكَ ۚ وَلَا تَمْسُطْهَا كُلَّ
الْبَسِطِ ۚ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۚ إِنَّ رَبَّكَ بِبَسِطِ الرِّزْقِ
لَيَسِّنَ لِشَاءٍ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۚ وَلَا
تَسْأَلُوا أَوْلَادَكُمْ خُبْرًا إِذْ سَأَلْتَهُمْ لَعَلَّكُمْ تَرْزُقُهُمْ
وَأَبَاؤَهُمْ ۚ إِنَّ فَتْلَهُمْ كَانَ جِطًا ۚ كَبِيرًا ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَىٰ
أَبْنَةَ شَاحٍ فَاجْتَنِبْ ۚ وَسَاءَ سَبِيلًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ الإِبْلِخِي ۚ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا
لِرَبِّهِ سُلْطَانًا ۚ فَلَا يَسْرِفُ فِي الْفِتْلِ ۚ إِنَّهُ كَانَ مُنْصَوِّرًا ۚ
وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ الإِبَالَتَىٰ هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ
أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۚ
وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزَنُوا بِالْقِسْطِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ
ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۚ وَلَا تَقْعُدَ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ
عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ
مَسْئُولًا ۚ وَلَا تَشْسِ فِي الأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَنْ

تَحْرِقِ الْأَرْضِ وَنَمُوتُ الْجِبَالِ كَطُورٍ ۝

”تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا لو اور نہ ملامت زدہ اور بے یار مددگار بیٹھے رہ جاؤ گے تمہارے رب نے فیصلہ دیا ہے کہ (۱) تم کسی کی عبادت نہ کرو وگرنہ اس کے، اور (۲) اللہ کے ساتھ چہا سلوک کرو، (۳) اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھتے ہو کر رہیں تو انہیں اُنہی تک نہ کو اور تا انہیں جھڑکا دو اور ان سے اب وکرامت کے ساتھ بات کرو اور نبی کے ساتھ ان کے سامنے اپنے آپ کو بھڑکا دو اور دعا کرو کہ اے رب ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے انہیں میں رحمت کے ساتھ مجھے پالا تھا تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے سے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اگر تم نیک بن کر رہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخش دیتا ہے۔ (۲) رشتہ دار کو اس کا حق دو، اور (۵) حجاج اور مسافر کو اس کا حق دو، (۶) فضول خرچی نہ کرو بے جا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں شیطان اپنے رب کا شاعر ہے اگر تم ان (ضرورت مند رشتہ داروں سکینوں، مسافروں) سے بھورا نکڑاؤ، اس وجہ سے کہ ابھی تو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کو تلاش کر رہے ہو جس کے امیدوار ہو تو انہیں نرم جناب دو، (۷) نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باہر دو اور نہ ہی ہاتھ کھلا چھوڑو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن جاؤ، (۸) یعنی نہ نعل سے کام لو اور نہ فضول خرچی سے تمہارا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں کشادگی پیدا کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے (۹) اپنی اولاد کو اگلا اس کے اندیشے سے نکل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی ان کا نعل ایک بڑی خطا ہے اور (۱۰) ان کے قریب بھی نہ جاؤ و بہت بڑا نعل فضل اور بہت ہی نراراستہ ہے، (۱۱) نعل نعل کا ارتکاب نہ کرو جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلوم نعل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبہ کا حق دیا ہے، بس چاہئے کہ وہ نعل میں حد سے نہ گزرے اس کی مدد کی جائے گی، (۱۲) حکیم کے مال کے قریب نہ چٹکھو مگر جس طرح بچتر ہو یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے، (۱۳) عہد کی پابندی تو بے شک

عہد کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا (۱۴) چنانچہ سے دو تو میرا مگر کرو اور تو تو نیک تر ازو سے تو، یہاں امر طریقہ ہے اور انہما کے لحاظ سے بھی بچتر ہے، (۱۵) کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تم کو ظلم نہ ہو، (۱۶) یقیناً آگھ، کان، اور دل سب ہی سے باز پرس ہوتی ہے (۱۷) زمین پر آکر نہ چلو، تم نہ زمین کو چھڑکتے ہو، نہ پیازوں کی بلندی کو کھینچتے ہو۔“

(سورۃ بنی اسرائیل: آیات ۲۲۲-۲۳۷)

یہ وہ اصول تھے جن پر دینی کی اسلامی ریاست کو اپنی بنیادیں استوار کرنی تھیں اور ان احکام سے یہ بات بھی ہر دور کے مسلمانوں پر واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مملکت کے آئین کا مقصد محض کاروبار مملکت کو چلانا نہیں ہے، بلکہ ایک بہوار، متوازن اور عادلانہ معاشرہ قائم کرنا ہے۔ ایک نفاذی مملکت کے ضد و غالب پوری طرح ان قرآنی ہدایات میں موجود ہیں۔ اسلام کا کمال اور معراج یہ ہے کہ وہ پہلے افراد کے قلب کو معروف پر آمادہ کرتا ہے اور مگر اس سے روکتا ہے۔ پھر معروف کو معاشرہ کا حراج اور قانون بنا دیتا ہے۔ قرآن کے ان احکام پر تفصیلی گفتگو کی جا سکتی ہے۔ اور ان نکات کو سنت کی روشنی میں اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہاں ہمارا مقصد معراج کے بس سطر میں انہیں پیش کرنا تھا۔

معراج نبوی باجرت نبوی کا بیانیہ تھی اور اسی سے ہجرت کی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔



ہجرت حبشہ

کہ معظمہ میں قریش بنی طر زخم ایجاد کر رہے تھے اور مسلمان اپنے لوہے ترکین دروہام حرم کر رہے تھے

یہ تو وہ تھے کہ حق کے تحفظ کی خاطر
خود اٹھا لاتے تھے مگر تیر خطا ہوتا تھا

تبلیغ اور دین حق کی اشاعت کی خاطر یہ اہل ایمان گھر سے نکلے تو جیسے اپنی اہتیلیوں پر اپنا سر لے کر۔ یہ لوگ تو کفر بیزادوں کی اوقات کو جانتے تھے، لیکن ان کے رؤف ورحیم ﷺ کے چہرہ اقدس کا رنگ مسلمانوں کے لہو کو دیکھ کر خنجر ہو جاتا تھا۔ رعبت عالم و عالمیاں ﷺ نے تو کعب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ حرم کعب بہت محترم اور مقدس ہے مگر مسلمان کا لہو اس سے زیادہ محترم ہے۔ ان حالات میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ اس ملک سے مکہ والوں کے تمہارنی تعلقات تھے اور وہاں کے حالات سے بھی آگاہی تھی۔ وہاں کے حکمران نجاشی کے انصاف کی شہرت بھی دور و قریب کے علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ عیسائی تھا مگر روادار۔ ابھی ہجرت حبشہ کا خیال ہی تھا اور مہاجرین کے پہلے قافلے نے مکہ کی زمین سے آٹھ ستر نہیں کیا تھا کہ سورہ مہریم نازل ہوئی۔ اس سورہ میں حضرت مریم اور سیدنا حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نظریہ بھی موجود ہے اور وہ تمام واقعات بھی جنہیں عیسائیوں نے انجیل کے مطابق نہیں رہنے دیا تھا، اور سچ کر دیا تھا۔ اشارہ رہا یہ تھا کہ عیسائی بادشاہ کی سر زمین میں بھی عیسائیت اور یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی کہنا جو سچ ہے۔ انسانوں کو اپنا نجات دہندہ نہ جاننا۔ تمہارا محافظ تمہارا رب ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ یہ ہجرت محض جان بچانے کے لئے نہیں تھی، بلکہ تبلیغ کا پہلو بھی موجود تھا۔ مکہ کے پتھر دل تو اسلام سے گریزاں تھے۔ یہ تو قیام پیدا ہوئی کہ جو لوگ کتاب اور نبوت سے آگاہ ہیں، شاید وہ ایمان لے آئیں۔

قرآن حکیم نے اہل کتاب سے ہٹ کے سلسلہ میں مسلمانوں کو خاص طور سے یہ ہدایت

وَلَا تُحْسَدُوا أَهْلَ الْبَيْتِ إِلَّا بِالْحَقِّ هِيَ أَحْسَنُ
إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقَوْلُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَرْنَا بِالنَّبِيِّ أَنْزَلَ إِلَيْنَا
وَأَنْزَلَ إِلَيْكُمُ وَالْهِنَا وَالْهِنَا وَالْهِنَا وَاجِدُوا وَنَحْنُ لَهُ
مُسْلِمُونَ ۝۵

”اور اہل کتاب سے عمدہ طریقے سے بات کرو ورنہ ان کے لوگوں کے
جوان میں سے ظالم ہوں ان سے کہو کہ تم ایمان لائے ہیں اس (جہاد) پر
جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے اور اس (کتاب) پر بھی جو تمہاری طرف بھیجی گئی
تھی، ہمارا اور تمہارا مہم دو ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرما بہ در ہیں۔“

(سورہ عبیدت ۲۵ آیت ۳۶)

یہ لہر اور یہ اندازہ اسلوب تبلیغ حق پسند اہل کتاب کے دلوں کو کھولنے کے لئے کتنا موثر
ہے۔ ایک ہی پیغام اور ایک ہی خدا پر ایمان کی طرف دعوت۔

حیثہ ہجرت کرنے والی پہلی جماعت کے ارکان کی تعداد میں معمولی سا اختلاف ہے کچھ
کے نزدیک یہ لوگ چودہ تھے اور بعض روایات کے مطابق سولہ۔ بعد میں حضرت جعفر بن ابی
طالب ان کے ساتھ شریک ہو گئے تھے۔ سیرۃ النبی میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں کے نام
میلے ہیں۔ ان مہاجرین میں نبی اکرم ﷺ کے داماد اور غلیظہ ثانت حضرت عثمانؓ اور ان کی
ابلیہ حضرت رقیہ بنت محمدؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ
جیسے پیشانی القدر صحابہ شامل تھے۔ یہ اپنے معاشرہ کے بااثر لوگ تھے۔ شعلی نے ایک لیلیٰ مکتبہ یہ
بیان کیا ہے کہ جب یہ بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انکاروں کے ستر
پر سونا پڑا تھا، یعنی حضرت جلالؓ، عمارؓ، یاسرؓ وغیرہ ان لوگوں کا نام مہاجرین حیثہ کی
فہرست میں نظر نہیں آتا، اس لئے تو ان کی یہ سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ ستر کرنا بھی
ناممکن تھا، یہ کہہ کر دولت سے آشنا تھے اور اس لفظ کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔

ہمارے خیال میں اس جماعت مہاجرین میں وہ شامل تھے جو اسلام اور اس کے پیغام کو بہتر

طور پر اہل کتاب کے سامنے پیش کر سکتے تھے، اور غالباً ہی لے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کو بھی
منجج دیا گیا۔ بعد میں اور مسلمان بھی حبشہ پہنچے، ان مہاجرین کی مجموعی تعداد ۸۳ بتائی جاتی ہے۔

حبشہ میں ان مسلمانوں کا احرام کیا گیا۔ جب قریش تک یہ خبریں پہنچیں کہ مسلمان حبش
میں آرام اور عزت و آزادی کی زندگی گزار رہے ہیں تو ان کے غم و غصہ کی انتہا نہ رہی اور وہ اپنی
اٹھیاں کاٹنے لگے۔ قریش نے طے کیا مسلمانوں کو حبشہ سے واپس لانے یا کم سے کم وہاں سے
نکلوانے کے لئے ایک سفارت بھیجی جائے۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص بن وائل،
نجاہی اور اس کے درباریوں کے لئے ایسے پیش بہا تھے لے کر حبشہ پہنچے جن سے بہتر کھلے مکہ
میں نہیں مل سکتے تھے اور مکہ ایک بڑا تجارتی مرکز تھا۔ نجاہی کے دربار میں ان فرما سبوں نے خبر
خواہی کی کتاب اوزہ کہہ کر کہا کہ یہ ہمارے عزیز ہیں۔ ہمارے جگر گوشے ہیں مگر انہوں نے دین
آپانی کو چھوڑ کر ایک دین ایجاد کر لیا ہے۔ اگر یہ آپ کا دین بھی قبول کر لیتے تو ہمیں کوئی
اعزاز نہیں تھا۔ یہ آپ کے ہاں اپنے ماں باپ، اپنے عزیزوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے ہیں۔
آپ ہمیں انہیں واپس لے جانے کی اجازت دیں تاکہ ان اعزاز کو سکن حاصل ہو سکے۔ نجاہی
کے درباری تو قریش کے کھلے قبول کر کے ان کے طرفدار بن چکے تھے۔ انہوں نے ایک زبان
ہو کر قریش کے سفیروں کی تائید کی۔

نجاہی صاحب فرست و اصرحت تھا۔ اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ میں انہیں پتاہ دے
چکا ہوں اور بے سبب اپنی پتاہ واپس نہیں لے سکتا۔ پھر ان کی کراہی اور بے دینی کا فیصلہ ان کے
نظارہ نظر کوئے بغیر کیسے کیا جا سکتا ہے۔ نجاہی نے مسلمانوں کو دربار میں بلایا اور اپنے پاروں کو
بھی بلایا کہ وہ مسلمانوں کے دین کے بارے میں سنیں اور اگر ہو سکے تو جواب دیں۔ نجاہی نے
کہہ مسلمانوں سے پوچھا کہ تمہارے دین کی تہمتی تم میں سے کون کرے گا۔ حضرت جعفر بن
ابی طالب کھڑے ہوئے اور انہوں نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

”اے معزز بادشاہ، ہم جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ نہت پرستی ہمارا شیوہ تھی۔ بے
حیاتی اور گردن نامہ میں مغرور تھے۔ طاقتور کمزور پر علم کرتا۔ اس سلسلہ میں وہ رشتے اور ہمسائیگی کو
بھی خاطر میں نہ لاتا۔ ہم جب اس حال میں جتنا تھے تو ہم میں سے ہی ایک رسول، اللہ نے
ہماری طرف بھیجا جو امین و صادق تھا، اور سب کی امانت و صداقت کے گواہ تھے۔ اس نے

میں اللہ کی توحید، صداقت، امانت، صلہ رحمی کی دعوت دی۔ پڑوسیوں کے حق بتائے، حرام اور نقل ناقص سے روکا۔ بے حیائی، بیہوشی، کمال کھانے اور عورتوں پر شہت لگانے سے منع کیا۔ اس لئے ہمیں نماز روزے، زکوٰۃ کا حکم دیا۔ اور ان ہی باتوں پر ہماری قوم ہماری دشمن بن گئی۔ کونسا ظلم انہوں نے ہم پر نہیں کیا۔ ان سے خود ہمارے اس بیان کی شہادت طلب کیئے۔ ہمارے رسول کے راستے میں کانٹے بچھانے گئے۔ ایک خاتون کو شہید کیا گیا۔ مظلوموں کو آگ پر لٹایا گیا۔ ان حالات میں ہم نے پناہ لینے کے لئے آپ کا انتخاب کیا اور اسے ملک اکرمیم! ہمیں امید ہے کہ یہاں ہم پر ظلم نہیں کیا جاسکے گا۔

نبیاشی سے سکون اور دلچسپی کے ساتھ یہ خطاب سنا اور پوچھا کہ اللہ کی طرف سے تمہارے رسول پر جو کچھ نازل ہوا ہے۔ اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟

”جی ہاں ہمیں اس کلام کے حصے یاد ہیں“ حضرت جعفر نے کہا۔

نبیاشی بولا: ”مجھے کچھ سناؤ۔“

حضرت جعفر ﷺ نے سورہ مریم کی چند ابتدائی آیات کی تلاوت فرمائی۔ آیات قرآنی سن کر نبیاشی کی واڈھی آنسوؤں سے بھیک گئی۔ اس کے پاروں پر سنا تا جیسا گیا۔ قریش کے سفیر اس صورت حال سے بہت پریشان ہوئے مگر انہوں نے اگلے دن نبیاشی سے کہا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ ﷺ کے بارے میں گمان بدرکتے ہیں۔ ایسے برے خیالات کہ ہم دہرا بھی نہیں سکتے اس پر نبیاشی نے حضرت جعفر ﷺ سے سوال کیا۔ اور انہوں نے سورہ مریم کی یہ آیات پڑھیں۔

قَاتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۗ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۗ يَا أُخْتُ هَرُؤُنَ مَا كَانَ آيُوكَ امْرَأَتٍ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۗ فَانصَارَتْ إِلَيْهِ ۗ قَالُوا كَيْفَ نَكَلِمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۗ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۗ طَهَّرَنِي

الْحَيْضَ ۗ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۗ وَجَعَلَنِي مَبْرُكًا ۗ إِنَّمَا كُنْتُ مِنَ الْبَشَرِ ۗ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ ۗ مَا دُمْتُ حَيًّا ۗ وَبَرًّا بِوَالِدَيْنِي ۗ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبْرًا شَقِيًّا ۗ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ

وُلِدْتُ ۗ وَيَوْمَ أُمُوتُ ۗ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۗ ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۗ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۗ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۗ سُبْحٰنَهُ ۗ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۗ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۗ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمٍ عَظِيمٍ

”مہرود (مریم) اپنے کو لے کر ہوئے اپنی قوم میں آئی، لوگ کہنے لگے اسے مریم یا تو نے بڑا گناہ کر لیا، اسے ہر دن کی بہن اذہ حیرانہ ترا تھا نہ تیری ماں بدکا تھی، مریم نے بچنے کی طرف اشارہ کیا (کیونکہ انہوں نے خاموشی کے روزے کی نذر تھی تھی) قوم والوں نے کہا کہ ہم گوارے میں لینے ہوئے بچے سے کیا بات کریں؟ پھر بول اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا اور مجھے جہاں بھی میں ہوں صاحب برکت بنایا اور مجھے نماز روز زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا اور مجھے اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھے جہاں اور جتنی نہیں بنایا، سلام ہے مجھ پر جگہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ میں زندہ آٹھایا جاؤں یہ عیسیٰ ابن مریم ہے اور اس کے بارے میں وہ سبھی بات جس پر لوگ شک کر رہے ہیں سبکی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کام نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے، وہ پاک اور بے عیب ذات ہے اور جب کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو کہتا ہے ”کن“ (ہو جا) اور اس وہ ہو جاتا ہے۔ (اور ان مریم نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، ہاں تمہاری ہی عبادت کرو سبھی صراطِ مستقیم ہے مگر پھر مختلف گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے سو جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے وہ دن عظیم بڑی تباہی کا روزہ جس کا وہ مشاہدہ کریں گے۔“ (سورہ مریم: ۱۹-۲۴ آیات ۳۷-۴۲)

ان آیات کی تلاوت کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب نے کہا ”ہمارے رسول نے ہمیں حضرت عیسیٰ ﷺ کے بارے میں وہ سبھی بات کی روشنی میں یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ کے بندے،

اس کے رسول اور اس کا دکھ بظہر ہے جو کنواری اور پاکیزہ مریم پر القا کی گیا "نہاشی نے بے ساختہ زمین سے ایک جگہ اٹھا کر کہا۔ "خدا کی قسم جو کچھ تم نے اپنی کتاب میں اور رسول کے حوالے سے کہا سمیٹنی اس سے اس سچھے کے برابر بھی زیادہ نہیں" عیسائی پادی بے حد خفا ہوئے۔ ان کے چہروں سے نفرت اور حسد چمکنے لگا۔ نہاشی نے ایک بار پھر مہاجرین اسلام کو اپنے دیار میں امن و سلامتی کی ضمانت دی اور قریش کے سفیروں کے تحائف ک "رشوت" قرار دیتے ہوئے لٹا دیا۔

اسی سال رمضان میں مہاجرین حبشہ کو خبر ملی کہ مشرکین مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر مہاجرین نے واپسی کا سفر قبول کیا مگر مکہ کے نزدیک پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ اطلاع درست نہیں۔ یہ سن کر کچھ لوگ جن میں بہت اور طاقتور تھی دوبارہ حبشہ چلے گئے۔ اور اکثریت خاموشی اور اٹھا کے ساتھ مکہ آگئی۔ لوٹنے والوں پر قریش نے تازہ دم ہو کر مظلوم کا سلسلہ شروع کر دیا اور تہمتاں مظلوموں نے پھر حبشہ کا رخ کیا۔ ان مہاجرین کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ نہاشی جو ان کے جانے پر افسردہ تھا۔ ان کی واپسی اس کے لئے مزہ دور بہار بنی۔ یہ مہاجرین سال حبشہ میں رہے اور جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو یہ لوگ مدینہ پہنچ گئے۔

ہجرت حبشہ کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ان سے متاثر ہو کر حبشہ کے کم و بیش میں عیسائی مکہ معظمہ آئے اور نبی اکرم ﷺ سے حرم کعبہ میں ملاقات کی۔ انہوں نے سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوالات کئے، اپنی ایمین بیان کیں۔ اور واضح الناس ﷺ کے جوابات سے تصفی ہوئی اور زمین کی گرہیں کھل گئیں۔ مشرکین قریش کے دلوں پر تو اللہ نے مہر لگا دی تھی۔ وہ سن کر نہیں سنتے تھے۔ اور دیکھ کر نہیں دیکھتے تھے۔ ان میں سے بیشتر قبول حق کی صلاحیت سے محروم تھے۔ جب حضور ﷺ سے ان عیسائیوں کی ملاقات ہوئی تو آپ نے انہیں آیات قرآنی بھی سنائیں اور ان کی آنکھوں سے نہاشی کی طرح آنسو جاری ہو گئے۔ مختصر یہ کہ اسی محفل میں ان عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔ قریش بھی اس محفل میں آئے تھے اور اپنی بلوا بازی شروع کر دی مگر کلمات باطل حق کے تلاشیوں کو جھڑول نہ کر سکے۔ اسلام کے قبول کرنے کے بعد جب وفد حبشہ رخصت ہوا تو آخر کفر نے انہیں برا بھلا کہا انہیں بے غیرتی کے طعنے دیئے اور یہ اہل ایمان جو بارہ ایمان لائے تھے (وہ عیسائی تھے اور انجیل پر ایمان رکھتے تھے) کفار سے باطل نہیں اٹھے، کہا تو صرف یہ کہ "تم پر سلام۔ ہم جاہلوں کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہتے۔" سورۃ

اتقص میں یہ واقعہ ایماناً موجود ہے۔

الَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ فَلَوَّ الْأَمْثَابَ إِنَّهُمْ لَأَنْصَابٌ مِنَ رَبَّنَا أَنَا عُلْمًا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ۝ وَلَوْلِكَ بَوُؤُنَ أَحْرَهُمْ مَرْمَرًا بِمَا صَبَرُوا ۝ وَتَلَوْنَهُمْ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ ۝ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا إِنَّا عَمَلْنَا وَنُكْمًا ۝ عَمَلْنَاكُمْ رَسُولَهُ عَلَيْنَا لَأُنَبِّئَنَّ الْخٰطِلِينَ ۝

"جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان کو یہ بتایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے اور ہم تو پہلے ہی سے مسلم ہیں یہ وہ ہیں جن کو ان کا اجر دوبارہ دیا جائے گا یا اس ثابت قدمی اور صبر کے بدلے جس کا انہوں نے اظہار کیا، وہ میرا ہی کو بھلائی سے رفیع کرتے ہیں اور جو روز قیامت ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں اور جب انہوں نے انوار بیہودہ بات سنی تو اس سے اعراض کیا (اور کٹر دہش ہو گئے) اور کہا ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہم پر سلام ہے اور ہم جاہلوں کا طریقہ اختیار کرتا نہیں چاہتے۔ (سورۃ القصص ۲۸: ۵۵)

یوں ہجرت حبشہ کے ذریعہ اسلام کی عالمی تبلیغ کا دروازہ کھلا۔ حضور ﷺ کو عالم انسانیت کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نہاشی پہلا فرماں روا تھا جو اسلام لایا اور جس نے دیکھے بغیر حضرت رسول ﷺ کی ہجرت کا حق ادا کیا۔ نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد حبشہ کا خاصا تفصیلی ذکر اس لئے کیا گیا کہ اسے ہجرت نبوی ﷺ کے پس منظر کے طور پر نمایاں اہمیت حاصل ہے اور اس سے کئی اور باتیں بھی سامنے آتی ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنے تقریباً چالیس ساتھیوں کے ساتھ مکہ کو تشریف لے گئے اور

ستم کے خلاف نیرو آزار ہے، اور جماعت مؤمنین کے بڑے حصہ کو یمن کے احکام کی بجائے آوری کے لئے امن و آزادی کے مسائل کی تلاش میں ہجرت کا حکم دیا۔ پھر نبیؐ کی دربار میں کتنے ہزک موقع پر حضرت جعفرؓ نے بلا کم و کاست اسلام کی اعلیٰ بات کو نبیؐ کی خوشی یا ناراضگی کے ادنیٰ سے خیال کے بغیر بیان کیا۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ہجرت دین کے اصولوں پر عمل کرنے کی آزادی کی تلاش تھی۔ ہجرت حبشہ کے سلسلہ میں قرآن حکیم میں ہمیں کئی اور اشارے بھی ملتے ہیں۔ ایسے واضح اشارے جن میں ان سب پر جہاں کی مغفرت کی بشارت ہے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنَنبُوهُنَّ فِي
الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَا جُزْءَ الْأَجْرِ الْأَكْبَرِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٥٠﴾
الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٥١﴾

”وہ جو ظلمت کے بعد اللہ تعالیٰ کی خاطر ہجرت کر گئے اور ان کو ہم دنیا ہی میں اچھا لکھا کریں گے اور آخرت کا اجر تو بدرجہا زیادہ ہے (مظالم) جنہوں نے صبر کیا ہے اپنے اللہ پر (انجائی) توکل کے ساتھ کام کر رہے ہیں جان لیں (کر لکنا اچھا انہما ان کا شکر ہے) (سورہ اہل ۶۶ آیات ۴۹-۵۱)“

ثُمَّ إِنَّ رَبَّنَا لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فَتَنَّا أَنْتُمْ جَاهِدُوا
وَصَبَرُوا ۗ إِنَّ رَبَّنَا مِنَ الْعَبِيدِ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٥٢﴾

”پھر ہے قلم جن لوگوں نے اپنے امانی اٹھانے کے بعد ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جدو جہد کی اور تھیں اٹھائیں اور صبر سے کام لیا، ان کے لئے تھینا آپ کا رب غفور رحیم ہے۔“ (سورہ اہل ۶۶ آیات ۵۱-۵۲)

ہجرت حبشہ کی طرف سورۃ العنکبوت میں بھی واضح اشارے ہیں۔ یہ سورت ہجرت حبشہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی، اس لئے ان اشاروں کو ہجرت کے حکم کا درجہ حاصل ہے۔ قرآن اور سنت کی رو سے ایسی جگہ قیام کرنا جہاں دین پر پابندیاں عائد نہ ہوں مستقل معیشت ہے۔ ہاں وہ لوگ مستقل ہیں جو دارالمکرم میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہے ہوں یا ہجرت کے وسائل سے محروم ہوں۔

ہجرت اللہ پر توکل کا عملی مظاہرہ ہے۔ اللہ کے اہل ایمان سے فرمایا کہ ”میری زمین وسیع ہے۔“ پھر اگر ہماری زمین تمہارے لئے تنگ ہو جائے تو اس کا علاج یہی ہے کہ تمہیں اس کا فتنہ کو تو ذکر اللہ کی زمین کی بنی و سعوت کو یاد دلا جائے۔ وطن کی محبت اچھی جگہ کسی لیکن دین کا دائرہ وطن سے کہیں وسیع ہے۔ اس سلسلہ میں جان کی سلامتی اور رزق کا خیال آڑے آتا ہے۔ قرآن مفادات کے کھوکھلے پن کو واضح کرتا ہے کیونکہ ”یو تکل علی اللہ“ کے خلاف ہیں۔ علاوہ بریں ایمان کے مقابل جان اور زندگی کی آسائشوں کی کیا قیمت ہے؟ یہ ساری باتیں اور دائرہ مباحث قرآن حکیم کی چند آیات میں اس انداز سے آئی ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ اَرْضِيْكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ ۗ كُلُّ نَفْسٍ ذٰلِقَةٌ لِّلْمَوْتِ ۗ ثُمَّ اِلَيْنَا
تُرْجَعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
مِّنَ الْحَيٰةِ عَرَفًا ۗ تَحِيَّتُهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَكَانَ مِنۡ دٰلِجٍ لَّا تَسْمَعُ لِرَزَقِهَا ۗ اِنَّهٗ
يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۗ وَهٗوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٥٣﴾

”اے میرے بندو ایمان لانگے او میری زمین بہت وسیع ہے، پس تم میری ہی عبادت کرو، ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر تم سب ہماری طرف پلٹ کے لائے جاؤ گے، جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اعمال صالحہ کو اپنایا ان کو ہم جنت کے بلند خانوں اور فرعون میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے نہیں پہنچی ہوں گی اور وہ ہاں ہمیشہ رہیں گے، اٹھنے اعمال کرنے والوں کے لئے کیا ہی اچھا اجر ہے، ان لوگوں کے لئے جنہوں نے صبر کیا اور جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ سکتے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھانے نہیں پھرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی رزق دیتا ہے اور تم کو بھی۔ وہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے“ (سورۃ احکام ۲۹ آیات ۲۵-۲۶)

ہجرت نبوی ﷺ

ہجرت ہمیشہ اور ہجرت نبوی کے درمیان کئی سال حائل ہیں۔ یہ مدت مدت تدبیر ہے۔ یہ منصوبہ بندی کا وقت ہے اور ہمارے لئے اس کی اہمیت یہ ہے کہ اللہ پر کامل ترین توکل و اعتماد کے ساتھ ساتھ اس دارالاسباب میں اسباب کی فراہمی تکمیل زلی ہے، اللہ کی ہدایت اور ہمتائی ہر قدم پر نبی عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھی۔ اب قرآن کی صورت میں وحی الہی اور سنت رسول ﷺ ہماری رہبری کے لئے موجود ہیں۔

نبی اکرم ﷺ ام القریٰ کے باشندوں کو دعوت حق دینے کے ساتھ ساتھ نواہی ہستیوں کا بھی دورہ فرماتے۔ مکہ کو اہل عرب کی زندگی میں جو مرکزیت حاصل تھی، کعبہ اس کا زندہ نشان اور علامت تھا۔ حج کے ایام میں جو لوگ مکہ آتے، ہادی برحق ﷺ ہر ماہ ستیم کی نشان دہی کے لئے اونچے پاس جاتے۔ حج کے علاوہ دوسرے شہراورانی اور راجستانی مواقع پر بھی آپ ﷺ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے حضور ﷺ کی زندگی کا ہر نفس اسی دعوت و تبلیغ سے عمارت تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ دعوت حق زمین میں جڑ پکڑے۔ کوئی ایسا خطل جاسے جہاں زندگی کا ہر واژہ اسلام کے نقطہ کے گرد گھمپنا پاسکے، اور راجستانی زندگی کی شیرازہ بندی اسلامی اصولوں کے مطابق کی جاسکے۔

یثرب کے لوگ جو اوس اور خزرج کے قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ہر سال حج کے موقع پر مکہ معظمہ آتے۔ یثرب میں یہودیوں سے قربت کی وجہ سے ان لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ اہل کتاب کسی رسول اور مددگار کے منتظر ہیں۔ نبوی میں قبیلہ خزرج کے چھ افراد نے اسلام قبول کیا۔ اویس کا شرف رکھنے والوں کے نام تاریخ کے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ یہ تھے عقبہ بن عامر، ابو امامہ زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر اور جابر بن عبد اللہ بن ریاب رضی اللہ عنہم۔ اللہ میں بیعت عقبہ اولیٰ کے موقع پر یثرب کے بارہ اور افراد نے مکہ میں نبی اکرم ﷺ کے دست حق نما پر بیعت کی۔ ان افراد کی تربیت کے لئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے ان کی درخواست پر یثرب بھیجا۔

اب تک مسلمان ہونے والوں میں قبیلہ خزرج کے لوگ تھے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی تبلیغ

Toobaa-elibrary.blogspot.com

ان حقائق کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ کا ہجرت کے باب میں عملی مثال قائم کرنا ضروری تھا تا کہ اس قسم کے حالات میں اہل ایمان سے کہا جاسکے کہ۔

ہے رُک و مَن سُنّتِ مَحْبُوبِ اُمّی
وہ تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

سورۃ النجم کی سورج ہے اور اس میں ایک نہایت اہم آیت ہمارے سامنے آتی ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۗ

اور آپ کا رب (مقرر) آپ کو وہ دے گا جو آپ کو خوش ہو
پائے گا۔“ (النجم: ۹۳ آیت ۵)

مفسرین کا خیال ہے کہ ہجرت اللہ کے اس وعدے کا عنوان نبی۔ وہ عنوان جس کا نام اسلامی ریاست اور عقیدہ دین ہے۔

قریش کو جب آثار و قرآن سے یہ یقین ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ ہجرت فرمانے والے ہیں تو گناہ اور ظلم کے سلسلہ میں ایک دوسرے کے ساتھ یہ تعاون کرنے والے اپنی پارلیمان (دارالندوہ) مع ہونے اور سوچنے لگے کہ کہیں چہ بادر کا؟ کچھ جاواہلی کے حق میں تھے۔ کچھ کی رائے یہ تھی آپ کو قید یا نظر بند کر دیا جائے۔ اس وقت وہ شخص اٹھا کہ خود جس کے مقتدا سے شیطان کی صفات میں جگہ دیتے ہیں اور اس نے کہا کہ ”بو ہاشم کے علاوہ قریش کے ہر خاندان کا ایک نمائندہ جن اپنا جائے اور یہ لوگ مل کر محمد کو قتل کر دیں۔ یوں نبی ہاشم خون ہا کے مطالبہ یا جنگ کی جرات نہ کر سکیں گے۔“ ابوہنبل نے یہ تجویز اس شخص کے سلسلہ میں پیش کی جس نے اسی طریقہ کار کو خانہ کعبہ میں حجر اسود نصب کرنے کے سلسلے میں قریش کے خون ریزی کے امکانات کو ختم کر دیا تھا۔

یوں قریش کی یہ سازش اور ان حالات میں آپ کی ہجرت کا حکم اللہ ﷻ کی حکمت بالہدیٰ دلیل کبریٰ ہے، کیونکہ اگر کفار آپ کی جاواہلی پر متعلق ہو جاتے تو ہجرت کی اہمیت ہی بول جاتی۔

وَأَذِّنْ صَرْفَكَ الْاٰذِنِيْنَ كَسَفَرُوا لِيَشْرُوكَ اَوْ يَمْتَلِكُوْا
بُحْرَ حُجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَكْرُوْرِيْنَ ۝

”اور (اے رسول اس وقت کو یاد کر) جب کا فر تمہارے خلاف تمہیں سوچ رہے تھے کہ تم کو قید کریں یا جان سے مار ڈالیں یا وطن سے نکال دیں، (اور خود) چالیں چل رہے تھے اور (اور) اللہ اپنی تمہیں کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔“ (سورۃ انفال: ۸ آیت ۳۰)

کفار نے کاشانہ نبوی ﷺ کا محاصرہ کر لیا۔ وہ اس گمان میں تھے کہ ان کے قلب کی طرح تاریک رات ان کی رفتی ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہدایت فرمائی کہ میرے بستر پر لٹ جاؤ اور صبح کفار مکہ کی جواہاتیں میرے پاس ہیں انہیں واپس کر کے شرب پلے آنا۔

یوں اس تاریک رات میں جب آفتاب رسالت اپنی جہاں تابی کے ساتھ اپنے کاشانہ سے باہر نکلا تو دل کے اندھے اس سرانمیر کو نہ دیکھ سکے۔ اور پھر آپ ﷺ نے شب ہجرت اپنے رفتی شقیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے ساتھ اپنے رب کی عطا کردہ دعا کے ساتھ مکہ سے شرب کی طرف قدم اٹھایا۔

وَقُلْ رَبِّ اَذْحِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجِ صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا

”اور آپ یوں دعا کیجئے اے میرے رب مجھے (مدینے میں) اچھی طرح داخل کیجئے اور (مکہ سے) اچھی طرح نکلنے اور مجھ کو اپنے پاس ایسا قلبہ دیجئے جس کے ساتھ نصرت ہو۔“ (نبی سرانکل عہد آیت ۸۰)

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دعا کے سامنے میں اس کے رسول برحق ﷺ نے اس کے راستے میں قدم اٹھایا۔ کفار کو جب آپ ﷺ کا مکہ سے نکلنا معلوم ہوا تو وہ غصہ میں اپنی بوئیاں نوپنے لگے اور پھر تاقب اور تلاش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کئی مرتبہ تو کفار اتنے قریب پہنچ گئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی سلامتی کے خیال سے کاب کاب گئے مگر نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ اور اللہ کی بھیجی ہوئی تسلی سے ان کا دل ٹھہرا اور اللہ کے لشکروں نے جنہیں وہ دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔ مشرکوں کو ماندہ و لہسا کر دیا۔ قرآن حکیم کے

اشارات میں واقعاتی تفصیل کی جگہ ایسے اشارے ہیں جن میں گہرائی اور معنویت کے ساتھ ساتھ واقعاتی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا
ثَانِيًا إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا قَاتِلْزَالَةَ اللَّهُ سَكَنَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِنُجُودِهِ لَمْ
تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ
اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

”اگر تم رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے (وہ وقت تم کو یاد ہوگا) جب ان کو کافروں نے جلا وطن کر دیا تھا جب کہ وہ آدمیوں میں ایک آپ تھے (دوسرے حضرت ابوبکر صدیق تھے) جب وہ دونوں (خارور) میں تھے اس وقت آپ اپنے ہم راہی کو ملی دے رہے تھے کہ گھر آئیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے سو اللہ تعالیٰ نے آپ (کے قلب) پر تسکین نازل فرمائی اور آپ کو ایسے لشکروں سے مدد دی جن لوگوں نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات کو پست کر دیا (کہ وہ کامیاب رہے) اور بات تو اللہ تعالیٰ ہی کی بلند ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے۔“ (سورہ آل عمران آیت ۴۰)

جن لوگوں نے نکل پڑھا لیا تھا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، لیکن ہجرت کے لئے آمادہ نہ تھے ان کے اس عمل کو منافقت کی صحیح نشانی بلکہ شوث قرار دیا گیا۔ حکم ہجرت سے کہہ کے منافق اسی طرح بے نقاب ہو گئے جس طرح حکم جہاد اور جہاد سے مدینہ کے منافق۔ جن لوگوں نے اپنے وطن کی مانوس فضا کو، اپنے گلی کوچوں سے اپنے جذباتی لگاؤ اور اپنے کافر عزیزوں سے قربت کو دین کی راہ میں نئی فضا میں سانس لینے اور دینی بھائیوں سے رشتہ اخوت قائم کرنے پر ترجیح دی۔ انہوں نے اپنے عمل سے اپنے نفاق کو آشکار کر دیا۔

پھر یہ منافق بھی کئی گروہوں میں تقسیم کئے گئے۔ ایک تو وہ جو مسلمانوں سے برسر پیکار کافروں کے ساتھ مل کر اسلامی ریاست کے خلاف عملی کارروائی میں حصہ لیں، دوسرے وہ جو کسی

ایسی قوم سے چاہیں جس سے اسلامی ریاست کا معاہدہ امن ہو، اور تیسرے وہ کہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے۔ نہ تو مسلمانوں سے ٹکرانا چاہتے تھے اور نہ اپنی قوم سے اور منافقوں کا چوتھا گروہ وہ ہے جو مسلمانوں اور اپنی قوم دونوں کے ساتھ رشتہ استوار رکھنا چاہتے تھے۔ یا کم سے کم اس کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن فتنہ کا موقع ملنے ہی مسلمانوں کے خلاف عملی حصہ لینے سے بھی نہیں چوکیں گے۔

پہلے اور پچھتے گروہ کے منافقوں کے بارے میں تو قرآن حکیم نے قتل کا حکم بھی دے دیا ہے اور دوسرے گروہوں کے بارے میں ہدایت فرمائی کہ مسلمان انہیں دوست نہ بنا لیں۔ سورہ البقرہ میں آیت ۸۸ سے آیت ۹۱ تک یہ مباحث پیش کئے گئے ہیں۔



یثرب سے مدینہ النبی ﷺ تک

انصار محمد ﷺ کو سختی مرتبت ﷺ کی آمد کا انتظار تھا۔ وہ لوگ جنہوں نے ساری دنیا کی دشمنی کے مقابل اپنے لئے محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن لیا تھا، ہر دن شہر سے باہر مکہ سے آنے والی سڑک پر قافلہ ہدایت و نبوت کا انتظار کرتے۔ اور ان "سربا یہ دار انتظار" آنکھوں میں شام ہوتے ہوتے امید کی قمیص بچھ جاتیں اور مایوسی کے اندھیرے چھا جاتے اور پھر وہ دن طلوع ہوا جب غبارِ راہ سے ہر عالم تاب نبوت ابھرا، اور اس کی چمک کو دیکھ کر مقامِ قباہ میں انتظار کرنے والوں نے "اللہ اکبر" کا نعرہ مار کر دوسروں کو خبر بھی دی اور اپنے ہادی ﷺ کا استقبال بھی کیا۔

قباہ مدینہ منورہ سے کوئی تین میل کے فاصلے پر ہے، اور آج بھی مدینہ منورہ میں حاضری دینے والے اپنے رسول ﷺ کے پہلے مسکن کے علاقے اور اس کی تعمیر کردہ مسجد کی زیارت کے لئے یہ فاصلہ پروانِ صفت، انتہائی جذبہ و شوق کے عالم میں طے کرتے ہیں۔ یہاں انصار کے کئی گھرانے آباد تھے اور ان گھرانوں میں عمرو بن عوف ﷺ کے گھرانے کو مہاجرِ اعظم ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ قباہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے علاوہ مکہ سے آنے والے دوسرے مہاجرین بھی انصار کے ہاں مقیم تھے۔ حضور ﷺ نے قباہ میں اپنے چودہ روزہ قیام کے دوران مسجدِ قبا کی تعمیر فرمائی۔

حضور ﷺ کی ہجرت نے یثرب کو مدینہ النبی ﷺ بنا دیا۔ اس ہجرت کا مقصد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کے لئے ایک خطے کا حصول تھا۔ مسجدِ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی بنیادی اکائی ہے۔ اس ملت کی بنیاد ہی مسجد ہے، اسی لئے مسجدِ قبا کی تعمیر مدینہ کی اسلامی ریاست کے قیام کی بنیاد ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

لَا تَنْفَعُ فِيهِ اَبْدَانٌ لَّمْ يَسْجِدْ اَسْبَسْ عَلَى التَّقْوَى مِنْ اَوَّلِ
يَوْمٍ اَحْسَقْ اَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ اَنْ يَنْظُرُوْا
وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهِّرِينَ ۝

Toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوا۔ جب مسجد نبوی ﷺ اور اس کے محتاطہ حجرے سے تیار ہو گئے تو حضور ﷺ ان میں منتقل ہو گئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی مدنی زندگی کا مرکز و محور مسجد نبوی ﷺ رہی۔ وہ مسجد جو نبی اکرم ﷺ کی ابدی خواب گاہ بھی ہے اور اسی ادب گاہ کہ جنینہ و بایزید بھی وہاں لگس کر درہ نظر آتے ہیں۔

ادب کا پست زیر آسماں اور عرض نازک تر
نفس گم کر دی آید جنینہ و بایزید ایں جا

ہجرت کے بعد مدنی دور نے مسلمانوں کے بھائی چارے (سوا ماناۃ) کو اس لفظ کی معنویت کی معرانی پر پہنچا دیا۔ ایک طرف تو انصار کے وہ قبیلے جو اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار رہتے تھے، اخوت کے رنگ میں رنگ گئے اور دوسری طرف انصار نے ہماجرین کے لئے اپنے گھروں اور دلوں کے دروازے کھول دیئے۔ ان کی باہمی محبت اور اخوت و رفاقت کی مثال اسلام کی تاریخ کے سوا انسانی تاریخ کے کسی اور عہد میں نہیں مل سکتی۔ اپنے مال و املاک کی مساوی تقسیم کے ساتھ ان انصار نے شروع شروع اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی میراث کا شریک بنا لیا تھا۔ سورۃ انفال کی دو آیات تمام تفصیل کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس اجمال میں وہ سب کچھ آگیا ہے جس کے پیش نظر اس جگہ واقعات کے بیان کرنے کی چندان حاجت نہیں رہتی۔ ۱

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ أَوْلَوْا نَصْرَهُمْ أَوْ لِقَبَلَتْ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءَ بَعْضٍ ۖ

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور دین سے ہجرت کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ

۱۔ آپ نے واقعات پر ذرا غمی اور انصار دھارین کے حالات سے حقیقہ دارانہ ملاحظہ اور دوسرے اداروں کی کتب (مثلاً کتابت سماہن صوفیانہ، مبینا زما، ہمزگاری) میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

اور آج اسلام اور قرآن حکیم سے دوری کا نتیجہ یہ مرتب ہوا ہے کہ پاکستان کے مختلف طبقوں کے فرزند عین زمین (sons of the soil) مہاجرین سے وہ دھاری سدا کا مظاہرہ نہیں کرتے ہیں کہ تم ہمارے ”خاکا فانی رنگ میں رنگ جاؤ۔“ کا ترجمہ باہمی روئش کے بعد یہ جملے کے مخصوص حالات اور جغرافیائی کلیات سے مخصوص مضمون سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ جملے عین تہذیب اسلام کی تہذیب کے بعد ہی قابلِ ملاحظہ کیے اور انصار سے لے کر ہجرت کے بعد ہی قابلِ ملاحظہ کیے گئے ہیں۔ اور یہ لفظ عین ان کے ذہن میں آتا ہے۔ اور یہ لفظ عین ان کی زبان کا ہے۔ اور ان کا بھائی اور مائی ایک ہی رنگ کی ہے۔

”البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے نکلی پر رکھی گئی ہے وہ وہی اس قابل ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لئے) نکلے اور اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ (سورۃ اہزاب، آیت ۱۰۹)

اس مسجد کے معماروں میں سید المرسلین بھی شامل تھے۔ اس معمارِ اعظم ﷺ نے کاغذیہ کو معنوی طور پر انجام دیا، بلکہ لغوی طور پر بھی۔ دوش رسالت ﷺ پر ہماری پتھروں کو دیکھ کر اہل ایمان کے قلوب موم ہو کر کھٹکنے لگتے۔ وہ حضور ﷺ سے درخواست کرتے کہ یہ پتھر ہمیں مرحمت فرما دیجئے۔ اور خود سرکارِ دو جہاں ﷺ سکراتے ہوئے ان درخواستوں کو شرف قبولیت عطا فرماتے، اور خود دوسرا وزنی پتھر اٹھالیتے۔ کاش آج مسجدِ قبا میں جہدہ کرنے والے ان گھڑیوں کو یاد کریں جب اس مسجد کی تعمیر کے ہنگام حضور ﷺ کا پیدائش کی زمین اور اس کے پتھروں میں جذب ہوا تھا، اور کام کرتے ہوئے دوسرے معمارانِ قدسی نفس کے ساتھ حضور ﷺ نے بھی حضرت عبداللہ بن رواحہ کے صرع کے پلوں کو دہرایا تھا، اور یوں کام کے پوچھ کو اس نغمہ کی لہروں کے سہارے ہلکا بنا دیا تھا۔

”فلاح من لبالح المساجد“

”مخارج یافتہ ہے وہ جو مسجد تعمیر کرتا ہے۔“

دو ہفتوں کے بعد جمعہ کے دن آپ ﷺ نے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جمعہ کا پہلا خطبہ حضور ﷺ نے اسی موقع پر جملہ نبی سالم نبی نماز جمعہ کے ساتھ ارشاد فرمایا، اور جب کاروان رسالت، ملاح و تجرکی ہم رکابی میں مدینہ داخل ہوا تو جیسے مدینہ کی نقاشیں جان نکل آئی۔ حق و صداقت کا چاند۔ اور مدینہ کی نقاشیں حورِ صفت بچپوں اور قدسی نفس خواتین کے اس نغمہ سے معطر ہو گئیں۔

طلع البدر علینا من ثنیت الوداع

و جب الشکر علینا مدائنہ داغ

سات ماہ کے لئے حضور ﷺ کی میزبانی کا شرف حضرت ابوباب الصاری ﷺ کو حاصل

برطانوی سامراج اور ہندو سرمایہ داری نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔

اور جب ہم نے محلی منافقت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے عہد اور اسلامی اصولوں سے روگردانی کی تو ہمارے دل کس طرح ایک دوسرے سے پھٹ گئے اور پھر نفرت کا وہ آتش نفاخ پھٹا کہ ہم اپنے ایک بازو سے عزم ہو گئے۔ بین الاقوامی سازش سے انکار نہیں لیکن غیروں کی کامیابی ہمارے ہی انتشار کا نتیجہ ہے۔ اور آج باقی ممالک پاکستان کو پارہ پارہ کرنے کی سازشوں کے بڑے بڑے دائرے اسی حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے پیغام سے کتنے دور ہو گئے ہیں۔



میں اپنے جان و مال سے جہاد بھی کیا وہ اور جن لوگوں نے جہرت کرنے والوں کو بے نیکی جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ وہی (در اصل) ایک دوسرے کے دلی ہوں گے۔" (سورہ انفال آیت ۷۷)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَلَسُوا وَهَلَسُوا وَهَلَسُوا وَهَلَسُوا سَبِيلَ اللَّهِ وَالَّذِينَ آؤْ وَاتَّصَرُوا أَوْلِيَّكَ هُمْ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

"اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے جہرت کی اور تمہاری راہ میں جہاد کرتے رہے اور جنہوں نے (جہرت کرنے والوں کو) پناہ دی اور مدد کی بے شک وہی سچے مومن ہیں ان کے لئے مغفلات سے مدد گزار اور بہترین رزق ہے۔"

(سورہ انفال آیت ۷۷)

سورہ انفال ہی میں اس محبت کے ذکر سے پہلے اس کی بنیاد اور سب کا تذکرہ بھی فرمایا گیا ہے اس محبت کی بنیاد تکوینی اور اللہ تعالیٰ سے قربت اور اس کی تائید تھی۔

هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِسُنُّورِهِ وَبِالسُّورِ مِينِينَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا لَوْ أَنفَعَتْ مَنَافِيَ الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَفَّتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ ۝ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

"وہی تو ہے جس نے اپنی نہیں امداد سے اور زمینوں کے ذریعہ سے آپ ﷺ کی تائید کی، اور زمینوں کے دل ایک دوسرے سے جوڑ دینے اگر آپ روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالے تو بھی ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے، یقیناً وہ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔"

(سورہ انفال آیت ۶۳-۶۴)

ہم نے خود اپنے عہد میں ارشاد ربانی کی صداقت کا مشاہدہ کیا ہے۔ جب مسلمانان بر عظیم نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر اپنے لئے ایک یلغار و وطن کا مطالبہ کیا، تاکہ اس خطہ گوش کو اسلامی اصولوں کا مرکز بنایا جائے، تو وہ ایسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے کہ اس سے ٹکرا کر

تاسیس ریاست اور تحویل قبلہ

پڑب مدینہ النبی ﷺ بن گیا اور یوں دنیا کی پہلی اسلامی اور مثالی ریاست اور منظم معاشرہ وجود میں آیا۔ سب سے پہلے تو مہاجرین و انصار کے بھائی چارے نے افراد کے معاشی اور سماجی مسائل کو حل کیا، اور پھر مدینہ کی اسلامی ریاست کی مختلف ضرورتوں کی طرف توجہ دی گئی۔ ان ضرورتوں میں افراد کی تعلیم کے لئے کرپڑی قبائل اور یہود سے معاہدے تک کتنی ہی باتیں اور پہلو شامل ہیں۔ یہ پہلو خاص طور پر ہماری توجہ کا مستحق ہے کہ مدینہ کے دور سے پہلے نمازوں میں فرض رکعتوں کی تعداد دو تھی۔ مدینہ میں ظہر، عصر اور عشاء کی فرض رکعتوں کی تعداد چار کر دی گئی۔ اس نکتہ سے اقامتِ اصلوٰۃ اور اقامتِ دین و نظامِ اسلامی کی مطابقت و ہم آہنگی کے کتنے ہی زاویے ابھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔

صحابہ ﷺ کی بڑی تعداد معاشرے کے مختلف کاروبار اور ضرورتوں کی تکمیل میں مصروف ہو گئی۔ ایک جماعت نے اپنے آپ کو عبادت و تعلیم اور نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزار کر حصولِ تربیت کے لئے وقف کر دیا۔ آدابِ عبودیت و دین سیکھنے کے لئے معلمِ اعظم ﷺ کے فیضانِ نظر سے زیادہ مستحکم و محکم چیز اور کیا ہو سکتی ہیں۔ یہی لوگ ہماری تاریخ میں "اصحابِ صفہ" یعنی سامانِ دانے کہلاتے ہیں۔ ان کا تمام تر وقت مسجدِ نبوی ﷺ سے ملحق ایک سامانِ دانے گزر رہا تھا۔ ان میں سے بعض لوگ بڑی ذہنی طور پر کچھ نہ کچھ کام بھی کرتے تھے، لیکن جمہوری طور پر ان کی ضروریات کی دیکھ بھال مدینہ کا مسلم معاشرہ اپنے تمام مسائل اور معاشی تنگیوں کے باوجود کرتا تھا۔ جس دین کا آغاز نبی "افسرا" سے ہوا وہ اور جس کے ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے مہد سے لے کر لحد تک علم حاصل کرنے کا حکم دیا، وہ اس کے معاشرے کی تشکیل اسی طور پر ہو سکتی ہے۔

حضور ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کو بھی اولیت و اہمیت دی۔ یہودیوں کے تین قبیلے مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ بنو نضیر، بنو ثعلبہ، بنو قریظہ۔ ان کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کیا گیا جس کی رو سے یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی، جنوں بہا کے پرانے دستور

اور احکاف اور رکوہ و تکوہ کرنے والوں کے لئے خوب پاک صاف رکھا کرو۔“

(البقرہ آیت ۱۴۵)

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى
لِّلْعَالَمِينَ ۗ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مِّمَّا بُرَّاهِمُ ۗ وَمَنْ ذَخَلَ
مَحْضًا مِنْهُ فَأَمَّا إِلَى اللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَصْحَابُهُ
أَحْسَنُ ۗ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ سَبَّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَحِيمٌ ۗ

بے شک وہ مکان جو سب سے پہلے (عبادت کے لئے) لوگوں کے واسطے
مقرر کیا گیا ہو وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے بابرکت اور سارے جہاں کے لئے
راہنما (اور مرکز ہدایت) اس میں کئی ہوتی نشانیاں ہیں (جن میں سے ایک)
مقام ہرام ہے جو اس (مبارک گھر) میں داخل ہوا اس نے ان پالیا لوگوں
پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج
کے اور جو اس حکم کی اطاعت سے انکار کرے تو (اُسے معلوم ہو کہ) اللہ
تعالیٰ تمام دنیا والوں سے سنی اور بے نیاز ہے۔“ (الزمر ۲۳، آیات ۹۶-۹۷)

حضور نبی اکرم ﷺ اس مبارک اور مرکز ہدایت بیت اللہ کی اہمیت سے پوری طرح باخبر تھے
جو بیت المقدس سے تقریباً تیرہ سو سال پہلے تعمیر ہوا تھا اور آپ کے دل میں ”بیت اللہ کو“ قبلہ
اہل یقین قرار دینے جانے کی ترغیب بھی بھری تھی۔ آخر وہ لمحہ آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے اس ترنا کا
جواب عطا فرمایا، اور یوں کہ اسلام اور عالم انسانیت کو اسن و سلامتی کا قائم رہنے والا گھر مل گیا۔
کعبہ اور اسلام دونوں کے بارے میں یہ بات کیسا صداقت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ من
دخلہ کان امناً“ کیونکہ کعبہ اسلام کی مرکزیت کی علامت ہی تو ہے۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً
تَرْضَاهَا ۗ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ
مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا
الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ

کوباتی رکھا گیا، باہمی دوستی کو معاہدہ کی شرط قرار دیا گیا اور طے پایا کہ مدینہ پر کسی حملہ کی
صورت میں مسلمان اور یہودیوں کو شہر کا دفاع کریں گے، اور کوئی بھی جماعت فریقین معاہدہ میں
سے کسی ایک پر حملہ کرے گی تو یہ حملہ دوسرے فریق کے خلاف بھی سمجھا جائے گا۔ یہ منصفانہ،
شریفانہ اور مساویانہ معاہدہ اس بات کا تاریخی ثبوت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ان میں کوئی کس درجہ عزیز تھا۔
رمزہ لعلائین ﷺ جنگ کے امکانات کو کس طرح مٹانا چاہتے تھے۔ یوں ہجرت نے مسلمانوں کو
ایک مرکز عطا کر دیا، لیکن اس مرکز کے قیام نے ایک اور مسئلہ کی اہمیت کو بڑھا دیا، اور وہ مسئلہ تھا
ایک ایسی علامت کا ہونا جو اسلام کے عالمی اور اوقافی حواجز اور مرکزیت کا اظہار میں سکے۔

مدینہ میں نبی اکرم ﷺ اور جماعت مؤمنین نے شعبان ۲ھ تک، یعنی تقریباً بڑھ سال
تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی۔ بخاری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے
سولہ یا ستر ماہ بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی۔

بیت المقدس یہودیوں کا قومی نشان اور علامت بن چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعثت نبی
اکرم ﷺ سے پہلے نبوت، اولاد حضرت اہلق ﷺ تک محدود رہی تھی اور حضرت اہلق ﷺ کی
ذریعت پر فہم میں تھی۔ اب وہ رسول ﷺ آچکا تھا جس پر وحی کا سلسلہ بھی ختم ہونا تھا، اور حضرت
ابراہیم ﷺ کی سنت و مسلک کی تکمیل بھی ہوئی تھی۔ اس رسول کا مرکز اور اس کے آفاقی حواجز
کی علامت وہی گھر ہو سکتا تھا جسے اللہ نے ”اپنا گھر“، ”لوگوں کے لئے امن“، ”پہلا گھر“،
”مبارک“ اور عالمین کے لئے ہدایت قرار دیا۔ کعبہ کے بارے میں یہ نکات ہمیں قرآن
حکیم کی ابتدائی سورتوں یعنی البقرہ اور آل عمران میں مل جاتے ہیں۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۗ وَاتَّخِذُوا مِنْ
مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۗ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝

”اور جب ہم نے اس (گھر) کو لوگوں کا معبد اور مقام امن قرار دیا
(اور لوگوں کو حکم دیا) کہ مقام ابراہیم ﷺ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو اور ابراہیم
ﷺ اور اسماعیل ﷺ کی طرف حکم بھیجا کہ میرے (اس) گھر کو صاف

عَسَا يَعْمَلُونَ

”اور (اے محمد ﷺ) ہم آپ کے سزا کا (یہ) بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اسی قبیلہ کی طرف بھیج رہے ہیں جس کے لئے آپ ﷺ کی مرضی ہے۔ سبہ حرام کی طرف اپنا رخ بھیج رہے ہیں، اور تم لوگ (جماعت مؤمن) جہاں ہو اور وہ (نماز کے وقت) اسی طرف (کعبہ کی سمت) اپنا رخ کر لیا کرو اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی خوب جانتے ہیں کہ (تحویل قبیلہ کا) یہ حکم ان کے رب کی طرف سے ہے اور برحق ہے (مگر اس کے باوجود) جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں۔“ (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۳)

تحویل قبیلہ کا یہ حکم شعبان ۱ھ میں نازل ہوا اور اس وقت جب نبی برحق ﷺ نماز ظہر کی امامت فرما رہے تھے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضور ﷺ کی امامت میں صحابہ کرام ﷺ کی ایک جماعت تیسری رکعت ادا کر رہی تھی۔ اس حکم کے نزول کے ساتھ ہی رخ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف کر لیا گیا۔ نماز کے دوران حکم کا نازل ہونا۔ اللہ اکبر۔ اطاعت کا کیسا استحسان اور ایمان کا کیا مرحلہ ہے؟ نفسیاتی طور پر اور اپنی پیلولواری کی بناء پر محض یہ واقعہ اور یہ بات قرآن کے سن جاہب اللہ ہونے کی حکم دہل ہے۔

مدینہ کے یہودیوں پر اس حکم کا کیا رد عمل ہوا؟ بعض حضرات نے اس پیلولو بڑی اہمیت دی ہے، لیکن ہمارے نزدیک اس کے اسباب وہی ہیں جو بیان کئے گئے، اور قرآن حکیم کی روشنی میں یہ ایسی حقائق تحویل قبیلہ کی حکمت کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ بہر حال یہ بات واضح ہے کہ ہجرت اور تحویل قبیلہ، یہ دونوں واقعات اسلام کی مرکزیت کی اساس بنے۔ مدینہ منورہ میں مسجد قبلین آج بھی اسی صداقت کی شہادت دے رہی ہے۔



حکم جہاد

مدینہ میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو قریش مکہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اگر حالات یہی رہے تو بہت جلد اسلام سارے عرب کو اپنے دامن میں لے گا۔ ان کے اضطراب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ایک جھڑپ اور چند دوسری مشغولیاں یا ”خانہ ساز“ باتوں (جن کو فزود و ہدرد کے سلسلہ میں مختصر آجیٹس کیا جائے گا) کا عذر تراش کر قریش مکہ نے مدینہ کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا۔ مدینہ کے قریب بدر کے میدان میں حق و باطل کی وہ آویزش ہوئی جس نے تاریخ کو ایک نابارخ عطا کر دیا اور پھر یہ سلسلہ فتح مکہ تک جاری رہا۔

قرآن حکیم نے انسانی زندگی کے تحفظ اور اس کی اہمیت کو جس انداز سے پیش کیا ہے، انسانی ذہن چودہ سو سال سے زیادہ اس مدت میں بھی اس سچ تک نہیں پہنچ سکا ہے، حالانکہ بنیادی انسانی حقوق پر ساری دنیا کے تعلیمی و علمی اداروں سے لے کر اقوام متحدہ تک مسلسل گفتگو اور بحث ہوتی رہی ہے۔

اللَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ لَّو قَسَادٌ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَمَن أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا

”جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جو کسی شخص کو بچا لے تو اس نے گویا تمام انسانوں کو بچا لیا۔“ (سورۃ المائدہ آیت ۳۲)

جس دین نے انسانی زندگی کو یوں محترم قرار دیا ہو، اور ”خون بہا“، ”صلح“، ”انصاف“، ”زیادتی سے بچنے“ کو بنیادی اقدار حیات کا درجہ دیا ہو، وہ ملک گیری کے لئے طاقت کے کام لے سکتا ہے؟ اسلام کی اولین جنگوں (غزوات) پر امتزاج کرنے والے مسلمانوں کی حالت اور بے درد سمانی کو بھی انھرا انداز کر دیتے ہیں، اور اس ہنر افغانی حقیقت کو بھی، کہ یہ جنگیں مدینہ

منورہ کے قریب لڑی گئیں۔ اس کے سوا ایمان تو قلب و فطرتی تبدیلی اور حیات و کائنات کو نئے انداز سے دیکھنے کا کام ہے۔ وہ انداز جس میں وہی الٰہی اور واسوۃ رسول ﷺ کے حوالہ سے ہر چیز کے معانی کا تعین ہوتا ہے۔ پھر اس میں جبر کا کیا سوال؟

بات صرف یہ ہے کہ اسلام پر انفرادی طور پر پوری طرح عمل نہیں کیا جاسکتا اور جب نبی کریم ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں نے مدینہ کو اپنا مرکز بنایا تو فطرتی طاقتیں اس مرکز کو مٹانے پر تل گئیں۔ مسلمانوں کو ان کے وطن کے نکلنے والوں نے ان پر مسجد حرام (کعبہ) کی زیارت کے راستے بھی بند کر دیئے۔ ان حالات میں سورۃ الحج کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں تکبلی بار مسلمانوں کو اذنِ قتال عطا کیا گیا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جہاد کا دائرہ وسیع تر ہے، اس میں قتال باسیف کے علاوہ بھی اسلام کی راہ میں جدوجہد کی تمام صورتیں سمٹ آتی ہیں، وہاں جہاد باسیف کا مرتبہ بہت بلند ہے، کیونکہ اس میں آدمی اپنی زندگی کی قیمت پر اللہ کی عظمت اور بزرگی اور اسلام کی سچائی کی شہادت دیتا ہے۔

اِذْ لِلَّذِيْنَ يُغْتَلَبُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۗ الَّذِيْنَ اَخْرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ
اِلَّا اَنْ يَقُوْلُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ ۗ وَلَوْ لَا دَفْعَ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّهَيَّبَتْ صَوَابِعُ وَبِيْعٌ وَصَلَوْتَ ۗ وَمَسْجِدٌ
يُّدْكِرُ فِيْهَا اِسْمَ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلِيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهٗ ۗ
اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (سورۃ الحج آیت ۳۹-۴۰)

• ہاں یہ اصل حکم ہے کہ ہر شہادت کو نئے نئے نفس اور اہمیت کو دلیل کر کے اور عقائد القادریہ یا ساری دیگر مسلمانوں میں خلیفہ بن کر گئیں، دیکھئے کہ کتنے لوگ نے کتنے لوگوں کے سب سے اعلیٰ مقام شہادت پر شاہد بنا دیا ہے۔ اس کے مزاج کو ان میں دیکھئے تو یہ تمام بزرگ نظر آتے ہیں۔

اسلام کی رہنمائی کو کعبہ سے ماننے لائی ہے۔ آقا محمد کا یہ اسلام اور اس کی ترقی کا ہونے اور کھیلنے کے لئے ہر قدم اٹھایا اور مسلمانوں نے علم و جہاد کا رشتہ کیا۔ پھر جس دن وہیں تکبلی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس دن ہی قوت کی تو اس لئے اپنے دفاع کے لئے قوت کا استعمال کیا، ہم یہاں اشارت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو اپنے فطرتی اپنے فطرتی کے ساتھ قیام کے لئے قوت کا استعمال آنا ہی نہ کرنا تھا۔ اسلام کی تاریخ کا یہ مرکزی محور حضور اللہ تعالیٰ میں آنا اور اللہ تعالیٰ کے ہمہ پیشہ ہونے اور اپنی ہی مشیتوں نے اپنی ہی انسانوں کو تاریخ کے نئے نئے جہاد میں لایا۔

مگر ان اصل حکاموں کو کلمہ کرنے کے بعد فطرت کو تو اس دور میں بند نہ ہونے کی اور میں ہاں مسلمانوں کا کیا، ایسوں کو بعض ایسی حق اور امانت حاصل کر لی ہیں کہ مسلمانوں کی جان سے بھرنا ہے۔

"اب جنگ کی اجازت ان لوگوں کو دے دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) اب جنگ کی جارہی ہے کیونکہ ان پر ہم تکمیل کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً ان کے عتاب کر دینے پر قادر ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے باہر نکل دینے کے لئے صرف اتنی بات پر کہ وہ کہتے ہیں، "ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے" اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے وسیع تر کرتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانوں میں) بخلائی کے ظلمت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) کعبہ مسجد میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ لے کر اپنے اپنے جہے سب ختم ہو گئے ہوتے اور اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ تعالیٰ (کے دین) کی مدد کرے گا۔ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی اور غلبہ والا ہے۔"

جب فطرتی سازشیں مدینہ گئے اور کافروں کے مذہب اور اہمیت کے مدینہ کی سرحدوں تک پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے جہاد باسیف کا حکم دیا۔ یہ حکم جنگ بدر سے کچھ پہلے دیا گیا۔ سورۃ بقرہ کی متعلقہ آیات تفصیل کے ساتھ جہاد کی شرائط اور حدود کا تعین کرتی ہیں۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۗ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۗ وَقَاتِلُوْهُمْ حَيْثُ يَفْتَنُوْكُمْ
وَاَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ
الْقَتْلِ ۗ وَلَا تَنْصِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى
يُغْتَلَبُوْكُمْ فِيْهِ ۗ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ
جَزَاءُ الْكٰفِرِيْنَ ۗ فَاِنْ اَتَتْهُمُ اِلٰهَ غُلُوْبًا رَّجِمُوْهُمْ ۗ وَاقْتُلُوْهُمْ
حَتّٰى لَا تُكْفِرُوْا فِتْنَةً وَيُكْفِرُوْنَ الدِّيْنَ لِلّٰهِ ۗ فَاِنْ اَتَتْهُمُ
فَلَا عُدُوْبَ اِلَّا عَلٰى الظّٰلِمِيْنَ ۝

"اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں (بے لطف سے) ان لوگوں سے لڑو جو (فصل محمد کر کے) تم سے لڑتے ہیں مگر (ان کو) عدو سے نہ ٹھکر، اللہ تعالیٰ عدو سے لطفے والوں کو پسند نہیں کرتا ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے اور جو کلمہ سے بھی شہید تر

غزوہ بدر

نبی کریم ﷺ کی ہجرت، قریش مکہ کے اہم لوگ کی ہلکتی تھی۔ قریش نے اس موقع پر بھی وہی حربے استعمال کئے جو ہجرت حبشہ کے سلسلہ میں استعمال کئے تھے۔ وہاں معاملہ ایک خود مختار بادشاہ سے، پڑا تھا اسی لئے تحائف کے ساتھ سفارت بھیجی گئی تھی۔ یہاں معاملہ اہل یشرب سے تھا جن کے مقابلہ میں قریش اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے، اسی لئے سفارت کی جگہ مراسلہ کو اور تحائف کی جگہ جمعی کو مانتا۔ قریش نے عبداللہ ابن ابی کعبہ کو لکھا کہ۔

”تم نے ہمارے آدمی کو بنا وہی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تم لوگ ان کو قتل کر دو یا نکال دو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تمہیں قتل کر کے تمہاری عورتوں کو لوٹ لیاں بنا کر اپنے تصرف میں لائیں گے۔“

عبداللہ ابن ابی کعبہ کو سردار منافقین تھا اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس کی بادشاہت کے جشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ یشرب، مدینہ النبی بن گیا اور اہل یشرب انصار بن گئے۔ یہ قلب و نظری کی وہ ہے کہ تبدیلی بھی کسی کسب سحرانی اللہ کی ہوئی، انسانوں کی نہ رہی۔ عبداللہ کا بس چہا تو وہ قریش کے ”احکام“ کی تکمیل کرتا، لیکن اب اس کی سابقہ عظمت و سیادت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور قریش اس نکتہ کو اس وقت تک نہ سمجھ سکے تھے۔

اس واقعہ سے پوری طرح اعزازہ ہو سکتا ہے کہ قریش اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان حالت جنگ، ہجرت کے بعد بھی قائم رہی۔ وہ جنگ قریش نے اعلان نبوت کے ساتھ ہی ہادی برحق ﷺ اور دائرہ دین میں آنے والوں کے خلاف چھیڑی تھی۔ محض یہی ایک نکتہ ان معتزلسین کے تمام اعزازات کے سلسلہ میں، جناب کافی وسکت کا درجہ رکھتا ہے جو غزوہ بدر کی تمام تر ذمہ داری مسلمانوں اور نبی کریم ﷺ پر ڈالتے ہیں اور اسے تحقیق کا نام دیتے ہیں۔

قریش مسلمانوں کو مکہ سے نکالنے کے بعد، اب اس بات پر بھی رضامند نہ تھے کہ کہا جریں و انصار طواف و زیارت مکہ کے لئے آئیں، حالانکہ انہیں روکنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔

جس بلکہ قریش کی معاشی شوگرگ (تجارتی شاہراہ) کو کسی وقت بھی کاٹ سکتے ہیں۔ کم و بیش ایسی ہی چار دستوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ بھی مدینہ سے باہر وہی علاقوں میں تشریف لے گئے اور اس اعصابی جنگ میں مسلمانوں کی حوصلہ مندی کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ قریب کے بعض قبائل نے ایسے ہی موقع پر معاہدے کیے۔

قریش نے اپنی تجارتی شاہراہ پر مسلمانوں کے عسفی دستوں کو اپنے مستقبل کے لئے عظیم خطرہ سمجھا اور مختلف قبائل کے ساتھ ان معاہدوں سے وہ اس نتیجے پر پہنچے اور بجا طور پر، کہ اب وہ عرب کی واحد طاقت نہیں رہے، بلکہ مدینہ کی اسلامی ریاست کا اثر و نفوذ انہیں مسترد اقتدار سے آہستہ آہستہ محروم کر رہا ہے۔

ان حالات میں قریش مکہ نے ایک فیصلہ کن جنگ کی ضمان لی، اور قریش کا لشکر عظیم مکمل تیاریوں کے ساتھ مدینہ کی طرف چل پڑا۔ اسی زمانے میں ابوسفیان کے تجاوتی قافلے کو بھی اسی شاہراہ تجارت سے گزرنا تھا۔ اسی اتفاق کی بنا پر بعض ارباب میر نے یہ گمان کیا ہے کہ معاذ اللہ سرکارِ دو عالم ﷺ اسی تجاوتی قافلے کو لوٹنے کے لئے مدینہ سے نکلے تھے۔ یہ گمان قرآن حکیم کی تصریحات کے خلاف ہے۔ قرآن حکیم کے ارشادات و تصریحات کو پیش کر دینے سے پہلے یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ کا مقصد تجاوتی قافلے کو روکنا یا لوٹنا ہوتا تو آپ مدینہ سے شمال مغرب کی طرف بڑھتے چھڑے قافلہ آ رہا تھا، لیکن حضرت عثم المرتضیٰ نے ﷺ کو "جنوب کی راہ لی چھڑے سے قریش کا لشکر آ رہا تھا۔ اس کے علاوہ لشکر قریش سے مقابلہ کا فیصلہ تو مدینہ سے نکلنے سے پہلے ہی شوشی کے ذریعہ ہو گیا تھا اور قرآن حکیم کے مطابق مسلمانوں کا ایک گروہ اس فیصلہ سے ناخوش تھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے انصار و مہاجرین کو موقع فرما کر سوال کیا کہ "ایک طرف تجاوتی قافلہ ہے اور دوسری طرف کفار کا لشکر ہے۔" اور اللہ کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا تو اب کہہ کر قصد کیا جائے۔" اکثر یہ نے تجاوتی قافلہ کی طرف رخ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنا سوال دہرایا۔ اس سے صحابہ کرام و ان رسالت تھے، مستجب ہو گئے اور مہاجرین کی جانب سے جواب دیا گیا۔ "آپ جس طرف رخ فرمائیں گے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سرکارِ اعلیٰ کی حلقہ آیت، مدینہ سے باہر نکلے اور جنگ بدر سے پہلے نزل ہو چکی تھی۔"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، جب عمرو کے لئے مکہ گئے تو ابو جہل نے خانہ کعبہ کے دروازے پر ٹوکا اور کہا کہ اگر امیہ بن خلف نے تمہاری میزبانی قبول نیکی ہوتی تو تم کو مکہ سے اپنا سراپنے کا ناموں پر رکھ کر شرف لوٹنے کی اجازت نہ دی جاتی۔ اسی موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بوری جرأت سے کہا کہ اگر ہم پر بیت اللہ کے دروازے سے اور اس تک پہنچنے کی راہیں مسدود کی گئیں تو ہم مدینہ سے تمہارے تجاوتی قافلوں کو نہیں گزرنے دیں گے اور یہ بات زیادہ شدید ہوگی۔

ما هذا نشد عليك منه طريقك على المدينة

اسی کے ساتھ ساتھ قریش نے اپنے زیر اثر قبائل کو بھی اسلام کی عملی مخالفت پر اکسایا۔ "ہجرت کے چھ سال تک بنو وغیرہ کے لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے" اور مدینہ پر قریش کے حملے کے امکانات اتنے روشن اور واضح تھے۔

كان رسول الله ﷺ اول قدم المدينة ليهجرين

الليل - (نابی ہوا اشقی)

"جب نبی اکرم ﷺ مدینہ میں اول تشریف لائے تو راہوں کو جاگا کرتے تھے۔"

ان حالات میں نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے تو یہود مدینہ سے معاہدہ فرمایا تاکہ باہر سے اطمینان ہو، اور اس کے بعد مدینہ سے بحر احمر کے ساحل تک پہلے ہوئے قبیلوں سے دوستی یا غیر جانبداری کے معاہدے فرمائے۔ یہ معاہدے ہجرت کے پہلے سال اور دوسرے سال میں کیے گئے۔

اس کے بعد سرورِ کائنات ﷺ نے اس تجاوتی شاہراہ پر چھوٹے چھوٹے دستے بھیجے شروع کیے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی جی کسی کھدالے لوٹ مار کے چھاپا بارو سے بچ رہے تھے۔ ایسے ہی ایک دستہ نے مدینہ کے قریب چڑھا گاہ پر حملہ کیا اور خود محمد ﷺ کے مویشی چڑھ کر لے گیا۔ اس دستے کی قیادت کرز بن جابر نے کی تھی، جنہیں بعد میں مسلمان ہونے اور شہادت پانے کا شرف حاصل ہوا۔

ان حالات میں نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ نے اپنے عسفی دستے بھیج کر قریش کو بتا دیا کہ اب وقت کا دھارا پلٹ چکا ہے، اور ہوا کا رخ بدل گیا ہے۔ اب مسلمان ہے کس اور مجھ نہیں

بجزوں کو یہ لکھائی ہو گی اور۔۔۔ (سورۃ نعل، آیات ۸۶-۸۷)

اس ارشاد ربانی کے بعد اس قیاس آرائی کی کوئی صورت نہیں رہتی کہ نبی اکرم ﷺ اور اصل تہافتی قافلہ کو لوٹنے لگتے تھے، مگر انہیں لنگر قریش سے لڑنا پڑا۔ غزوہ بدر تو نصرت اسلام کی تاریخ کا عظیم باب ہے۔

حارِ رمضان ۳ ہجری کو بدر کے میدان میں اسلام اور کفر کی فوجیں نے انداز سے ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئیں۔ حضورِ صلواتُہِ واصلوٰہِ والسلام کے ساتھ ۳۱۳ جانثاروں کی جماعت تھی، مگر یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی جان اور مال کی قیمت پر جنت کا سودا کیا تھا۔ ان کے پاس پورے ہتھیار بھی نہیں تھے۔ کیفیت یہ تھی کہ اس لنگر میں بہتر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ اور دوسری طرف سر سے ہیر تک فولاد میں ڈوبے ہوئے ایک ہزار سپاہی تھے جن کی بڑی تعداد گھوڑوں پر سوار تھی۔ کفار مکہ کے پاس کم سے کم تین سو گھوڑے اور سات سو اونٹ، لیکن یہ محض عسکری طاقت کی آزمائش تھی، بلکہ زندگی کے دو ٹوکھٹوں میں ایک جنگ تھی۔ عشق، جنگ گاہ میں بے ساز و بیراق لگنا اور اصل کو لے کر ہیراہن کے نیچے بھی کھینچنا۔ عشق والوں کے لئے تو اوروں کا سایہ نما رشتہ کی ادا لگی تھا اور باطل ہمیشہ موت سے بھاگتا ہے۔

سورۃ انفال میں جنگ بدر کی تفصیلات خدا نے ہی تجویز نے ہمارے لئے محفوظ فرمادی ہیں خاص طور پر آیت ۳۰ سے آیت ۲۰ تک۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے سالار لنگر (ﷺ) نے اپنے رب کے حضور سجدہ کیا اور یوں کہ

● ستور حشر کی داستان کا تجربہ کر سکتے ہوئے بعض نامہاں راہنماؤں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ جنگ کے مناظر اور تاریخ اسلام کے واقعات کا دور گزر کر صاحبِ اقیقت کو کھڑے کر دیا جاتا ہے۔ جس میں اس حشری معرکہ کی حقیقت شائبہ آتی ہے۔

جنگ جان بچ کر ہار ڈالنے کو چاہتے ہیں یا غوراً ہر جیتے ہیں یا جی جی۔ تہافتی اور ساز و سامان کی حیثیت سے ہوا کو ان کا کر سکا۔ خود قرآن نے مسلمانوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ عارضی تاریخ کے بعض مسرکوں میں حشری قیادت یا ساز و سامان کو بھی دیا گیا ہے لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان کو مسلمانوں کی "کوئی حشری قیادت" کی بجائے حشری قیادت پر قابو آتی ہے۔ اور اس کا سلسلہ غزوہ بدر سے مسرک "حشر" ۱۹۲۵ء تک جاری رہا ہے۔ جب ۱۹۲۵ء کا مسرک ہمارے عہد کی اور عارضی آگے دیکھی آئی ہے۔ یہ واقعہ ۱۹۲۵ء کی کہ اس کی کیا دلیل کریں گے؟ ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۵ء واقعات کے دوران میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ ۱۹۲۵ء میں ہم وہ تھے جو ۱۹۲۵ء میں تھے۔ حال اگر تاریخ کو "بے مہارت جنگ تکمیل نہیں ہوتی" (جہاں بھی) کا ثابت ہے، "بے مہارت جنگ تکمیل نہیں ہوتی" فرمایا ہے۔

جس طرح اسلام کی ہری تاریخ میں غزواتوں کے عظیم آثار کے لئے یہ مثال پیش آتی، اسی طرح شاہد اب تک یہ مثال دے کر فرما سکتا ہے کہ اسلام کو فرما سکتا ہے۔

ﷺ نے جب یہ سوال پھر دہرایا تو انصار سمجھ گئے کہ آپ ﷺ ان کی رضامعلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر انصار کی جانب سے حضرت سعد بن معاذ ﷺ نے اٹھ کر یہ تقریر کی۔

"یا رسول اللہ! (ﷺ) ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، اور اس امر کی تصدیق کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ جو کچھ قرآن اور احکام خداوندی لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ہم آپ ﷺ کی اطاعت کا عہد و پیمانہ کر چکے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ آپ نے جو ارادہ کیا ہے اسے گزرے۔ ہم ہے اس ذات گرامی کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ مسند میں کود پڑنے کے لئے تیار ہیں اور اللہ اللہ میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا۔"

ان چند عروضات کے بعد قرآن حکیم کی تصریح ملاحظہ ہو۔

يُخَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَكَ مَا يُغْفَرُونَ اِلَى السَّمَوَاتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۚ وَاذْ يَبْعُدُكُمْ اللّٰهُ اُخَذَى السُّلْطٰنِ يَنْفَتِسِينَ اَنْهٰهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنْ غَيَّرَ ذٰلِكَ الشُّوْكِبَ تَحْكُمُوْا لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكُلِّيْنِهٖ وَيَقْطَعَ ذٰبِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۗ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيَجِئَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُحْسِنُوْنَ

"وہ لوگ (مؤمنوں کا ایک گروہ) ظہورِ مفسدین" (سورۃ نعل، آیت ۵) اس حق کے معاملے میں آپ ﷺ جھوٹے لگنے کے حال میں کالیجور ہو گیا تھا (ان کا یہ حال تھا) گویا وہ موت کی طرف دیکھتے جا رہے ہیں اور اُسے (انھوں سے) کہتے ہیں (وہ موقع یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ وہ دنوں گروہوں (تہافتی قافلہ اور لنگر قریش) میں سے ایک تمہیں مل جائے گا اور تم چاہتے ہو کہ تیسری جماعت (قافلہ) تمہارے ہاتھ آ جائے مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہو (مثلاً) ثابت کر کے انہیں کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل، باطل ہو کر رہ جائے، خواہ

ذریعہ تھی اور رسول اعظم ﷺ کی کمانداری کفار سے لڑتے ہوئے شہادت کی موت کے ترنابی تھے۔ اس جماعت میں دو بھی تھے کہ جن کے دلوں میں اندیشے تھے، اور شیطان ان اندیشوں کا خالق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو مسلمانوں کو ایسا اطمینان قلب عطا کیا کہ انہیں غمزدگی کی آغوش میں سکون ملا، اور پھر جنگ کی رات پانی برسا۔ یہ عین علامت کا درجہ بھی رکھتا ہے جس نے تہامت اور جماعت مؤمنین کے قلب کے ہر اندیشے کو دھوا یا اور دوسری طرف اس بارش نے مسکری اظہار سے مسلمانوں کے قدم جما دیئے۔ بارش کی وجہ سے قریش کے گھوڑوں اور اونٹوں کے دم اور بچریت میں دھنسنے لگے اور باغیادہ چاہدوں کے لئے آسانی پیدا ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کفار مکہ کی فوج لیبی علاقے میں تھی جہاں بارش کے بعد کچھ ہی کچھ ہوگئی، اور مسلمانوں کا لشکر ہادی کے بالائی علاقے میں تھا جہاں بارش نے ریت کو جما دیا۔

إِذْ يُغَيِّبُكُمُ النَّعَامَ ۖ وَيُنزِلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ
مَاءً يَلْبِطُهُكُمْ بِهِ وَيُذْهِبُ عَنْكُمْ وَجْهَ الشَّيْطَانِ ۖ وَلِيَرْبِطَ
عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُنَبِّئَ بِهِ الْآفَاقَ ۝

”اس وقت کہ یاد کر جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے نیند (غمزدگی) کی فحش میں تم پر اطمینان اور تسکین کی کیفیت طاری کردی اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے اور شیطان کی (ذاتی ہونے) تہامت سے تم کو دور کر دے، اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے، اور تمہارے پاؤں جمادے۔“ (سورہ انفال: ۸-۱۱)

غزوہ بدر میں قریش کے سردار آدمی مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہو گئے۔ نکل ہونے والوں میں ابو جہل، عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، علقمہ بن ابوسفیان اور نوفل جیسے چوبیس آدمی کفر اور سرداران قریش شامل تھے۔ حضور ﷺ کے رفقاء میں سے چودہ مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اس جنگ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم نے اس نکتہ کی وضاحت فرمادی ہے کہ اللہ کے راستے میں کوار اٹھانے والے کا ہاتھ، اللہ کا ہاتھ ہی جاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے ترشش سے نکلنے والا ہر تیر مشیت الہی کی کمان سے چل رہا تھا۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ

اس عہدہ سے زمین کی بہتیاں آسمان کی بلندیوں سے بھی بلند تر ہو گئیں، ساری دنیائے بے خبر اور بے نیاز ہو کر آپ ﷺ نے اپنے رب کے حضور میں یوں فریاد کی۔

”اے رب! حضرت! یہ چھوٹی سی جماعت تیرے نام کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے یہاں آئی ہے۔ اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو قیامت تک تیری عبودیت کو پانپانے والا کوئی اور نہیں ہوگا..... خداوند! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما۔“

اور رسول اللہ ﷺ کے ہونٹوں سے یہ الفاظ اہتیائی عاجزی کے عالم میں ادا ہونے اور اللہ نے وعدہ نصرت سے سرفراز فرمایا۔

إِذْ تَسْتَعِينُونَ رُبَّمَا نَسَحَابَ لَكُمْ أَيُّ مُمِدٍّ كُنْتُمْ
بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَوِّدِينَ ۝ وَمَا جَعَلَ اللَّهُ الْإِبْرَهِيمَ
وَلِقَطَانَةَ بِهِ قُلُوبِكُمْ ۖ وَمَا النَّصْرَ إِلَّا مَعِيَ الْعَبْدِ اللَّهِ إِنَّ
اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

”اور جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے (تو) اس نے تمہاری دعا قبول کر لی (اور جناب میں فرمایا کہ تمہاری رکھو) میں ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ انداز جس اس نکتہ کے لئے کی، (ظہیر کی) نصرت ہو، اور تمہارا کہ تمہارے دلوں کو (مضطرب) سے آفرین ہو جائے اور (واقع میں تو) نصرت اور (قلب) صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور نکتہ والا ہے۔“ (سورہ انفال: آیات ۱۰-۱۱)

نصرت اور مدد تو اللہ کی شان ہے اور ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو حق کی سر بلندی کے لئے باطل کے خلاف نبرد آزما ہوں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے (اور اللہ سے زیادہ صادق القول اور کون ہوگا) کہ ”تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔“

اللہ ﷻ نے میدان بدر میں اپنے کرم سے ہر زد کو دور کر دیا۔ یہ لوگ جو پہلی بار اس لیے سرور سامانی کے عالم میں کفر کے ساز و سامان کے مقابل صف آرا ہوئے تھے، ایمان کے ایک ہی درجے پر فائز نہ تھے۔ اس جماعت میں دو بھی تھے جن کے لئے موت وصل الہی کا زینہ اور

وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَالتَّائِبِينَ الْمُؤْمِنِينَ مِنهُ بَالَاءٌ حَسَنًا ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

”پس (حقیقت یہ ہے) کہ تم نے انہیں (کفار کو) تامل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تامل کیا اور آپ نے (دور بیت) انہیں بھیجی بلکہ اللہ تعالیٰ نے کھینکی ۝ اور مومنوں کے ہاتھوں کو استعمال کرنے کی (غرض یہ تھی) کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا ثواب عطا فرمادے، بالیقین اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔“ (سورہ انفال آیت ۱۷)

مجھے اقبال کا مشہور شعری آیت کی شاعرانہ تفسیر معلوم ہوتا ہے۔
 ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
 غالب و کار آفرین کشاد کار ساز

قریش کے جنگی قیدیوں کے ساتھ حضور سرور کائنات، رحمۃ اللعالمین ﷺ نے جو سلوک کیا اور نبی کا برتاؤ کیا، آج کی تمدن اور ”مہذب“ دنیا بھی اس کا پوری طرح تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ۝ چونکہ مدینہ میں کوئی سرکاری مہمان خانہ یا ایسا ہی دوسرا ادارہ نہ تھا ایسی لے ان قیدیوں کی میزبانی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دی گئی۔ اور ان قدسی نفس انسانوں کا یہ عالم تھا کہ بساط بھرا بیٹھے سے اچھا کھانا ان قیدیوں کو کھلاتے جو انہیں نسبت دنیا و دین کرنے کے ارادے سے لٹکے تھے اور خود گھجور پر گزارا کرتے یا فاقہ کرتے۔ ان قیدیوں کو بعد میں فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ اور جو نادار تھے وہ فدیہ سے بھی مستثنیٰ قرار دیے گئے۔ جو قیدی لکھن پڑھنا جانتے تھے ان کے لئے دس دس بچوں کی تعلیم کا فائدہ پورا دیا گیا۔ یوں مدینہ میں کھینچنے پڑھنے کی روایت عام ہوئی۔



- ۱۔ ”جب جنگ کی شدت اولیٰ تر حضور ﷺ نے ایک مٹی کی گھڑی اٹھائی اور فرمایا: ”خدا کی قدرت سے گھڑیوں کے در سے ہر گھڑی کی گھڑی پلٹے پلٹے دو سو“ ہمیں ملے گئے۔ اس طرح سے مسلمانوں نے دماغ بول دیا، آخریت سے کافریت رہنے لگا۔ سبھی اچھلتی پھرتی اتر آئے۔ (پاک)
- ۲۔ اس واقعہ پر جب نازع اور ہانپا ہوا تھا، جنگی قیدیوں کے ساتھ دلچسپی اور ہرے کا بھروسہ کیا ہے اور یہ دعویٰ ہے کہ حضور ﷺ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ نہ کھو گیا نہ شایہ پڑا کونسا بھی ہے، دیکھ کر چلنا اٹھنا، جین اٹھنا، اور غلامی سلب (ہر ذرے کے) کی ہرمت کے مطابق ہر دعویٰ میں اٹھیں قیدیوں کا، غلط ہے۔ ان کے ساتھ دلچسپی سے مومن کے گناہ اتار کیا۔ اور سب کو تبلیغ کو کھنکھارے ہی دوسرے عالمی معاہدوں اور معاہدوں کے سوتے ہوئے ہوا۔

غزوہ اُحد

بدر کی شکست سے مکہ میں صف ماتم بچھ گئی اور اسی کے ساتھ ساتھ انتقام کا بند پہ بھی بھڑک اٹھا۔ مورتوں نے اپنے اپنے قبیلوں میں مستحقین کے درناک نوے اور مرچے پڑے پڑے کر ایک مستقل جنگی کیفیت اور ایسا اعصابی پیمانہ پیدا کر دیا کہ کفار نے ایک بار پھر اپنی شیرازہ بندی کی اور اپنے تمام وسائل کو یک جا کر کے قریش کی تجارت کے پورے جمع شدہ و منافع کو جنگی تیاریوں اور ساز و سامان کی فراہمی کے لئے وقف کر دیا گیا۔ عروہ جی اور مسافع جیسی شاعرہ لوگوں کی شجاعت اور جذبہ انتقام کی آگ کو اور بھڑکانے کے لئے دور سے کرنے لگے۔

آخر شوال ۳ھ میں قریش نے تین ہزار سپاہیوں کے لشکر ہزار کے ساتھ مدینہ کی طرف کوچ کیا۔ اس لشکر کے ساتھ قریش کے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی شریک سفر تھیں۔ ان کی شرکت کا مقصد یہ تھا کہ بنگالی اور بھارتی حالات میں اپنے نعروں اور تقریروں سے اپنے سپاہیوں کا دل بڑھا سکیں اور ان کے اٹھنے سے ہونے قدموں کو اپنے ناموس کا حوالہ دے کر ثابت قدمی کا درس دے سکیں۔

نبی اکرم ﷺ ایک ہزار کی فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے مدینہ سے تشریف لائے تین دنوں کے بعد پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوئے۔ جناب رسالت مآب ﷺ شہر کا دفاع شہر میں مخصوص ہو کر کرنا چاہتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے نوجوانوں کے ذوق جہاد کے قوس نظر شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کا فیصلہ فرمایا۔ عبد اللہ بن ابی اسحاق نے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ گیا، اور اس نے جدیہ پہاڑ کی ”ک“ محمد ﷺ سے میرے منسوبے کو نہیں مانا، بااثر لفظی کی جگہ شہر میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنا چاہتے تھا۔“

یوں حضور ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد سات سو رہ گئی۔ غزوہ اُحد کے نتائج میں سے ایک اہم نتیجہ یہ بھی ہے کہ یوں منافقین کا نفاق ابھر کر سامنے آ گیا اور اس طرح مستحقین کی تعمیر اور شیرازہ بندی کے راستے متعین ہو گئے۔

حضور سرور عالم ﷺ نے اُحد کو اپنی پشت کی طرف رکھ کر مورچے قائم کئے اور فوج کو دستوں

انہوں نے یہ سوچا کہ اگر وہ رو سے کی حفاظت کرتے رہے تو مال قیمت سے محروم ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ عصمت رسول ﷺ کی روانے مقدس ایسی خیانت کے دھبے کی تحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ بعد میں جب حضور ﷺ نے ان لوگوں سے دروے کو چھوڑنے کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے یہ تاویذ اور عذر سے کام لیا، لیکن ان تاویذوں کو بواہرین اس آنکھ پر صاف آشکارا تھا جو اللہ کے نور سے اشیا کو دیکھتی تھی۔ آپ نے ان سے کہا

”بل نطلبکم، انا نغل ولا تقسم لکم“

”تم یہ خیال کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ خیانت کریں گے اور تم کو تمہارا حصہ نہیں دیں گے۔“

سورہ آل عمران میں جنگ احد کی تفصیل کے بیان کے بعد اسی معاملہ پر یوں تبصرہ کیا گیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ تَتَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

”اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ خیانت کریں جو شخص خیانت کرے گا وہ شخص اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن حاضر کرے گا پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا (کسی پر) کوئی گھم نہیں ہوگا۔“

(آل عمران ۲۰۳ آیت ۲۱۶)

بہر صورت جب حیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تو اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خالد بن ولید نے پشت سے حملہ کر دیا اور جنگ کا نقشہ ہی پلٹ گیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ ہی ہر طرف بے خبر گھبرائی گئی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے۔ اس افواہ نے مجاہدوں کے حوصلے پست کر دیے اور ان کی صفوں میں رخنے پڑنے لگے۔ کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے نرے میں لے لیا اور آپ ﷺ کا چہرہ اقدس زخمی ہو گیا۔ اس موقع پر اگر ایک طرف بعضوں کے قدم اکھڑ گئے تو دوسری طرف موت کو زندگی بخینے والے ایسے صحابی بھی تھے جو حضور ﷺ کے چاروں طرف ایک آہلی حصار بن گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی شجاعت سے یہ حقیقت آشکار کر دی کہ مسلمان کا ہاتھ کس طرح اللہ کا ہاتھ بن کر باطل کے عملوں کو روک لیتا ہے۔ حضرت عمارہ بن زید

اور سالوں میں تقدیر فرمایا۔ ۱۰ پشت کی طرف سے دشمن کے گھوم کر حملہ کرنے کا اندیشہ تھا۔ احد کے اس اہم دروے پر آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ تعین فرمایا اور اس ہدایت کے ساتھ کہ ”یہاں“ کسی صورت میں نہ ہٹنا۔ فتح ہو جانے کے بعد بھی تا حکم تائی نہیں ٹھہرنا۔“

جنگ احد کا آغاز نئے انداز سے ہوا۔ اس بار طبل جنگ پر پھرت نہیں پڑی بلکہ ابوسفیان کی بیوی ہندو کی سرکردگی میں خواتین قریش دف پر لغز مرائی کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔

نحن بنات الطارق

ان تغلبوا نعالق

”ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں

ہم وہ ہیں جو تلو تلو نہیں پر جاتی ہیں

اگر تم میدان کارزار میں آگے بڑھے تو ہم تمہیں اپنی آغوش میں لے لیں گی اور اگر تمہارے قدم پیچھے ہٹے تو ہماری راہیں الٹ ہو جائیں گی۔“

اور جب عام جنگ شروع ہوئی تو مجاہدوں کے شوق شہادت نے دشمن کی صفوں کو پلٹ دیا۔ ذوالفقار حیدر رضی اللہ عنہ نے بجلی کی طرح چمک چمک کر کفار کی آنکھوں کو تیرہ کر دیا۔ سابق صحابہ کے بیٹے، حضرت سید الشہداء امیر المؤمنین نے کھوار نے ظلمت پر ستوں کے لہرے لپٹا بیٹیاں بھجوائی اور حضرت محمد مصطفیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی نیاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو عطا کی۔ یہ عطا انہیں موت کے ہر اندہ پیشے سے بے نیاز کر گئی اور پھر ان کے آگے صفیں جیسے فگار کی لہریں تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریش پہا ہونے لگے اور مجاہدین مال قیمت کو کھینٹنے لگے۔

یہ نقشہ دیکھ کر تیر اندازوں کے دستے نے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا اور یوں جیتتی ہوئی جنگ، ہار میں بدل گئی۔ تیر اندازوں کا اپنے مقام سے ہٹ جانا محض ایک عسکری غلطی ہی نہیں تھی، بلکہ اس کا سلسلہ اہم تر سماجی و ثقافتی سے منسلک ہے۔ ان تیر اندازوں نے حکیم رسول ﷺ کو نہ مان کر معصیت کا ارتکاب کیا، پھر حرب زور فرسز پر غالب آگئی۔ اور پھر اس کا تعلق اس سے بھی تو ہے کہ ان کے دلوں میں نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے سلسلہ میں بھی ایک ہر گمان پیدا ہوا۔

①۔۔۔ نبی کریم ﷺ کی عسکری صورت اور اہمیت کے بارے میں پھر جرنل (سابق امراء کبرخان کی کتاب) (مجموعہ فیروز سنز) لہاتہ قابل ہے۔
②۔۔۔ حضرت عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں نے جگہ نہیں چھوڑی تھی۔

بن سکن ﷺ حضور ﷺ کی اس صدا پر کہ "آج مجھ پر کون جان بچھاؤ کرتا ہے۔" لہیک کہتے ہوئے دُن کی صفوں میں کھلتی چلا دی۔ اور جب زیاد بن سکن نے اپنی جان کا نذرانہ پیش رسالت ﷺ کے تحفظ کے لئے پروانہ درپیش کر دیا تو لوگ ان کے "لاش" کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں فرمان رسالت ﷺ کے تحت لائے۔ دینا سے جانے والے میں ابھی زندگی کی ایک یونہ باقی تھی آنکھیں کھولیں، اپنے لب، سرکارِ دو جہاں کے قدموں پر رکھے اور اس جہاں سے گزر گئے۔ کیسا عجیب تھا یہ سفر اور جسم سے روح کی یہ پرواز اور یہی وہ موقع تھا کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ نے ترش رسالت سے تیر نکال کے قریش کی طرف چلائے، اور اس والہانہ انداز میں کہ حضور ﷺ نے کہا "ہاں ہاں! احقر تم پر میرے ماں باپ قربان۔ یوں ہی تیر چلاتے رہوں۔" حضور ﷺ کا یہ جملہ سعد بن ابی وقاص ﷺ کی شفاعت و مغفرت کا پروانہ ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے دو ساتھی، جو آپ میں رحیم تھے اور کفار پر شدید، انسانیت کی بندی کے نشانات ہیں، مگر جب سرکار ﷺ سعد بن ابی وقاص ﷺ سے یہ جملہ کہہ رہے ہوں گے تو ان میں سے کون ہے جسے ان پر رشک نہ آیا ہوگا۔

اور جب کھرا اپنے زعم میں ایمان پر غالب آچکا تھا تو ابو سفیان نے ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر فرود گایا "اعلیٰ سلیٰ ہبل" (سر فرازیاں میل کے لئے ہیں)۔ اس نعرے کے جواب میں پہاڑیاں شخ محمدی ﷺ کے پروانوں کے اس غلطی سے گونج اٹھیں کہ "اللہ اعلیٰ من جمل۔" یوں جس وقت جنگ میں شکست ہو رہی تھی اس وقت بھی مقصد اور نظریہ کے اعتبار سے جماعت مؤمنین ہی سر فراز اور کامیاب تھی۔

غزوہٴ احد میں مسلمانوں کی یہ شکست بھی اللہ کی حکمت کا ایک نکتہٴ جلیل ہے۔ مسلمانوں کو حکیم رسول ﷺ سے سر تابی کی سزا ملی، اور یہ اعدان کے لئے عبرت کا باعث اور مشقتیں کی تعمیر کا ذریعہ بن گیا۔ سورۃ آل عمران میں اللہ عز و جل نے آیت ۱۵۲ سے آیت ۱۶۰ تک نہایت وضاحت سے غزوہٴ احد کے واقعاتی پہلو کا احاطہ کرتے ہوئے اس پر ایسا حکیمانہ تبصرہ فرمایا ہے۔ کہ یہ آیت قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا ثبوت ہے۔ ایک شکست خوردہ فوج کا سالار، چاہے وہ کتنا ہی عظیم اور کامل انسان ہو، اس انداز سے جنگ یا اپنی شکست پر تبصرہ کر ہی نہیں سکتا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّوهُمُ بِأُذُنَيْهِ ۖ فَحَتَّىٰ

إِذْ أَفْسَلْتُمْ وَتَسَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعُدَ مَا أَرُكُم مَّا نُحِبُّونَ ۖ مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۖ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۖ إِذْ تَضَعُونَ وِلَايَتَكُمْ عَلَىٰ آخِدِ وَالرَّسُولِ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَتَانَكُمْ عَمَّا بُعِمُ لِكَيْلًا تَحْزِنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۗ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْعَمِ أَمَنَةً نَّعْمًا يَعْصِي طَائِفَةٌ مِنْكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْحَاظِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كُنَّا لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَاتَلْنَا هَهُنَا ۗ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَبَسِطِ اللَّهُ مَافِي صُدُورِكُمْ وَيُخَفِّصْ مَافِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۗ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْفُتْحِ الْحَمْعَيْنِ ۗ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۗ تَابَ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّكِبُوا كَمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوا ۗ وَقَالُوا لِلْإِخْوَانِ هُمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غَيْرِي لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا ۗ لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكُمْ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ وَيُحْيِي ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۗ وَلَيْسَ قِتْلَتُمْ فِي

سَيَسْئَلُ اللَّهُ أُولَئِكَ لَمْ يَغْفِرْ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةً خَيْرٌ مِمَّا
 بِهِمْ مَعْمُودُونَ ۝ وَلَيْسَ مَعَكُمْ أَوْ فُتِنْتُمْ لَا إِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ۝
 فِيمَا رَحْمَةً مِنَ اللَّهِ لَبِثَ لَهُمْ ۝ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظًا
 لَفَلَقَبْتَ أَتَقَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْتَبُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ
 وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۝ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۝
 إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ إِنَّ بَصِيرَتُكَ إِلَى اللَّهِ فَالْغَالِبُ
 لَكُمْ ۝ وَإِنْ يَسْأَلُوكُمُ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ
 بَعْدِهِ ۝ وَعَلَى اللَّهِ قَلْبَتُوا كَلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

”اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے (خ) نصرت کا وعدہ کو سچا کر دکھایا تھا
 (یعنی) اس وقت جب تم (لوگ) کافروں کو اس کے علم سے قتل کر رہے تھے
 یہاں تک کہ (جو تم چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو دکھا دیا) مگر جب تم نے
 کفر وری دکھائی اور تم (رسول ﷺ) میں بھگڑا کرنے لگے اور اس کی نافرمانی
 کی، (کیونکہ) بعض تو تم میں دنیا کے پانے والے تھے اور بعض آخرت کے
 طالب تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انکہ کے لئے اپنی نصرت کو بند کر دیا
 اور پھر تم کو ان کفار سے بنا دیا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش فرمائے
 اور یقیناً جانو کہ جب اللہ نے تم کو کافروں کے مقابلہ میں پسا کر دیا تاکہ
 تمہاری آزمائش کرے۔ اس نے (اپنے کرم سے) تمہیں معاف کر دیا
 کیونکہ اللہ تعالیٰ مسؤنیوں پر بڑا افضل کرنے والا ہے (وہ وقت یاد کرو) جب تم
 دور بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو پلٹ کر دیکھتے بھی نہ تھے (کیونکہ اس کا بھی
 ہوش یا سہلت نہ تھی) اور رسول اللہ ﷺ تمہارے پیچھے کھڑے ہو کر پکار رہے
 تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو فخر پر تم پہنچایا (تاکہ تم کو یہ سبق ملے کہ) جو چیز تمہارے
 ہاتھ سے جاتی رہی یا جو مصیبت تم پر واقع ہو اس سے تم فکین نہ ہو اور اللہ
 تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ پھر اللہ نے اس فخر کے بعد تم پر تسلی
 نازل فرمائی (یعنی) نیند کر تم میں سے ایک جماعت پر تو اس کا غالب ہو رہا تھا اور

ایک جماعت دو تھی کہ ان کو اپنی جان کی فکر پر ہی تھی۔ وہ لوگ اللہ کے
 بارے میں غلط واقع خیال کر رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ بھلا
 تمہارے اختیار کی کچھ بات ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ بے شک اختیار تو سب
 اللہ ہی کا ہے۔ وہ لوگ اسکا ہاں اپنے دلوں میں بھانپتے ہوئے ہیں جو آپ
 کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کیسے ہیں کہ ”اگر (قیامت میں) ہمارا بھی کچھ
 اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔“ (اے رسول ﷺ!) ان سے فرما
 دیجئے کہ ”اگر تم اپنے گمراہوں میں بھی رہتے تھے بھی جن کی تقدیر میں مارا جانا
 لکھا تھا، وہ اپنی نفس کا ہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔“ اور یہ معاملہ جو پیش آیا
 یہ تو اس لئے تھا کہ تمہارا سے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ سے آزما لے، اور جو
 کھوت تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ دے۔ اللہ دلوں کا حال خوب
 جانتا ہے۔ ”تم میں سے جو لوگ (مقابلہ کے) دن جب (کافروں اور
 مسؤنیوں) کی دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں (جنگ سے) ٹوٹ
 پھیر گئے تو (اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے بعض اعمال کے سبب شیطان نے
 ان کو ٹھنڈا یا گرم پھر اللہ نے ان کو (اس لٹلٹی پر) معاف کر دیا۔ بے شک اللہ
 بڑا مغفرت کرنے والا بڑا عظیم ہے۔“ اسے ایمان والا و اتم ان لوگوں کی طرح
 مست ہو جانا جو کافر ہیں، جن کے عزیز و اقارب اگر کبھی سڑ پر جاتے ہیں یا
 جنگ میں شریک ہوتے ہیں (اور ان دشمنی یا کھل ہوتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں
 کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو ذمہ لے لیتے اور نہ مارے جاتے۔ اللہ اس قسم کی
 باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت و اندوہ کا سبب بنا دیتا ہے، ورنہ دراصل
 مارنے اور جاننے والا تو اللہ ہی ہے، اور وہ تمہارے اعمال پر نگران ہے۔ اگر تم
 اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا پھر جانو تو اللہ کی جو رحمت اور مغفرت تمہارے حصہ
 میں آئے گی وہ اس تمام مال و محتاج سے بہتر ہے جسے یہ لوگ جمع کرتے
 ہیں۔ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو پھر اللہ کے حضور میں جمع کئے جاؤ
 گے۔“ اے رسول (ﷺ) اللہ کی رحمت سے آپ کی القاطب ان لوگوں کے
 لئے زم زم واقع ہوئی ہے۔ اور اگر آپ تکبر و سخت طبیعت ہوتے تو یہ سب آپ

گیا۔ جواب دیا کہ "اسے جنت مہارک" مجھے تو تم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتاؤ۔ خبر دینے والوں نے کہا کہ "تو یقین ہو گئی۔" وہ مفید ہوئی۔ "میرا سہاگ دین کے راستے میں لٹ کر جاوداں ہو گیا۔ لوگو! تم نبی ﷺ کے بارے میں کیوں نہیں بتاتے۔" جب اسے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ بخیر و عافیت ہیں تو بے ساختہ اُمید لگ کر اٹھی۔ پھر ہادی برحق ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی کہ آپ ﷺ کو بتے ہوئے ہر بصیرت پہنچے ہے کحل مصیبت بعد کحل جلیل۔ اسی جملہ خوشی نعمانی نے اردو شعر کا قالب یوں عطا کیا ہے۔

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فردا

اسے شہد دین ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

غزوہٴ اُحد میں قریش کی خواتین کی شرکت اور رجز خوانی کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان عورتوں نے مسلمان شہداء کی لاشوں کے ٹکڑے کئے اور ان کے اعضائے جسمانی کو چبا کر اپنے انتقام کی آگ بجھائی۔ خواتین اسلام نے بھی غزوہٴ اُحد میں شرکت کی مگر اس شرکت کی ثواب اور شان ہی دوسری تھی۔ دونوں گروہوں کی خواتین کے کراڑے بھی ان جماعتوں کی خصوصیات کا تشخص کیا جا سکتا ہے۔

ایک طرف ہند، سید اُشد، اعزہ ﷺ کا کلبہ چبانے کی کوشش کر رہی تھی اور دوسری طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مٹکھیں سنبھالے زٹیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ مسلمان خواتین نے شہادت کے حیرت انگیز نمونے بھی پیش کئے۔ جب کفار کا دائرہ شیع رسالت ﷺ کے گرد لگ ہوتا جا رہا تھا اور کئی ہی مسلمانوں کے قدم اکٹڑ گئے تھے اور چند پرانے اس مشع کے گرد تھیلیوں پر اپنا سر رکھے باقی رہ گئے تھے تو ان جاں بازوں میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو کفار کی یلغار کو مردانہ وارائی کیلئے روک رہی تھیں۔



کے پاس سے مختصر ہو جاتے۔ سوان کو سحاف کر دیتے اور آپ ان کے لئے استغفار کر دیتے۔ اور خاص خاص باتوں میں ان سے مشاورت کر لیا کرتے۔ پھر جب (کسی کا مہکا) مزہم کھ کر لیجئے تو اللہ پر توکل کیجئے۔ بے شک اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے ہمدرد سے کام کرتے ہیں۔ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے۔ اور سچے مومن ہی ہیں جو اللہ پر توکل کرتے ہیں۔"

غزوہٴ اُحد میں کم و بیش ستر (۷۰) صحابی شہید ہوئے۔ آج بھی مدینہ سے تقریباً تین میل باہر شہداء کے آثار وقت کی گردش کو لٹا دیتے ہیں اور ہر قسم تصور کے سامنے اُحد کی پہاڑیوں پر وہ مٹھرا بھرا آتا ہے جب نبی کریم ﷺ کے گرد آئین پہاڑیوں پر چند جانداروں کا وہ حلقہ تھا جس نے نبی کریم ﷺ کے تحفظ کے لئے وہ جنگ لڑی کہ کفر کی طاقتیں پیچھے ہٹ گئیں۔ ایک مرحلہ پر تو آپ ﷺ کے گرد صرف گیارہ فدائی رہ گئے تھے جن میں علی مرتضیٰ ﷺ، صدیق اکبر ﷺ، زبیر بن العوام ﷺ، ابو دجانہ ﷺ، سعد بن ابی وقاص ﷺ اور حضرت طلحہ ﷺ شامل تھے۔ یہیں حضرت مزہم ﷺ شہید ہوئے اور وہاں سے ان کا کلبہ چنایا۔ انہیں شہیدوں میں حضرت عمرو بن ثابت ﷺ بھی شامل ہیں جو غزوہٴ اُحد کی صبح تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن ۱۳ شوال ۳ھ کی صبح جب ایمان و کفر ایک دوسرے سے تیرا آڑا ہوا ہے تو عمرو کے قلب میں سوا ہوا مسلمان جاگ اٹھا۔ انہوں نے نکل پڑھا، ہاتھ میں کلواری اور میدان جنگ میں اپنے ایمان کی آزمائش یوں کی کہ درجہ شہادت تک باہر اڑ پیچھے۔ حضور اکرم ﷺ پر اصلوفاً وہ اسلام نے فرمایا یہ وہ ہے جو ایک وقت کی فدا پڑھے بغیر ہی جنت میں پہنچ گیا۔"

ع طے شود جاہدہٴ صد سالہ پآ ہے گا ہے

جبکہ اُحد نے جاں نثاری اور حب رسول ﷺ کے جن واقعات کو جنم دیا وہ ہمیشہ ہمارے دلوں کو شہاد کرتے رہیں گے، اور آج ان بیٹانوں کے مطابق ہم جب اپنے ایمان کو ناپتے ہیں تو اپنے ہلکے پن کا احساس وہ چند ہو جاتا ہے۔

ایک انصار خاتون کو لوگوں نے آنکر اطلاع دی کہ تیرا باپ شہید ہوا۔ بولی "اللہ مغفرت فرمائے۔ تو بتاؤ کہ سر کار وہ عالم ﷺ کیسے ہیں؟" لوگوں نے کہا کہ تیرا بھائی بھی دنیا سے گزر

أحد سے احزاب تک

تاسیس ریاست کے ذریعہ ان مدینہ آنے کے بعد یہودیوں کے ساتھ بلائے باہمی کے معاہدوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ان معاہدوں کے تحت یہودیوں کو مکمل معاشرتی، تجارتی اور مذہبی آزادی عطا فرمائی تھی، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی حیثیت سے اللہ کا پیغام ان یہودیوں تک پہنچانا بھی آپ ﷺ کا فرض تھا۔ بنی اسرائیل کے واقعات اور ان کی اخلاقی و فنی تبدیلیوں کا ذکر کہیں اجمالاً نہیں تفصیلاً قرآن حکیم میں بار بار ملتا ہے۔ ●

قرآن حکیم نے واضح طور پر عیس تپایا ہے کہ اقوام عالم کی امت کا منصب بنی اسرائیل نے کس طرح کھویا۔ یہ اللہ کے حکام کو بدل دیتے، تھا کن کو جانے کے بعد اس سے انکار کرتے، اللہ کے نبیوں کو قتل کرتا یا ان کی تکذیب کرنا ان کا شیوہ تھا۔ اور خود اس زمانے میں جب اللہ کی وحی مدینہ میں نبی اکرم ﷺ پر نازل ہو رہی تھی مدینہ کے یہود حرم، سود خوری، بدکاری جیسے امراض اخلاقی میں شدت سے مبتلا تھے۔

بات سہلیں تک محدود نہ رہی۔ یہود نے ان معاہدوں پر کبھی ایک شریف فریق کی طرح عمل نہیں کیا۔ وہ اپنے دائرہ میں اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر کوشش کرتے رہتے۔ نبی اکرم ﷺ سے جب ملتے تو السلام علیک کی جگہ السلام علیک کہتے یعنی "تھہ پر موت (بربادی) آئے۔" حضور ﷺ تنہائی محل سے کام لیتے ہوئے زیادہ سے زیادہ علیک کہہ دیتے، یعنی "تھہ کو" اسی کے ساتھ ساتھ یہود تنہائی چالاک سے اوس و خورج کی پرانی عداوتوں اور دشمنیوں کو چگانے کی کوشش کرتے۔ وہ دشمنیاں جو اسلامی اخوت و محبت کے پیدا ہونے کے بعد ماضی کی کہانیاں بن گئی تھیں۔ اتنا تو یہ ہے کہ اصحاب رسول ﷺ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں رات کے اندھیرے میں نبی اکرم ﷺ پر حملہ نہ کر دیں، اسی لئے وہ بہت محتاط رہتے اور کوشش کرتے کہ نبی ﷺ رات کو کسی کام سے باہر تشریف نہ لے جائیں۔

● ... دہے بنی اسرائیل کی کہانی ماضی کا حصہ نہیں، یہ ایک دہاں میں یہود اس کے تاریخی کو چمکنے کے لئے زندہ کرنا ہے اور ان کا فنی اسرائیل کی تاریخ ۱۵۱۰ء تا ۱۵۱۰ء ہے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

حیات محمد ﷺ قرآن حکیم کے آئینے میں

یوں وہ اپنے مکانوں کو خراب کر دیتے تھے۔ جو سامان ساتھ نہ لے جا سکتے اسے بھی توڑ پھوڑ دیتے تاکہ مسلمان ان مکانوں میں نہ روکن۔ یوں اللہ نے بن نسیئر کا غرور خاک میں ملایا۔ ان میں سے بعض خبیث کی طرف چل دیئے اور دوسروں نے شام کی راہ لی۔

سورۃ ابھشر میں بنی نسیئر کے خلاف اسی غزوہ سے متعلق کئی اہم نکات اور تعلیمات ہمیں ملتی ہیں۔ سورۃ حبشہ کی دوسری آیت میں بنی یہودی کی اس جلاوطنی کو "اول ابھشر" کہا گیا ہے۔ ●

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكُتَيْبِ مِنْ دِيَارِهِمْ
لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَن يَخْرُجُوا وَظَلَمْنَا لَهُمْ مَا يَتَخَفُونَ
حُصُوفَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَانْتَبَهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا
وَقَدَّ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ
وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ

"وہی تو ہے جس نے (ان) منکر اہل کتاب (بنی نسیئر) کو پہلی بار نکاح کرنے (حش اول) کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا۔ تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور (خود ہی) بچھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں سے آگیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں (ایسی) کہشت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور دوستوں کے ہاتھوں سے بھی اجاڑنے لگے۔ سو اسے عبرت والو! عبرت حاصل کرو۔" (سورۃ ابھشر: ۵۱ آیت ۲)

اس ایک آیت کے دامن میں واقعہ ہی نہیں بلکہ فریقین کے گھر اور سوچ کے کئی پہلو مت آئے ہیں۔ ایک طرف یہودیوں کے قلعوں، ان کی مضبوطی اور اپنے ساز و سامان پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ بے سروسامان جماعت خود انہیں ان کے قلعوں کے دروازوں پر آکر لٹکا کرے گی۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ بے سروسامان گروہ، ان کی بد اعمالیوں کی سزا کے سلسلہ میں "اللہ کا ہاتھ" ہے اور اللہ اپنی مشیت کو ان لوگوں کے ذریعہ عمل کے قالب میں

غزوہ بدر کے بعد بنی قریظہ کے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں سے جنگ کا آغاز کیا۔ حضور ﷺ نے اپنے رشتے طہیل رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس قبیلے کا محاصرہ کیا۔ پندرہ دن کی قلعہ بندی کے بعد یہودی نے ان کی درخواست کی جسے رحمة للعالمین ﷺ نے منظور فرمایا، اور اپنا یہ کہ یہودی کے کہنے سے منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بنی کا بیٹا کو بھی تسلیم کر لیا۔ ثالث کے قبیلے کے مطابق اس قبیلے کو جلا وطن کر دیا گیا۔ اس غزوہ کی تاریخ شوال ۶ھ ہے۔

غزوہ اُحد میں مسلمانوں کی "فکست" نے ان یہودی اور اسلام کے دوسرے دشمنوں کے دلوں میں چھپی ہوئی اسلام دشمنی کو جیسے نئی زندگی دی اور وہ "اسلام" کو ہمیشہ کے لئے "کھلے" پر آمادہ عمل ہو گئے۔ یہ حالات سخت ضرور تھے۔ مگر اس جماعت کے لئے نہیں جس نے اُحد کی فکست کے بعد ہی ہادی برحق ﷺ کی قیادت میں فاتح حرم و فتح کائنات کیا، اور ثاقب نے دشمن کی واپسی کے ارادوں کو پست کر دیا۔ پھر بنی اسد نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کیں۔ ان کی پیش قدمی سے پہلے ہی مسلمانوں کے لشکر نے انہیں جلا لیا اور وہ اپنا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

لیکن کفر کی یہ سازشیں جاری رہیں۔ یہودیوں کے دوسرے قبیلے بنی نسیئر نے ربیع الاول ۶ھ میں نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ یہ قبیلہ مدینہ سے چار پانچ کوس کے فاصلے پر رہتا تھا اور اسے اپنے قلعے کی مضبوطی پر بڑا ناز تھا۔ اس قبیلے کے لوگ مشرکوں کی مدد کرتے تھے۔ یہ لوگ بہت ساز و سامان، دشمنی اور جگہ کے باغات رکھتے تھے۔ ان کی سازش جب بے ثواب ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا، لیکن عبداللہ بن ابی نے انہیں آسایا کہ ہرگز مدینہ نہ چھوڑنا۔ میرے دو ہزار مسلح اور تیرہ کار سپاہی تمہاری پشت پر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ جنگ چھڑنے سے بنی قریظہ اور نجد کے لشکر تمہاری مدد کے لئے آتے ہیں گے۔ عبداللہ بن ابی کی مشہور بنی نسیئر نے اپنے قلعہ اور علاقے چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ دس دن کی مدت ختم ہونے پر حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا، اور آخر وہ جلاوطنی پر آمادہ ہو گئے۔ "حش اول" سے یہاں جلاوطنی مراد ہے۔ ان لوگوں کو اس بات کی اجازت بھی دی گئی کہ جن چیزوں کو وہ اونٹوں پر لاد کر اپنے ساتھ لے جائیں، لے جائیں۔ اس پر انہوں نے ایشیائے خوردی کی ضرورت کے علاوہ کانوں کی کنگڑیوں اور ستونوں کو بھی اکٹھا کر شروع کر دیا۔

● دوسرا غزوہ ہے جب یہود نے بنی نسیئر کے بنی نسیئر کے ہاتھوں میں شام کی طرف تارنے کے لئے کام کو "اول ابھشر" کا اصطلاحی نام دیا جاتا ہے، کیونکہ اسے آخری مشرک بھی نہیں ہے۔

ڈھالے گا۔ اور دوسری طرف خود مسلمان یہ نہ سوچ سکتے تھے کہ زمین میں اس طرح اپنی جڑیں بیوست کرنے والے یہودیوں کا ہمسارہ سے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیں گے اور باور ایمان کے ایک جھوٹے سی سے یہود کے اقتدار کا یہ تناور درخت زمین پر آ رہے گا۔

نبی اکرم ﷺ کی عسکری قیادت بھی آپ ﷺ کی سیرت کے دوسرے پہلوؤں کی طرح کامل ترین تھی۔ آپ اللہ کے نور سے دیکھتے تھے۔ ہونٹیں بھریں گلوں کو درختوں کی قطاروں اور جمنڈوں نے بہت مضبوط بنا دیا تھا۔ اس سے ایک طرف تو مسلمان آگے نہیں بڑھ سکتے تھے، دوسری طرف یہودی سرگرمیاں ان کی آنکھوں سے اور جمل زمین، اور پھر کھلی اور میدانی جنگ ان درختوں کی چید سے ممکن نہ تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان درختوں کے ایک حصہ کو کٹوا دیا تاکہ تلخ دالوں کی سرگرمیاں بالکل پریشیدہ نہ رہ سکیں، اور انہیں دوسرے فوجی فوائد حاصل نہ ہو سکیں۔ ویسے عام حالات میں اسلامی لشکر نے کبھی درختوں کی کھیتوں کو توڑا، نہ کاٹا، اور نہ ان میں آگ لگائی۔ اس فزودہ میں ان درختوں کا تعلق عسکری منصوبے سے تھا۔

وَلَوْلَا اَنْ كَسَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْحِلَالَ لَعَذَّبْنٰهُمْ فِي الدُّنْيَا
وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا نَكَّبُوْا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ۝ وَمَنْ يُنْكَبِ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
مَنْ اَقْبَلَ عُنُقَهُمْ مِّنْ لَّيْنَةٍ اَوْ رَزَحْنُوْهَا فَاَیْمَةٌ عَلٰی اَصْوَابِهَا
فَيَاْذَنُ اللّٰهُ وَيُخْرِی الْفٰسِقِيْنَ ۝

اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ چکا تو ان کو دنیا میں بھی (کھلی کی سزا) بوجہ ارتداد سے ان کے آگ کا عذاب (تیار) ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے اور جو سمجھوں کے حق سے کھٹنے کاٹ ڈالے یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑے رہنے دیا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور قصود یہ تھا کہ وہ کافروں کو رسوا کرے۔ (سورہ بقرہ، آیت ۵۵-۵۴)

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مدینہ پر بنی قحطان کے حملہ کو روکنے کے لئے پیش قدمی فرمائی۔

جب اسلامیوں کا لشکر ذات الرقاق پہنچا، تو بنی قحطان کے سپاہی نقش حیرت بن گئے اور جب حیرت کا علم پڑا تو بے تہمتی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے اور نوافی پہاڑیوں میں بکھر گئے۔ بنو نضیر کی فتح کے بعد اس فتح سے بھی مسلمانوں کو بہت مال غنیمت ملا۔ اور یوں مدینہ کے معاشرہ کی معاشی حالت بہتر ہو گئی۔ انصار پر مہاجرین کی ذمہ داری کا جو بوجھ تھا وہ ختم ہونے لگا۔

جنگ احد سے لے کر اپنی فتح کے نشے میں سرشار اور یوسفیان نے یہ نعرہ لگایا تھا کہ "اگلے سال بھر بدر کے میدان میں" اور نبی اکرم ﷺ نے اس کے جواب میں ایک صحابی سے کہلوا دیا "ٹھیک ہے" شعبان ۳ھ میں سرکارِ دو عالم اور اللہ کی فوج کے سپہ سالار اعظم ﷺ پندرہ سو شہادت کے نشیخے چھاپیوں کے ساتھ بدر پہنچ گئے۔ ابو یوسفیان مکہ سے تو کھل بڑا کھڑا دی قاطر سے آگے قدم نہ بڑھے۔ نبی کریم ﷺ نے انھوں کے انتظار کے بعد مدینہ مراجعت فرمائی۔

رتج الاول ۵ھ میں حضور ﷺ نے عرب و شام کے سرحدی مقام الجوف کی طرف پیش قدمی فرمائی تاکہ اس اہم تجارتی شاہراہ کو ان لٹیروں اور ڈاکوؤں کی دست برد سے محفوظ کر دیا جائے جن کا صدر مقام بھی جہلی تھی۔ الجوف (قدیم نام دومۃ الجندل) کے گھیرے قبیلے مقابلہ کے بغیر یہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

ان پیش قدمیوں اور مدائیر نے احد کے بعد اسلام کی طاقت کو پھر محکم کیا، اور یوں کہ کنزری طاقتوں نے اس طاقت کے خلاف تیرا ڈرمانی کے لئے اپنی تمام قوتیں جمع کرنی شروع کر دیں، اور اس طرح فزودہ احزاب کی بنا پڑی۔

علامہ شیخ نعمانی نے فزودہ سرسبیغ (فزودہ بنی مصطلق) کو فزودہ احزاب سے پہلے کا واقعہ قرار دیا ہے۔ لیکن بہت سے تاریخی فرماہین اور واقعات کی شہادت کے مطابق محمد ابن اسحاق کی یہ روایت درست معلوم ہوتی ہے کہ فزودہ بنی مصطلق ۶ھ فزودہ احزاب کے بعد پیش آیا۔ ان واقعات و قرآن میں واقعہ اکتس کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔



- صحیح بخاری کے مطابق فزودہ احزاب کے بعد ہوا
- تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں القرآن، جلد سوم، صفحات ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸ (ترجمہ سورہ بقرہ)

غزوة احزاب

۵۰ ہجری میں غزوة احزاب پیش آیا۔ اردو میں اسے عام طور پر غزوة خندق کہتے ہیں۔ یہ دونوں نام اس جنگ کے دو مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس جنگ میں کفر کی تمام طاقتیں اور گروہ مسلمانوں کے خلاف ایک مرکز پر جمع ہو گئے تھے۔ "غزوة احزاب" کا نام بھی اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ اور چونکہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے سے اس غزوة میں مدینہ کی حفاظت کے لئے خندق کھودی گئی تھی، اسی لئے اسے غزوة خندق کا نام بھی دیا گیا۔

غزوات سے متعلق گزشتہ دو ابواب میں مختصراً جو کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ اس سے پوری طرح یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ کفر کے جھگڑا اسلام کے چراغ کو بجھانے کے لئے مسلسل بڑھتے رہے، لیکن اللہ کے نگہبان ہاتھوں نے اس کی تمام کائناتی قوتوں کے ساتھ چراغ کو روشن رکھا۔ مدینہ کے یہودی مسلسل شرارتوں اور سازشوں کی طرف گزشتہ سطور میں اشارے کئے گئے ہیں۔ غزوة بدر میں اسلام کی فتح نے یہودی دشمنی کو اور آشکار کر دیا اور وہ ان تمام معاہدوں کو بھول گئے، جو بتائے یا نبی کے لئے نبی اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ کئے تھے۔ ویسے یہ بات متوقع تھی، کیونکہ یہودی تاریخ و روایات اور کردار اس پر شاہد ہیں کہ وہ انبیائے کرام کو قتل کرتے رہے، ان کی تکذیب کرتے رہے اور زمین پر فساد پھیلاتے رہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ بھی ان کا رویہ یہی تھا۔ قرآن حکیم نے یہود کے برتاؤ اور ان کی سازشوں کو دو مختصر آیات میں یوں سیٹ لیا ہے۔

إِنَّ شَرَّ الدِّينِ أَدْبَعُ الدِّينِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ
الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فَبِمَا كَفَرُوا
مَرَّةً وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ

"بلاشبہ بدترین دین ان کے نزدیک ہے کہ ان لوگ ہیں تو یہ کسی طور ایمان نہ لائیں گے جن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ ان سے (کئی بار) عہد لے چکے

Toobaa-elibrary.blogspot.com

جس نگر بھر بھی وہ ہر بار (اور ہر موقع پر) اپنا عہد توڑتا ہے۔ میں اور وہ (عہد
فہمی سے) باز رہتے ہیں۔" (۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵ آیت ۵۶-۵۷)

یہود نے معاہدہ تو کر لیا تھا مگر وہ غزوہ بدر سے پہلے ہی قریش کے ساتھ خفیہ رابطہ قائم کر چکے
تھے۔ بدر میں قریش کی شکست کے بعد یہودیوں کا ایک رئیس اور رہنما کعب بن اشرف نام
کرتے ہوئے چلا اٹھا کہ "آج زمین کا پیٹ ہمارے لئے اس کی پیٹنے سے بہتر ہے۔" وہ اس
شکست کی دیکر ہمت کو ترجیح دیتا تھا۔ کعب شاعر بھی تھا اور ایسا شاعر جو لوگوں کے جذبات میں
بیگان پیدا کر سکتا تھا۔ اس نے کشمکش بدر کے مہے کیے اور ان کے پر سے کیلئے مکہ گیا۔
واپسی پر اس نے یہاں تک جسارت کی کہ مدینہ کی اسلامی سلطنت کے نواح میں بیٹھ کر اس نے
برتا اور اعلان یہ غرضی آدمی ﷺ سے متعلق جو یہ شہر کہنے شروع کئے۔ پھر اس نے ذات رسالت
آب و گوشت پیدا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو اسے بغاوت کے جرم میں
قتل کر دیا گیا۔

یہ بات ایک فرقہ گندھم و محدود تھی۔ یہود مدینہ نے مسلمانوں کی حسرت کو یہاں تک لاکا را کہ
مسلمان عورتوں کی روانے ناموں کی طرف ہاتھ بڑھانے کی جرأت کی۔ مدینہ میں قتل عام کا
محاصرہ وہی سلسلہ میں کیا گیا تھا۔

قریش تکہ کی اسلام دشمنی کے سلسلہ میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جب مدینہ کے
یہودیوں کے ایک بڑے حصہ کو جلا وطن کیا گیا تو یونٹیسر کے بااثر رہنما اور اکثریت نے خیبر میں
قدم جمائے۔ ان لوگوں نے قریش سے رابطہ قائم کیا۔ ایک بڑی عسکری منصوبہ بندی
(GRAND STRATEGY) کی تصویلات کے نتیجے میں، یونٹیسر کے ممتاز افراد
سلام بن العقیق، حجاج بن اخطب وغیرہ مکہ معظمہ گئے۔ وہاں سے واپسی پر مختلف قبائل کا دورہ کیا
اور انہیں سمجھایا کہ یہی وقت مسلمانوں پر ایک فیصلہ کن حملے کا ہے۔ درندہ مسلمان ہر آنے والے
دن کے ساتھ زیادہ طاقتور ہوتے جائیں گے۔ ان لوگوں نے غطفان کے قبیلے کو اپنے ساتھ
ماننے کے لئے خیبر کے آدھے حصے حاصل کی ادائیگی کی پیشکش کی۔ اس طرح بنو اسد، بنو سعد اور بنو
سلم وغیرہ دوسرے قبیلے بھی ان کے حلیف اور اتحادی بننے گئے۔ یوں مختلف قبیلوں کے لشکر
ایک حصہ و کمان کے تحت آگئے۔ اس حصہ و کمان کا سالار اعظم ابو سفیان تھا۔ اس لشکر کی مجموعی

تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی۔ اتنا بڑا لشکر عرب میں اس سے پہلے قابل کسی بھی موقع پر جمع نہیں ہوا تھا۔
مشرکین عرب کی تمام تیار یار کی خبریں نبی اکرم ﷺ کو براہِ عمل رہی تھیں۔ اللہ اپنے رسول
ﷺ کو کس طرح باخبر رکھتا ہے، یہ بات ہمارے دائرہ اور ادراک سے ماورا ہے، لیکن چونکہ رسول
ﷺ کے اعمال کا اس کی امت سے گہرا تعلق ہوتا ہے اسی لئے یہ نکتہ سامنے رکھنا چاہئے کہ سرکار
مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خبریں مختلف ذرائع سے مل رہی تھیں۔ ان خبروں کے پیچھے والوں
میں ان قبیلوں کے وہ لوگ بھی تھے جو اپنے طور پر اسلام قبول کر چکے تھے، یا اس دین سے متاثر
ہو چکے تھے، اور خود نبی کریم ﷺ خبریں حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو اطراف میں بھیجا
کرتے تھے۔ جب مشرکین کی تیار یاروں کی پوری اور صدقہ الاملاعات مل گئیں تو آپ ﷺ نے
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کو گونے
کی رائے دی۔ یہ عسکری تدبیر اہل عرب کے لئے بالکل نئی چیز تھی، اور شہر کے محفوظ رکھنے کے
لئے نہایت مؤثر۔ پھر احد کے تجربے کے بعد شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا سوال نہ تھا۔

مدینہ پر شمال مغربی سمت ہی سے حملہ کیا جاسکتا تھا، اسی لئے اس جانب سے خندق کی کھدائی
شروع کی گئی۔ یہ وہی رخ تھا جہاں سے شام کے لئے تجارتی قافے گزرتے تھے۔ جنوبی رخ
گئے بغاوت اور مشرقی رخ لاونے کی چٹانوں کی وجہ سے محفوظ تھا۔

وہ معمار اعظم جس نے صحیحہ قبائر مسجد نبوی کی تعمیر میں عملی طور پر حصہ لیا تھا اور پتھر اٹھانے
تھے، آج پھر اپنے عین جہاز رفیقوں کے ساتھ خندق کی کھدائی میں مصروف تھا۔ اسلامی ریاست
کے دفاع میں اللہ اسلام کا سالار اعظم ﷺ عام مسلمان کی طرح مصروف تھا، بلکہ عام مسلمانوں
سے کہیں زیادہ مشقت اس نے اپنی جان کے لئے جانی تھی۔ ۸ ذی قعدہ ۵ھ ہجری کو
آنحضرت ﷺ نے خندق کی حد بندی کی۔ یہ خندق جس کی گہرائی چندہ فٹ رکھی تھی، شہلی کے
بتوں میں دن میں عمل ہوئی۔ لیکن دوسری تاریخی شہادتوں کی بنا پر اللہ کے رسول ﷺ اور اس
کے رفقاء نے صرف چند دن میں یہ دفاعی خطہ زمین کے سینہ میں چندہ فٹ کی گہرائی تک کھینچ دیا
تھا۔ یہ تھی وہ جماعت جس کے عمل بھی مشرکین کے لئے ہتھیارے کی مثال حیرت انگیز اور حیران
کن تھے۔ اور وہ بھی کس عام علم پر؟ رسد اور اجناس کی کمی کی وجہ سے اللہ کے ان سپاہیوں کے
پیٹ پر پتھر بندھے تھے تاکہ قدرتی تنظیم کی صورت میں پیٹھے پر ایں اور جھکاؤ نہ پیدا ہو۔ اور پیٹ پر

بھی کسی میں اتنی جرات نہ تھی کہ ہم سے فرخن طلبی کرتا۔ اور اب تو ہم مسلمان ہیں۔ صرف اللہ کے حکوم۔ اب کس میں اتنی جالی ہے کہ ہم سے باج لے سکے۔ ہمارے اور ان کے درمیان صرف کوار فیصلہ کرے گی۔" یہ سن کر قلب نبوت کو سکون ملا اور گوشائے چشم میں آنسوؤں کے ستارے چمکنے لگے۔ وہ ستارے جو سرت کے پیاپی تھے۔ اور پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے معاہدے کے مسودے کو چاک کر دیا۔

تین طرف سے مدینہ پر حملہ کیا گیا اور یوں کہ "زمین دہلی ٹھہری"۔ جس دن عام جنگ شروع ہوئی تو ایک مقام پر جہاں خندق زیادہ چوڑی نہ تھی قریش کے کچھ مشورہواروں نے خندق کو عبور کر لیا لیکن موت ان کا مقدر تھی۔ یہ حال اب ایک سخت دن تھا۔ مسلسل تیر برس رہے تھے اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی حملی سختی کے اندازے کے لئے صرف یہ بات کافی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی چار نمازیں نفا ہوئیں، جبکہ میدان جنگ میں نماز نفا ادا کی جاتی ہے اور سرت قبلہ کی شرا بھی نہیں ہوتی۔

یوں محاصرہ کو کچھ دن گزر گئے۔ اس مدت میں موسم کی سختیاں کنارے کے لئے عذاب بن گئیں۔ پھر رسد کی کمی۔ اس پر اضافہ کیجئے اس انسانی حقیقت کا کہ جو موقع پرست قریش کے آکسانے پر اس معرکے میں شریک ہوئے تھے ان کی موقع پرستی نے اب ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ قریش سے بدول ہوئے گئے۔ پھر قریش و یہود میں اسلام دشمنی کے علاوہ اور کیا چیز مشرک تھی؟ حکیم بن مسعود جو قبیلہ غطفان سے تعلق رکھتے تھے، در پردہ مسلمان ہو چکے تھے، انہوں نے اپنی سیاست سے بنو قریظہ اور قریش کے درمیان شکوک اور شہادت پیدا کر دیے جو جنگ کے دوران بہت فحشی کے لئے کافی تھے۔

سورج طلوع ہوتا رہا اور ڈوبتا رہا۔ محاصرہ کو کچھ دن گزر گئے اہل ایمان نے اپنی استقامت کا پورا پورا ثبوت دے دیا۔ اب مسکرائی اور جود الہی کی باری تھی۔ مسلمانوں نے اپنے آپ کو نصرت الہی کا مستحق ثابت کر دیا۔ اور بھراہیک رات اللہ کا لشکر آج بھی کی صورت میں قریش و یہود اور ان کے پیغمبروں پر ٹوٹ پڑا۔ آج بھی کے جلو میں کڑک اور دیکھی کی چمک کے دستے تھے اور سردی کی فوج نے دشمن کے قلب میں لرزٹ پیدا کر دی۔ اندھیرے نے گور یادہ دست کی خدمات انجام دیں۔ حیرت آج بھی میں جیموں کی مٹا بنا آکر گئیں۔ افراتفری کا وہ عالم پیدا ہوا کہ

کوئی بھی اپنے آپ کو کسی کے مشورے یا حکم کا پابند نہیں سمجھ رہا تھا خوف کا غلبہ ایسا شدید ہوا کہ راتوں رات یہ منظم لشکر بے ترتیب بھگڑوں کے ہجوم میں بدل گئے اور جب صبح ہوئی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ میدان صاف ہے۔ اور اس وقت یہ آواز اُبھری۔

"اس سال کے بعد اب قریش والے تم پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ اب تمہارے لشکران کی طرف پلٹا کر کریں گے۔"

یہ امین و صادق ﷺ کی آواز تھی۔ وہ آواز جو وقت کے پردوں کو چاک کر کے مسلمانوں کو مستقبل کی چہرے کی زیارت کرا رہی تھی۔

سورۃ الاحزاب کے دوسرے اور تیسرے رکوعوں میں غزوة الاحزاب کو اللہ تعالیٰ نے اس انداز سے پیش کیا ہے، جو اللہ کا حق اور اسلوب ہے۔ ایمان میں تحصیلات کے فرائض اور واقعاتی پیش کش کے ساتھ رہائی تبصرے، اور دلوں کے رازوں کو سامنے لاتے ہوئے منافقوں کی گرفت اور اتمام حجت۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَاۤءَكُمْ
جُثُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ط وَ سَخَانَ
اللّٰهِ يَمَّا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا اِذْ جَاۤءَكُمْ وَّكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ
اَسْفَلِ مِنْكُمْ وَاِذْ رَاغَبْتِ الْاَنْبَاۤءَ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبَ الْحَنَابِرَ
وَتَنْظُرُوْنَ بِالْاَلۡبَاۤءِ الْقُلُوْبُ نَاهِ اَنْ يَّسۡلِكَ اَنْ يَّسۡلِيَ الْمُوْمِنُوْنَ
وَزُلۡزِلُوْا رِزۡلًا اَشَدَّ بِنۡدَاۤءِ وَاذۡ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۙ اِلَّا غُرُوْرًا ۝
وَ اذۡفَاكًا ط طَلَبۡتُمْ مِّنۡهُمۡ مَّا هَلۡ يَنْبَغُ لِمَقَامِكُمْ
فَاَرۡجِعُوْا ۝ وَ مَسۡتَافِذۡنِ فَرِيْقٍ مِّنۡهُمۡ النَّبِيُّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ
يَبۡيُوْتَنَا غَوْرَةٌ ۙ وَ مَا هِيَۙ بَعۡزَةٌ ۝ اِنَّ لِّمُؤْمِنِيْنَ اِلَّا اَفۡاۤءًا ۙ وَ لَوۡ
ذُجِّلَتۡ عَلَیْهِمْ مِّنۡ اَفۡطَارِهَآ لَمۡ يَسۡئَلُوْا الْفِيْئَةَ لَآ تَوۡخَاۤءُ مَا

تَلَبُّوا بِهَا إِلَىٰ مِيسِرًا ۖ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا ۗ وَاللَّهُ مِنْ قَبْلِ
 لَأَمْلِكُونَ الْأَذْنَ بَازًا ۖ وَحَسْبَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۗ قُلْ لَنْ
 يُنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذْ لَا
 تُنْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۗ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَنْصِبُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ
 أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۖ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ
 مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۗ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمَعْوِفِينَ
 مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمْ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ
 إِلَّا قَلِيلًا ۗ أَيْحَاقُ عَلَيْكُمْ ۚ قِيَادًا حَسَبَ الْخَوْفِ رَأَيْتَهُمْ
 يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ
 الْمَوْتِ ۚ قِيَادًا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَفًا ۗ كُمْ بِالْبَيْتِ حِزَابٍ
 أَيْحَاقُ عَلَى الْخَبِيرِ ۚ أَوَلَيْكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَاحْبِطْ اللَّهُ
 أَعْمَالَهُمْ ۚ وَحَسْبَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ مِيسِرًا ۗ يَحْسَبُونَ
 الْأَحْزَابَ لَمْ يَدْهَبُوا ۚ وَإِنْ بَيَّتَ الْأَحْزَابُ يَوْمَئِذٍ
 لَأَوَاتِيَهُمْ بِنَادُونَ فِى الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَاءِكُمْ ۚ
 وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ۗ

”اے ایمان لانے والو! اللہ تعالیٰ کا (دو) انعام اپنے اوپر یاد کرو جو (ابھی
 ابھی) اس نے تم پر کیا ہے، جب تم پر فوجیں چڑھ آئیں تو تم نے ان پر ایک
 (سخت) آندھی بھیجی اور ایسے لشکر (نازل کئے) جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اللہ
 تعالیٰ تمہارے اعمال کو کچھ ہاتھ، جب وہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے تم پر چڑھ
 آئے تھے اور جب کہ تمہیں کسی کی کھلی رو نہیں تھی اور پھیلے منہ کو تھے تھے اور
 تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ (ہاں یہ وہ وقت
 تھا جب ایمان والے خوب آزمائے گئے اور وہی طرح جا ہادے گئے۔

”یاد کرو وہ وقت) جب کہ منافق اور دل کے روگ میں جہلا (صاف
 صاف) کہتے تھے کہ ”اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے جو وعدے کئے
 تھے وہ غریب کے سوا کچھ نہ تھے اور ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ ”اے
 جبر و الواتہا ہمارے لئے اب ظہر کرنے کا موقع نہیں سو پلٹ جاؤ“ اور ان
 میں سے ایک گروہ نبی ﷺ سے یہ کہہ کر (رخصت ہونے کی) اجازت مانگتے
 لگا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں (اور خطرے میں ہیں) حالانکہ وہ خطرے
 میں نہیں تھے، وہ لوگ تو (دراصل عمارت جگہ سے) ہمارا نکالنا چاہتے تھے، ہر گروہ
 کے اطراف سے ٹرس ٹرس آئے ہوتے اور اس وقت ان لوگوں کو ہنسنے کی
 طرف دعوت دی جاتی تو یہ لوگ شریک بنتے ہو جاتے اور انہیں مشکل ہی سے
 اس باب میں کوئی نامل ہوتا، حالانکہ ان لوگوں نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ
 سے عہد کیا تھا کہ پیڑ نہیں پیڑیں گے اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس
 کی بازگشت ہوتی ہے۔ (اے نبی ﷺ) آپ فرمایا بیٹے کہ اگر تم موت پاؤ گے
 ہمارے ہوتے تو یہ فرار تمہارے لئے کچھ بھی فائدہ مند نہ ہوگا اور اس حالت میں
 زندگی سے لطف اندوز ہونے کا تمہارا ہی موقع تمہیں مل سکے گا، یہ بھی
 فرمایا بیٹے کہ اللہ تعالیٰ تم کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو کون تم کو اس سے بچا سکتا ہے؟
 یا اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے تو کون اس کی رحمت کو روک سکتا ہے اللہ تعالیٰ
 کے مقابلے میں تو یہ لوگ کوئی حافی و دہکا نہیں بنا سکتے۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے
 ان لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو (لوگوں کو جنگ میں شرکت سے) منع
 کرتے ہیں (اور لوگ دوش ڈالتے ہیں) اور اپنے (نسل یا فشی) بھائیوں سے
 یوں کہتے ہیں کہ ”آؤ ہماری طرف“ یہ لوگ لڑائی میں حصہ لیتے ہیں تو بس
 نام نکالنے کو اور تمہارا ساتھ دینے میں قفل (اور پہلو تھی) کرتے ہیں سو جب
 خطرے کا وقت آتا ہے تو اس طرح وہ بے ہنگام پرا کر تمہاری طرف دیکھتے
 ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو چکی ہے جب وہ خوف دور ہو جاتا ہے تو تیز
 زبانوں کے ساتھ تمہارے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں اور مال میں
 بھگت کرتے ہیں (اور فائدوں کی طلب کرتے ہیں)۔ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں

لائے مہاشی لئے اللہ نے ان کے سارے اعمال بیکار کر رکھے ہیں۔ اور یہ اللہ کے نزدیک بہت آسان ہے۔ یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ آور ابھی گئے نہیں ہیں اور اگر (بالفرض) یہ (گئے ہوئے) لشکر (بجراوت کر) آجائیں تو (بکھر) تو یہ لوگ (اپنے لئے) یہی پسند کریں کہ کاش یہ ہم دونوں جا رہیں (اور اگر) تمہارے حالات (دو ہیں سے) اچھے رہیں۔ اور اگر تمہارے درمیان (دو ہیں بھی تو لڑائی میں برائے نام حصے ہیں۔" (سورۃ الاحزاب آیات ۲۰-۲۱)

ان آیات میں آمدی کی صورت فوج الہی کی آمد و اعانت کا ذکر بھی ہے اور جنگ کے شریک گردوں کے انکار و کردار کا تجزیہ بھی۔ قرآن حکیم کے منافقوں کے کردار و گفتار کو جس طرح پیش کیا ہے اس کا ایک خوبصورت اور بہ مثال نمونہ منافقین کے ایک گروہ کے اس قول کو دہرانا ہے۔ "یا ہل یثرب لا مقام لکم فارجعوا"۔ ہجرت نبوی ﷺ نے یثرب کو مہینہ لگایا تھا دیا تھا، اور منافقوں کا یہ گروہ اہل مدینہ کو "اہل یثرب" کہہ کر اپنے امانہ فکرا کا اظہار خود کر رہا ہے۔ پھر "فارجعوا" کی تاویل پرش کے وقت یہ گروہ یوں کر سکتا تھا کہ "ہم نے تو اہل یثرب کو شریک طرف لیت جانے کا مشورہ دیا تھا۔" حالانکہ "فارجعوا" میں انہوں نے اسلام دشمنی کو مورد یا قمار یعنی دین الہی کی طرف لوٹ چلو۔

"ہمارے گھر خطرے میں ہیں۔" (ان بوجہ تا مومرۃ) یہ "صورت حال" بنو قریظہ کی مہذبہ کی کے بعد پیدا ہوئی۔ مگر یہ قول بھی محض فریب تھا، اور اس کا مقصد مسلمانوں میں بددلی پیدا کرنا تھا، کیونکہ محاذ جنگ کی منصوبہ بندی سے لے کر گھروں کی حفاظت تک۔ ہر مسلمان اجتماعی اور سب کا مسئلہ تھا اور تمام مسائل کی ذمہ داری اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔

اور اس کے بعد اللہ نے ان کی آرزوی اور خواہشوں کا پردہ چاک فرمایا ہے کہ یہ لوگ تو وہ ہیں کہ اگر کفار کے قدم مدینہ کی خاک آساں مرتبت پر پہنچ جاتے تو یہ لوگ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیتے۔ پھر یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ اس سے پہلے بھی تو جنگ اُحد میں اپنی منافقت کے اظہار کے بعد مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اللہ سے یہ عہد کر چکے تھے کہ آئندہ ہر سرکھن و باطل میں ثابت قدم رہیں گے، کبھی راہ فرار اختیار نہ کریں گے اور چپینہ نہ پھیریں گے۔ اللہ نے غزوہ احزاب میں آزمائش کی گھڑیوں کے ذریعے ان کے عہد کے

بودے پن کو آشکار کر دیا۔

عہد کے بودے پن اور اندھکی کے علاوہ ان کی سیرت کی فحش، انماز فکرا اور اقتدار حیات، کون کی سچی جو واضح نہ ہوئی ہو۔ یہ وہ لوگ تھے جو زندگی اور موت کو سفیضہ دجانے کی کج فرائی کو موت سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کی لذتوں اور نفس شہاری کو راہ الہی میں جہاد سے بہتر سمجھتے تھے۔

ایک طرف تو یہ گروہ اپنی خصوصیات و کردار کے ساتھ بے غلاب ہو گیا، اور دوسری طرف سچے مسلمانوں کا کردار آزمائش کی اس ساعت میں یوں گھر کر سامنے آ گیا جیسے باران رحمت کے بعد درختوں کے وسط ہوئے ہوتے۔ ایک ہی سے حالات میں ایک گروہ اللہ اور رسول ﷺ کے وعدوں کو لڑبہ قرار دینے لگا اور دوسرا گروہ بارشِ ناک میں پکارا تھا کہ "لو وعدے کی گھڑی آئی۔ مبارک ہو۔"

وَلَمَّا الْعُمُومُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ
وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَانَهُمُ إِلَّا إِيْمَانًا وَتَسْلِيمًا ۗ مِّنَ
الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ
قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۗ لَا يُخَيِّرُ
اللَّهُ الضَّالِّينَ يَعْصِبُهُمْ وَيُغْلِبُ الْمُتَّقِينَ إِن شَاءَ لَوْ يَتُوبَ
عَلَيْهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

"اور جب مومنوں نے (حملہ آور) لشکروں کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی تھی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات سچی تھی اور اس (واقف) سے اگر اضافہ ہو تو صرف ان کے ایمان اور اطاعت میں، ان ایمان لانے والوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پھیر دیا یا ان میں سے کوئی تو اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت کا منتظر اور مشتاق ہے انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی (اور یہ سب دکھائے گئے ہوا) کہ اللہ سچے مسلمانوں کو ان سے بچ

کامل دے، اور ساتوں کو چاہے تو سزا دے، اور چاہے تو ان کی توبہ قبول فرمائے۔ یہ لکھ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (سورہ ابراہیم آیت ۳۳ تا ۳۴)

یہ تھے ایک ہی شہر میں، ایک ہی محل میں، ایک ہی نظام کے تحت زندگی گزارنے والے دو گروہ۔ ایک وہ روٹی کے جوں بارہ چڑا رملہ آوروں کو دیکھ کر اللہ کے وعدہ نصرت اور رسول اللہ ﷺ کی بشارتوں کو "سراپ" سمجھ گئے۔ دوسرے وہ کہ جنہوں نے نظارہ نگار کے سبلی رواں کو دیکھ کر یہ جان لیا کہ ان وعدوں کے فتح باب کا وقت آپہنچا ہے۔ مستقبل کی ان فتوحات کا مقدمہ آج لہو کی روشنائی سے لکھا جائے گا جب قیصر سرسئی کی ملکوں کی صدیں حصار دین میں آجائیں گی۔ انہیں معلوم تھا کہ اقوام عالم کی پیشوائی اور جنت میں قیامِ خلد کے لئے کن کڑی منزلوں اور جان لیوا مرحلوں سے گزرنا ہوگا۔ اور ان مرحلوں کی نشاندہی تو اللہ نے واضح الفاظ میں کر دی تھی۔ ایک بار نہیں بار بار۔ اور کیسے مرے کہ اقوام سابقہ کی تاریخ شاہد ہے کہ رسول اور اہل ایمان بلا دوائے گئے، جیسے زندگی ایک ڈرگم بن گئی ہو۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْخَنَازِقَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ
خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسْتَهْتِمُ الْبِئْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزَلُوا
حَتَّى يَقُولُ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ ۗ
أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝

"کیا تم نے سمجھا ہے کہ کس بخت میں ہو چکی ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات (و صائب) نہیں گذرے ہیں جو تم سے پہلے اہل ایمان پر گزر چکے ہیں ان پر سختیاں اور مصیبتیں آئیں اور وہ ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ (اس زمانہ کے رسول اور وہ اہل ایمان جو ان کے ساتھ تھے پکاراٹھے کہ کب آئے گی اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی مدد نصرت قریب ہی ہے۔"

(سورہ البقرہ آیت ۱۲۳)

غزوة بنی قریظہ سے واقعہ فک تک

اللہ کی بھیجی ہوئی فوج (ہوا) نے دشمنوں کے شیعے اکٹھا پھینکے اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے "جب صبح ہوئی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ میدان صاف ہے اور اس وقت یہ آواز ابھری کہ اس سال کے بعد قریش والے تم پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ اب تمہارے لشکر ان کی طرف بلیا کر کریں گے۔"

اس فتح کے بعد نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں مسلمان مدینہ اپنے گھروں کی طرف واپس لوٹے سورج آسمان کی بلندیوں تک پہنچ کر اب مغرب کی طرف اپنے سفر کا آغاز کرتی رہا تھا کہ ظہر کے وقت جبریل امین نے عظیم بانی رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا اور حضور ﷺ نے اس حکم کے ملتے ہی مجاہدوں سے فرمایا کہ "سبح و اطاعت کا تقاضا ہے کہ اب صلوة عصر دیناری قرظہ میں ادا کی جائے۔"

قرظہ والے عہد شکنی اور دشمنی کی امداد کے جرائم کے سرکوب ہو چکے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ اب بھی ان سے مذاکرات کے لئے آمادہ تھے، لیکن بنو قریظہ نے بات چیت کے ہر امکان کو ختم کر دیا۔ حضرت علی کریم اللہ وجہ، جب ہر اول دست کے ساتھ (ان کے قلعوں) تک پہنچے تو انہوں نے سرکا دو دو جہاں ﷺ کو برا بھلا کہہ کر اور گالیاں بک کر سفیر رسول ﷺ کا استقبال کیا۔

جب یہود نے اسلامی لشکر کے دوسرے دستوں کی آمد دیکھی تو حالات کی یگینگی کا احساس ہوا، مگر اب کسی مجبوری کی محتاجی نہ رہی تھی۔ لشکر اسلام نے ان کی ہمتی کا محاصرہ کر لیا۔ دو ہفتوں کے محاصرہ کے بعد بنی قریظہ نے اپنے آپ کو اس شرط پر مسلمانوں کے حوالہ کر دیا کہ ان کے معاملے میں حضرت سعد بن معاذ ﷺ کو فیصلہ دینے کا حق دیا جائے۔ اس شرط کا سبب یہ تھا کہ اسلام سے پہلے بنی قریظہ کے حلیف اوس کا سردار اس پرانے رشتہ کی لاج رکھ لے گا۔

حضرت سعد بن معاذ ﷺ نے انتہائی حکمت اور تدبیر اور یہودیوں کے مذہب کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ رات کے مطابق کیا کہ تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے، جو عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے اور املاک تقسیم کر دی جائے۔

اس فیصلہ پر اعتراض کرنے والے غیر مسلم مؤرخین کا اعتراض دراصل تو رات پر ہے۔ خود



بچی ہے۔ ان سب کوششوں میں ناکامی کے بعد دشمنوں کی متحدہ طاقت نے غزوہ احزاب میں اسلام کو ناکرنا چاہا۔ اس سارے پس منظر کو نظر کے سامنے رکھیں تو ایک لمحہ کے تذبذب کے بغیر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بوقرظہ کے عاصروہ کے دوران حضرت زینبؓ سے حضور ﷺ کا نکاح حکم خداوندی کی تعمیل کے علاوہ کسی اور تحریک کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کے قوانین نکاح، ملاقا اور وراثت نازل ہو چکے تھے اور اب تنہیت (گود لینا، بیٹا بنانا) کی صدیوں پرانی مقدس "رسم" ان ربانی قوانین وراثت سے ٹکرائی تھی۔ حرہ برآں دلوں کے ہر بھید سے خنجر بھیل کاٹنا یہ تھا کہ حرمت زنا کے قانون اور تصوری تکمیل کے لئے مصنوعی رشتوں کو جتنی رشتوں سے الگ کر دیا جائے۔ مذہبی بیٹی یا بیٹا بیٹے کی بیوی جو جتنی بہن، بیٹے یا بہو کا مرتبہ ہے نفسیاتی طور پر وہ درجہ حاصل ہی نہیں کر سکتی۔ دوسری طرف اس جھوٹے رشتے کا احترام ذہنوں میں اس حد تک رچ چکا تھا کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ اپنے مذہب بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کا حکم نہ دیتا اور محض قرآن کی ایک آیت کے ذریعہ ایسے رشتوں کی لٹی کر دی جاتی تو بھی ذہنوں میں ایسے رشتہ کے بارے میں کراہت باقی رہتی۔ حضرت زینبؓ سے حضور ﷺ کے نکاح نے مصنوعی رشتہ کے اس انسان ساز تقدس کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

حضرت زینبؓ بن حارثہؓ نبی اکرم ﷺ کے نکاح تھے جنہیں حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو ہدیہ کے طور پر دے دیا تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اپنا مذہب بولا بیٹا بنایا تھا۔ حضرت زینبؓ سے پہلے ایمان لانے والے خرافاروں میں شامل ہیں، یوں انہیں حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صف میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہے۔

انسانیت کو مساوات کے دھاگے میں پرونے والے انسان کامل ﷺ نے انسانی مساوات کے نہایت قوی اظہار کے طور پر اپنی چھوٹی زینبؓ کو حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زینبؓ سے کرا دیا۔ یہ ۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضرت زینبؓ نے اس نکاح کے فیصلے کو حکم نبوی ﷺ کے طور پر تو تسلیم کر لیا تھا مگر وہ اپنے ذہن سے یہ غلط فہمی نکال سکی کہ ان کا شوہر ایک غیر فرزند ہے۔ اور وہ خاندان رسالت سے متعلق ہیں۔ حضور ﷺ نے ہر کوشش فرمائی کہ ان کی ازدواجی زندگی مسرت و شادمانی کا ایک خوبصورت تجربہ بن جائے مگر "معاملات میں ذوق" پیدا ہونے ہی سے وہ انکیاں بڑھتی ہی گئیں اور آخر حضرت زینبؓ نے جناب زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اصرار جوش کوئی کے طور پر اشارہ رہی ہو

نبی کریمؐ جی طور پر اس فیصلے کے لئے تیار تھے، وہ بے مسلمانوں کی نرم دلی سے یہ امید بندھی تھی کہ شاید انہیں بھی جو تقاضا اور بوخوشی کی طرح جلا وطنی کی سزا دی جائے۔

بوقرظہ پر حضور سرور دین ﷺ کی احسانات کا جائزہ تو لیجئے۔ آپ ﷺ نے ان کا مرتبہ، بوخوشی کے برابر کر دیا تھا حالانکہ اس سے پہلے وہ بوخوشی کے مقابلہ میں سامی اور قاونی طور پر کم مرتبہ تھے۔ آپ ﷺ نے بوخوشی کی جلا وطنی کے بعد بوقرظہ سے معاہدہ کی تصدیق فرمائی تھی اور انہیں ہم زینبہ عیسیٰ کا مرتبہ دیا تھا۔ اس کے بدلہ میں بوقرظہ نے عہد شکنی کی، غزوہ احد میں مسلمانوں کی پخت میں خنجر چھیننے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ان قاتلوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا جب میں اہمات المؤمنین اور مسلمان جو عمر شریف طاقت کے لئے منتقل کی گئی تھیں۔

عاصروہ نبی کریمؐ کے دوران آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح فرمایا۔ اس واقعہ پر اسلام کے مخالفوں نے اپنے جوش فہم اور سادہ باطن کی اس رنگ آمیزی کی ہے کہ سیرت نبی کریمؐ کا مطالعہ کرنے والے بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں بھی شہ کا پلکا سا غبار عارضی طور پر چھا جاتا ہے۔ یہ سیرت ہی سے پیدا ہوتی ہے کہ اس واقعہ پر اس زمانے کے احوال کو کوائف پر روشنی میں نظر نہیں ڈالی جاتی۔ اگر سیاسی اور سماجی حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو حضرت زینبؓ سے حضور ﷺ کا نکاح اور واقعہ انک دووں اللہ کی حکمت بالذکر کے شہکار نقوش کی طرح ابھرتے ہیں جنہوں نے ایک طرف مومنوں کے دلوں میں نقش ایمان کو چمکا کر خود شیدہ صفت بنا دیا اور دوسری طرف منافقوں اور کفر و ایمان والوں کا روگ نظر کے سامنے آگیا۔ غزوہ احد سے غزوہ احزاب و بنی قریظہ تک۔۔۔ دو سال کی مدت آزارناش سلسلہ غزوات، مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور قرآن کے معاشرتی احکام و قوانین کے نفاذ کا دور ہے۔

احد کے بعد جانشین اسلام نے ہدیہ کی اسلامی ریاست کو ختم کرنے کی کون سی کوشش نہ کی غزوہ احد کے دو ماہ بعد ہی ہدیہ پر بنی ہمد کے تجوزہ حملہ کر دئے گئے سر پہ ایلوٹ کو بھیجا گیا۔ مصرم ہجری میں قہار مصلح و قارونہ قبیلہ ہذیل کے ساتھ سازش کر کے اسلام کے چار پہلوں کو شہید کر دیا اور دو کو لے جا کر غلاموں کی طرح فروخت کر دیا گیا۔ اسی سینے میں چالیس سے لے کر ستر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک تبلیغی وفد کے بجز ہونے کے مقام پر عصبہ، رطل اور ذکوان کے قبائل نے شہید کر دیا۔ بوخوشی کی سازشوں اور بد عہدہوں کی تاریخ آپ کی نظر سے گزر

عَلَيْهِمَا

”اور جب آپ ﷺ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے بھی انعام کیا اور آپ ﷺ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بیوی (نسب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر اور آپ ﷺ اپنے دل میں وہ بات (بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ آخر میں ظاہر کرنے والا تھا اور آپ ﷺ لوگوں (کے ظن) سے اور ڈرنا تو آپ ﷺ کو اللہ ہی سے زیادہ مزادرا ہے، پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا (تو) ہم نے آپ ﷺ سے اس (مطلقہ خاتون) کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے (نکاح کے) بارے میں کچھ نئی ندرے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں، اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا ہی تھا (مقدور ہو چکا تھا) اور ان رسول ﷺ کے لئے جو بات (حکم نیا یا تشریحاً) اللہ تعالیٰ نے ان (رسولوں) کے حق میں (بھی) سبکی معمول کر رکھا ہے جو پہلے ہو کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم بڑا کیا ہو (پہلے سے) ہوتا ہے یہ سب (رسولانِ گذشتہ) ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام (بندوں تک) پہنچایا کرتے تھے اور (اس باب میں) اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور فاتح الملوک ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔“

(سورۃ الاحزاب آیت ۳۳-۳۴)

سورۃ الاحزاب کی یہ آیات حضرت زینبؓ سے نبی کریم ﷺ کے نکاح کے پس منظر کو کس طرح اجاگر کرتی ہیں، اور کس وضاحت کے ساتھ یہ حقیقت ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ حضور ﷺ کو اس نکاح کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے کس طرح مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کی ایک ”تعمیر کو دور دیا“ گمراہے بڑھنے سے جو شتر ایک کتہ کی مزید وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ”فہی نفسک“ یعنی حضور ﷺ کے دل کی پوشیدہ بات کی نسبت ہمارے بعض بڑے علماء اور سیرت نگاروں نے بھی بڑا کمزور موقف اختیار کیا ہے۔ مثلاً علامہ سبط عثمانی نے سیرۃ النبی

چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا نکاح حنفی بیٹے کی بیوی سے ہوگا۔ حضرت زیدؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارادہ طلاق کا اظہار فرمایا تو آپ نے انہیں منع فرمایا تاکہ آپ ﷺ اس بڑی آزمائش سے بچ سکیں۔ ظاہر ہے کہ اس نکاح کی آڑ میں میدان کارزار میں شکست کمانے والے مشرک، یہودی اور منافق کیا کچھ قیامتیں برپا نہ کرتے (اور انہوں نے یہی کیا) اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کا منع کرنا پسند نہ آیا، کیونکہ یہ نکاح تو اس کی حکمت بالذکا فیصلہ تھا اور اسی لئے اگر حنفی بیٹے کی بیوی سے نکاح عام مسلمان کے لئے مکمل جائز تھا تو حضور ﷺ کی ذات گرامی کے لئے فرض ظہر اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ایمان والوں کے ایمان اور حب رسول ﷺ کا زما لیا جائے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ حضور ﷺ کا مکمل اور اللہ کی وہی تمام قدم اور باطن عقائد و رسوم کو مسلمان کی نظر میں لیتا اور یہ باقی قرار دیتی ہے یا بھی ماضی کے اثرات باقی ہیں۔

سورۃ الاحزاب میں حضرت زینبؓ کے ساتھ حضرت خنیس مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح کو پورے پس منظر کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے۔ ان آیات نے اصحاب رسول ﷺ کے ذہنوں سے شک کے فہار کو دھویا اور ہمیشہ کے لئے رسول ﷺ کی شہادت کا درجہ رکھتی ہیں۔

وَ اذْ تَقُولُ لِلَّذِي اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللَّهَ وَ تَخْشَى فِى نَفْسِكَ مَا لِلَّهِ مُبْدِيهِ وَ تَخْشَى اللهُ اَحَقَّ اَنْ تَخْشَاهُ ۗ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَ طَرَأَ حَرْجُ فِىْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاسِهِمْ اِذْ قَضَوْا مِنْهُنَّ وَ طَرَأَ ۗ وَ كَانَ اَمْرُ اللهِ مَفْعُولًا ۗ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرْجٍ فِىْمَا قَرَضَ اللهُ لَهُ ۗ ثُمَّ لِلَّهِ فِى الدِّينِ حَلْوَا مِنْ قَوْلٍ ۗ فِىْمَا قَرَضَ اللهُ فَمَنْ اَمْعَلُوْا رَبَّهٗ الدِّينَ يَتْلُوْنَ مِنْ سَلْبِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنََهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۗ وَ كَفَى بِاللّٰهِ حَسِيبًا ۗ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رُّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّنَ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ يَكْتُبُ شَيْءًا

جلداول میں تحریر کیا۔

”بہر حال جب وہ (نسب) مطلق ہو گئیں تو آپ ﷺ نے ان کی دلجوئی کے لئے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا۔ لیکن عرب میں اس وقت تک معنی اصلی کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لئے عام لوگوں کے خیال سے آپ ﷺ ناپل فرماتے تھے۔“

گویا دل کی پوشیدہ بات نکاح کی خواہش تھی۔ بات اس سے مختلف ہے۔ حضور ﷺ کے دل میں پوشیدہ بات یہ تھی کہ زید ﷺ حضرت زینب کو طلاق نہ دیں، اور یوں یہ ذکر اس وقت کا ہے جب حضرت زید ﷺ نے طلاق نہیں دی تھی بلکہ اس ارادہ کا اظہار کیا تھا اور حضور ﷺ نے انہیں منع کیا تھا اور حضور ﷺ اس اشارہ الہی سے واقف ہو گئے تھے کہ طلاق کی صورت میں حضرت زینب سے آپ کو نکاح کرنا ہوگا، اور صحابہ کا مرض کیا جانا چاہئے حضور ﷺ کا منع کرنا جتنا باری کو پسندنا آیا۔

بہر صورت اسلامی معاشرہ اور مسلمان، منافقوں کے اس نفسیاتی اور اخلاقی حملے کے گرداب سے رخصت ہو کر باہر سے، لیکن مخالفوں نے کچھ عرصہ بعد غزوہ بنو المصطلق کے موقع پر

• یہ وہی جملہ احوال

دیکھنا سکتے ہیں۔ حضرت زینب کے نکاح کے بارے میں طبری کی صورت حال کی وضاحت ہے۔ مالک زور و زور سے اعجاز میں کرتے ہوئے اس حقیقت پر روشنی ڈال ہے کہ طہار کے لقب و خراج کی لنگھا جبری کے لئے سیاہی اوار سے ہی ہاں سے مستعار لی ہے۔ ”حلال کے طور پر تیار نہیں جری ہو، واقعہ یہ کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت زینب کو بڑے پیٹھے ہونے دیکھا اور پسند کر لیا (معاذ اللہ) اور جب حضرت زید ﷺ کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ زینب اگر آپ کو پسند آتی ہو تو میں ان کو طلاق دے دوں۔“

جبری کی عیادت و ہتھی کے ذریعے لگی ہے، اور اس سے اور حدیث کی اسلام پر، اگر ہم اہل علمت سے کھینچ کر دیکھیں، تو کلام و ہونکا ہے۔ جمعی ہی کے خلاف میں اس حکم کی بدولت وہاں کا مقدمہ چلا کر مساجد کی پیش رفت کے لئے بندھا جا جائے۔ اس اور اس کسی نام و بیاد کو کرنے کے لئے آئے، کیا بارگاہی کافی ہے، ”میں نے آپ سے اس (نسب) کا نکاح کر دیا۔“ اس غزوہ کو غزوہ مہربان بھی کہتے ہیں۔ بعض منابع میں حضور سے نکاح کے پہلے یہ واقعہ ہے، جس کو مصطفیٰ آباد ہے۔ اس غزوہ کی تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین اور صحابہ میں اس غزوہ کو عرب سے پہلے کا واقعہ (شہان سے جبری) قرار دیتے ہیں۔ یہاں سے نکاح کیا ہے۔ یہ ۱۵ھ میں ﷺ میں شہنشاہی سے اس واقعہ کو قبول کیا ہے۔ درمیان میں اسحاق کا ہے کہ غزوہ شہان سے جبری میں شہنشاہ جبری اور اس شام سے ہی قول کو قبول کیا ہے۔

واقعہ ایک ہی ہی قول کی تائید کرتا ہے، کیونکہ یہ واقعہ حضرت زینب کے نکاح کے بعد چلنے لگا، اور اس میں منافقوں کے علاوہ انہیں جن مسلمانوں نے صحابہ میں حضرت زینب کی کہیں حضرت زینب سے نکاح کے لئے چاہا تھا، لیکن خود حضرت زینب نے اپنے آپ کو صرف لگے کہ وہاں کہاں ہوں، حضرت عائشہ سے نکاح ہوا۔ یہاں حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق جب نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب سے اس (معاذ اللہ) کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ”میں رسول خدا کی اس تم سے عائشہ کے بعد نے کہا کہ میں نہیں جانتی۔“

اس سے زیادہ نازک اور خطرناک عملہ کیا۔ یہی وہ واقعہ ہے جسے قرآن حکیم نے ”انکھ“ یعنی بہتان قرار دیا ہے اور قرآن کے اس فیصلے کے بعد اگرچہ اس کی تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی مگر اس واقعہ سے منافقوں اور اسلام کے دشمنوں کے طریق کار کا اندازہ ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کے نتیجے کے طور پر جو معاشرتی قوانین نازل ہوئے اور ہمیشہ کے لئے مسلمان معاشرے کے لئے لازم قرار پائے ان کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ واقعہ انکھ کو پیش کر دیا جائے۔ اس واقعہ کے انہیں نتائج کی بنا پر اس شرابگیز واقعہ کو قرآن نے مسلمانوں کے لئے ”خیر“ قرار دیا ہے۔

سب سے پہلے تو بخاری شریف اور تفسیر ابن کثیر سے اس واقعہ کے بارے میں حضرت عائشہ کی روایات کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں تاکہ واقعات سامنے آسکیں۔

”رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ سفر میں جانے کے وقت آپ اپنی بیویوں کے نام قرعہ ڈالتے۔ اور جس کا نام نکلا اسے اپنے ساتھ لے جاتے چنانچہ ایک غزوہ کے موقع پر میرا نام نکلا..... آنحضرت ﷺ غزوے سے..... لوٹنے میں نے اپنے ساتھ لے آئے۔ رات کو چیلنے کی آواز لگائی گئی..... میں نے قصائے حاجت کے لئے نکلی..... پھر وہاں لوٹتی..... لنگر گاہ کے قریب آ کر میں نے اپنے کچھ کوٹولا تو ہارت پالیا..... میں وہاں اس کے ڈھونڈنے میں لگی..... یہاں یہ ہوا کہ لنگر نے کوچ کر دیا.....“

”الغرض بہت دیر کے بعد مجھے باطلا..... یہاں (لنگر گاہ) میں جو میں پہنچی تو کسی آدمی کا نام دشمنان تھا..... میں انتظار میں بیٹھ گئی کہ جب آگے چل کر میرے نہ ہونے کی خبر پائی گئی تو مجھے تلاش کرنے میں آئیں گے..... مجھے بیٹھے بیٹھے نیند آگئی..... اتفاق سے حضرت صفوان بن معطل سلمیٰ ذکوانی رضی اللہ عنہ جو لنگر کے پیچھے آئے تھے اور جو پہلی رات کو چیلنے سے، صبح کے چاند نے میں یہاں پہنچ گئے..... ایک سو تھے ہونے آدمی کو دیکھ کر خیال آیا ہی تھا..... غور سے دیکھا تو چونکہ..... پر دے کے حکم سے پہلے، مجھے وہ دیکھ چکے تھے، وہ دیکھنے ہی پہچان گئے، اور باواز بلند ان

- اگر کسی معاملہ میں بارگاہی اور جرموں کو فریاد فرمادنی کی اجازت ہے حضور ﷺ فرما سکتے ہیں۔
- کارکنوں اور صحابہ میں سے کسی کی دل آزاری میں جرم نہیں۔
- غزوہ مہربان
- یا کا مہربان ۱۲۱ھ میں ہیں اور ان کا نام کس حضرت زینب کا نکاح ہے وہ منافقین نے اسے بھڑکایا تھا۔

اور یہ صورت ایک وودن نہیں رہی یہ صورت ایک مینے تک رہی اور حضرت عائشہؓ کے الفاظ میں "اس عرصہ میں میں نے انھوں میں نبینکا کا گل تک نہیں لگایا" یعنی ایک گل کو آنکھ لگائی۔ دوسری طرف سرکارِ دو عالم ﷺ کا کرب اتنا شدید تھا کہ آپ اپنے قریبی ساتھیوں سے مشورہ طلب کرتے اور تم کے اس بوجھ کو وقارِ نبوت سے ہلکا کرتے رہے۔ ایک دن حضور ﷺ نے خلیب میں یہاں تک فرمایا کہ "اے ایمان والو! تم میں سے کون ہے جو اس شخص کے جلوں سے میری عزت کا تحفظ کرے جس نے میرے گھر والوں پر اڑھم تراشی کر کے مجھے اذیت پہنچانے میں اپنی اکردی، حالانکہ اللہ شاہد ہے کہ نہ تو میں نے اپنی بیوی کی کوئی برائی دیکھی اور نہ اس میں جس پر تہمت لگائی جا رہی ہے۔"

یوں ہی ایک مینے کی مدت بیت گئی۔ اس عرصہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہؓ کو نیم نشی کا شرف بھی نہ دیا۔ ایک ایک دن جب حضرت عائشہؓ صمدیق اکبر ﷺ اور اپنی والدہ اور ام رومان کے ساتھ بیٹھی تھیں کہ حضور ﷺ بھی آکر بیٹھ گئے۔ سب کے دل دھڑکنے لگے کہ شاید فیصلے کی گھڑی آگئی۔ اب یہ روئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی سنئے۔

"آپ نے بیٹھے ہی اول تو تشہد پڑھا پھر امامہ فرما کر فرمایا کہ اسے عائشہ تیری نسبت مجھے یہ خبر پہنچی ہے اگر تو واقعی پاک دامن ہے تو اللہ تعالیٰ تیری پاکیزگی ظاہر فرمادے گا، اور اگر فی الحقیقت تو کسی گناہ میں آلود ہوگئی ہے تو استغفار کرو اور توبہ کر۔" بندہ جب گناہ کر کے خدا کی طرف جھکتا ہے اور اس سے معافی طلب کرتا ہے

تو اسے بخش دیتا ہے۔"

یہ الفاظ سن کر حضرت عائشہؓ کے آنسو ٹپک گئے۔ انہوں نے پہلے اپنے والد گرامی، اور پھر والدہ ماجدہ سے کہا کہ وہ ان کی طرف سے جواب دیں، لیکن دونوں نے یہی کہا کہ آخر ہم جناب رسالت مآب کے سامنے کیا کہیں؟ اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہنا شروع کیا۔

"آپ سب نے ایک بات سنی (اور) وہ اپنے دل میں بیٹھائی اور گوہر پانچ بچھڑی۔ اب اگر میں کہوں گی کہ میں اس تہمت سے بری ہوں، اور خدا خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں، تو آپ لوگ نہیں ماننے کے۔ میں ایسی بات کا اعتراف

کی زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا۔ ان کی آواز سننے ہی میری آنکھ کھل گئی، اور میں اپنی چادر سے اپنا منہ ڈھانپ کر غسل بیٹھی۔ انہوں نے مجھ سے اپنے اونٹ کو بٹھایا۔ میں اٹھی اور اونٹ پر سوار ہوگئی۔ انہوں نے اونٹ کو کھڑا کیا اور بھگاتے ہوئے لے چلے۔ ہم خدا کی آرزو مجھ سے کچھ بولنے نہیں نے ان سے کوئی کیا، کیونکہ انہوں نے اس اللہ کے میں نے ان کے منہ سے کوئی کلمہ نہ سنا۔ بس اتنی ہی بات کا بلاکہ ہونے والوں نے جھگڑا بنایا۔ ان کا سب سے بڑا اور بڑھ بڑھ کر ہاتس بنانے والا عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔"

اس واقعہ پر عبداللہ بن ابی کی زبان سے بہتان کے حیروں کی بارش ہونے لگی، اور اس کے ذہن سے جھوٹ کے جھگڑا اڑا کر مدینہ کی افشا کو کندہ کرنے لگے۔ ہمارے قلم میں حوصلہ نہیں کہ عبداللہ بن ابی کے جلوں کو قتل کر سکیں۔

حضرت عائشہؓ یہ پہنچتے ہی بیچارہ ہو گئی تھیں۔ احرار یہ طوفان اٹھ رہے تھے اور احرار وہ ان سب باتوں سے بے خبر تھیں۔ منافقوں نے اس بات کو اتنی بار دہرایا کہ مداح رسول حضرت حسان بن ثابتؓ اور مصعب بن عمیرؓ جیسے صحابی بھی ان کے ہم نوا بن گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کسی بات کی خبر نہ تھی مگر جب آپ کو معلوم ہوا تو دنیا جیسے اندھیر ہوگئی۔

"اب تو رنج و غم نے اس قدر گھیرا کہ بیان سے باہر اس وقت سے جو ردنا شروع ہوا، واللہ ایک دم کے لئے بھی میرے آنسو نہیں ٹپکے۔ میں سزا دل کرونی رہی کہ کھانا پینا کس کا سونا بیٹھنا۔ کہاں کی بات بیہیت؟"

- 1۔ حسان بن ثابتؓ نے خبر سنی (اور) وہ اپنے دل میں بیٹھائی اور گوہر پانچ بچھڑی۔
- 2۔ حضرت سخی بن ابی حضرت مصعبؓ کی جھگڑا کے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ فریب اور صاحبِ شہادت بزرگ تھے ہی کے لئے حضرت مصعبؓ نے ان کا کھینچنا منع کیا تھا۔ آیت برأت کے نزول کے بعد حضرت مصعبؓ کی جھگڑا نے ان کا کھینچنا منع کر دیا (حضرت سخی بن ابی نے انہوں میں شامل اور ان کو ان کی اپنی کوئی توجہ دینے کی گئی۔ اس پر بعض فلاسفہ اور علما الفصیح زل زل ہوئی سخی تم میں سے جو لوگ صاحبِ نبیت ہیں، انہیں نہیں چاہئے کہ برأت اور ان کے دوستوں اور ماہرین سے سزا (ن) کرنے کی تم کو نہیں کہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ وہ کھینچ کر لے گا اور ہر ماہ خدا نہیں بخشے، اس آیت کے نزول کے بعد جو لوگ مصعبؓ نے ان کا کھینچنا جاری کر دیا۔ (ابن کثیر۔۔۔ یہی حضرت عائشہؓ کے واقعہ کا حصہ ہے جو سن میں چٹائی گئی۔)
- 3۔ ای طرح حضرت عائشہؓ کے دل میں حضرت حسان بن ثابتؓ کی طرف سے کوئی ٹھک ٹھک نہ رہی تھی۔ وہ جب آپ کے پاس آئے آپ ان کی گریہ پڑائی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "مجھے حسان کے شہروں سے باہر دیکھے نہیں ہوئے، اور میں جب کسی شہر میں آتی ہوں تو میرے دل میں خلیب آتا ہے حسان کی ہی۔"
- 4۔ ابن کثیر نے کہا کہ ابن کثیر نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ

کیوں کروں جس کا میں نے ارتکاب نہیں کیا۔ میری اور آپ کی مثال تو بائبل حضرت ابویوسف رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے (یعنی میں اس کے سوا اور کیا کہوں) المصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔ یہ کہہ کر میں نے دوسری طرف کروٹ لے لی۔

”خدا کی قسم مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میری برأت اور بے گناہی کی خبر اپنے رسول ﷺ کو دے دے گا۔ مگر میں اپنے آپ کو اس سے بہت کم تر جانتا تھی کہ میرے بارے میں کلام الہی کی آیات اتریں۔“

”اور پھر حضور ﷺ کے چہرے پر وہ نشان ظاہر ہوئے جو نبی (اترے) وقت ہوتے تھے۔ پیشانی سے سینے کی پاک بند میں چلنے لگیں۔ نزول وحی کے بعد دم نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا چہرہ وحی سے گلقت ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ اے اللہ کا شہرہ جو پاؤں اللہ تعالیٰ نے تمہاری برأت نازل فرما دی۔ میری والدہ نے کہا کہ بیٹی اٹھو حضور ﷺ کے سامنے کھڑی ہو جاؤ اور ان کا شکر یہ ادا کرو۔۔۔۔۔ میں نے کہا میں اللہ کا شہرہ ادا کرتی ہوں جس نے میری برأت نازل فرمائی۔ آپ لوگوں نے تو اس پر ہتان کا انکار تک نہ کیا۔“

اس موقع پر حضور ﷺ نے وہ آیات سنائیں جو قیامت کے دن تک اہل ایمان کی تلاوت کا جز ہیں گی اور اے اللہ کا شکر یہ کہ نشانِ صحت کے طور پر درودِ شکر رہیں گی۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالسُّعْيَةِ وَأُولَئِكَ عَصَيْنُوا عَنْ رَبِّكُمْ لَا تُحْسِبُوهُمْ شَرًّا لَّكُمْ ۚ بَلْ هُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ لِيُكْفِرَ بِمَا كَفَرُوا ۗ وَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ وَمَن يُؤْتُوا مَالَهُمْ خَيْرٌ مِّمَّا يُكْفِرُونَ ۗ وَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ وَمَن يُؤْتُوا مَالَهُمْ خَيْرٌ مِّمَّا يُكْفِرُونَ ۗ وَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ وَمَن يُؤْتُوا مَالَهُمْ خَيْرٌ مِّمَّا يُكْفِرُونَ ۗ وَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ وَمَن يُؤْتُوا مَالَهُمْ خَيْرٌ مِّمَّا يُكْفِرُونَ ۗ

بِالسُّعْيَةِ ۗ وَأُولَئِكَ عَصَيْنُوا عَنْ رَبِّكُمْ لَا تُحْسِبُوهُمْ شَرًّا لَّكُمْ ۚ بَلْ هُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ لِيُكْفِرَ بِمَا كَفَرُوا ۗ وَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ وَمَن يُؤْتُوا مَالَهُمْ خَيْرٌ مِّمَّا يُكْفِرُونَ ۗ وَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ وَمَن يُؤْتُوا مَالَهُمْ خَيْرٌ مِّمَّا يُكْفِرُونَ ۗ وَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ وَمَن يُؤْتُوا مَالَهُمْ خَيْرٌ مِّمَّا يُكْفِرُونَ ۗ وَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ وَمَن يُؤْتُوا مَالَهُمْ خَيْرٌ مِّمَّا يُكْفِرُونَ ۗ

”جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت مدینہ کی نسبت) برپا کیا ہے (اسے مسلمان) وہ جنہیں میں سے ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے، تم اس (طوفان) بہت دہشتانہ (کوائف) میں سے برا نہ سمجھو بلکہ یہ (اپنے تہیجی بناؤ پر) تمہارے حق میں بھری بجز ہے، ان میں جس (طوفان) میں سب سے برا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہوگی۔ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ ٹیک گمان کیوں نہ کیا

اور میں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ اور بہتان ہے۔ یہ لوگ اس (اپنے قول) پر چار گواہ کیوں نہ لائے، سوس صورت میں یہ لوگ (قانون کے مطابق) گواہ نہیں لائے تو بس اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں اور اگر تم پر دینا میں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو جس شہل میں تم پر دے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا جب تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے نقل و نقل کر رہے تھے جس کی تم کو (کسی دلیل سے) مطلق خبر نہیں اور تم اس کو بگلی بات (غیر موہب گناہ) سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے اور تم نے جب اس (بات) کو (پہلے پہل) سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زبیا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں، معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے، اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر تم ایمان والے ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا ہے۔ جو لوگ ان آیات کے نزول کے بعد بھی جاچتے ہیں کہ یہ حیاتی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہوا نہ لے لے دئے اور آخرت میں میرا نئے روز تاک مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بزرگم ہے تو تم بھی (اس وید سے) نہ بچتے۔ اسے ایمان والو تم شیطان کے قدم بدمت چلو اور جو شخص شیطان کے قدم بدمت چتا ہے تو وہ (ہمیشہ ہر شخص کو) بے حیاتی اور نامقول کام ہی کرنے کو کہے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی بھی (تو بے کر کے) پاک و صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (تو بے کر) توفیق دے (پاک و صاف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔ (انور ۲۳: آیات ۱۲ تا ۱۴))

آیات برأت کے آغاز میں اللہ عزوجل نے "انک" کے لفظ کے ذریعے اپنا فیصلہ سنا دیا، انک کے معنی ہیں تقسی جھوٹ، افترا اور بہتان کے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس بہتان عظیم کو جماعت مؤمنین کے لئے "شر" کی جگہ "غیر" قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں ہم یہ عرض کر

چکے ہیں کہ "اسلامی معاشرہ اور مسلمان، منافقوں کے اس انضباطی اور اخلاقی حملے کے گرداب سے رشکدہ تر ہو کر بکھرے"۔ اس سخت پر غور کیجئے تو مسلمانوں کی جماعت کے ہر طبقہ کی اخلاقی خوبیوں اور اخلاقی قوت کا اندازہ ہو سکے گا۔ نبی اکرم ﷺ، حضرت عائشہ، خاندان حضرت صدیق اکبر ﷺ، ازواج مطہرات اور عام مسلمان، ان سب کا مجموعی برتاؤ اور رویہ اس معاملہ میں رہا انسانیت کی تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔

حضور ﷺ کا نقل و دیکھنے کے بہتان کے سیلاب کے سامنے پہاڑوں کے سے و قار کے ساتھ کڑے رہے، اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ فرمادیا تو قانون الہی کے مطابق صرف ان تین مسلمانوں (سیدنا ابی اسحاق، حسان بن ثابت، اور حضرت جحش) پر قذف (بدکاری) کے جھوٹے الزام کی حد لگوا دی جنہوں نے اس ہم حصہ لیا تھا۔ دونوں منافقوں عبداللہ بن ابی اوزیہ بن رفاعہ کے خلاف کوئی تقریری یا انتقامی کارروائی نہیں کی گئی۔

حضرت عائشہ نے جو دکھا اسیا اس کے اظہار کے لئے شاید کسی انسانی زبان کے الفاظ ساتھ نہ دے سکیں۔ خود ان کے اس جملہ سے ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ ہو سکے گا کہ "میری آنکھوں میں نیند کا سرمہ نہ لگا"۔ لیکن انہیں اپنے رب کی رحمت پر کس درجہ یقین اور اٹپا لے پانے گئی پر کس درجہ ناتھا۔ اور پھر قلب کی وسعت کا یہ عالم کہ ان آیات کے نزول کے بعد وہ سارا بے کراں دکھ محبت کے سمندر میں ایک قطرہ کی طرح گم ہو گیا۔ حضرت حسان بن ثابت ؓ کے ساتھ ان کا جو برتاؤ اور رویہ تھا اسے ہم پیش کر چکے ہیں۔ انہیں یہ بات یاد نہ رہی کہ حضرت حسان ؓ نے بہتان میں حصہ لیا تھا، مگر یہ بات وہ بھی نہ بھولیں کہ حسان بن ثابت ؓ دشمن اسلام شہرہ کے مقابل اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی "زبان کا" درجہ رکھتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے سلسلہ میں یہ بات بطور گزشتہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے سیدنا ابی اسحاق کا عقیدہ اور مالی امداد بند کر دی تھی لیکن قرآن حکیم کے ایک حکم کے نازل ہوتے ہی پہلے کی طرح ان کے ساتھ سلوک کرنے لگے اور تعلقات میں کوئی فرق نہ پڑا۔ پھر ذرا حضرت صدیق اکبر ؓ اور حضرت ام رومان ؓ کے جب رسول اور احرام رسول کو دیکھنے کے جب نبی نے کہا کہ آپ ہماری طرف سے جواب دیجئے تو دونوں نے یہی کہا "ہم

حیران ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا کہیں۔“

ازواجِ مطہرات کی پلندری کرواد اور قدسی نفسی کا اندازہ اس سے کیجئے ان میں سے کسی نے اس معاملہ میں کوئی ایسا اشارہ تک نہ کیا جس سے یہ اندازہ ہو سکتا کہ انہیں حضرت عائشہؓ کے بارے میں شک ہے، حالانکہ سوئس ایک دوسرے کے خلاف کیا کچھ نہیں کرتیں۔ حضرت زینبؓ نے بھی حضرت عائشہؓ کی طرف داری کی حالانکہ ان کی بہن اس معاملہ میں شریک تھیں۔

عام مسلمانوں کا جو رد عمل اور رویہ تھا اس کا اندازہ مصطح بن اثابہؓ کی والدہ ماجدہ کی مثال سے ہو سکتا ہے۔ ام مصطحؓ، حضرت صدیق اکبرؓ کی خالہ تھیں اور عجب بات یہ ہے کہ اس بہتان کی خبر حضرت عائشہؓ کو انہیں کی زبانی ملی تھی۔ اس وقت تک مدینہ میں مکانوں میں بیت اللہِ اکابر نہیں ہوئے تھے۔ خواہ تین قضاے حاجت کے لئے رات کو میدان چلایا کرتی تھیں ایک رات جب حضرت عائشہؓ ام مصطحؓ کے ساتھ واپس آ رہی تھیں تو

”حضرت ام مصطحؓ کا پاؤں چاورد کے دان میں الجھا اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ ”مصطح عارت ہو۔ مجھے بہت برا لگا اور میں نے کہا تم نے بہت برا کلمہ بولا۔ تو یہ کرو تم اسے گالی دیتی ہو جس نے جنگ بدر میں شرکت کی۔ اس وقت ام مصطحؓ نے کہا بھولی بیوی آپ کو کیا معلوم، میں نے کہا کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ بھی ان لوگوں میں ہے جو آپ کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی، میں ان کے سر ہو گئی کہ کم از کم مجھ سے سارا واقعہ تو کہو۔ اب انہوں نے بہتان باز لوگوں کی تمام کارستانیاں مجھے سنائیں۔ میرے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔“

حضرت ام مصطحؓ کی مثال سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایسے مسلمان معاشرے میں موجود تھے جو اس قذوکو بہتان ہی جانتے تھے اور جو ”نیک گمان“ سے کام لیتے تھے۔ اسی طرح جب ابوابِ انصاریؓ تک پہنچاں ان کی بیوی کے ذریعے پہنچیں تو

وہ کہنے لگے ”ایوب کی ماں، اگر تم عائشہؓ کی جگہ اس موقع پر ہو تیں تو کیا ایسا فعل کرتیں؟ وہ بولیں ”خدا کی قسم میں یہ حرکت ہرگز نہ کرتی۔“ حضرت ابوابِ انصاریؓ نے کہا ”تو عائشہؓ سے بہتر ہیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر صفوان کی جگہ میں ہوتا تو اس طرح کا خیال تک نہ کر سکتا تھا۔“

صفوانؓ، تو مجھ سے پچھا مسلمان ہے؟“

یہ واقعہ ہر دور کے مسلمان معاشرہ کی اخلاقی اساس کا درجہ رکھتا ہے۔ آج بد قسمتی سے ہمارا معاشرہ ایسا ہے کہ ایسی جہتوں اور بہتانوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہر قسمی، ہر مغلذ اور ہر گلی میں سرگوشیوں کے دائروں میں ہونٹوں سے کانوں تک سفر کرتا نظر آتا ہے..... اور ہم کس درجہ آسانی کے ساتھ ایسی افواہوں کو حقیقت کے طور پر قبول کرتے اور انہیں دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔



صلح حدیبیہ

ہجرت کا چھٹا سال تھا۔ تمویل قبلہ کے بعد چار سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا تھا۔ ہردن پانچ مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے مہاجرین کے دلوں میں دیار کعبہ کی یاد بھرتی تھی۔ خود نبی اکرم ﷺ کا دل زیارت کعبہ اور طواف کے لئے تڑپ اٹھتا۔ آپ ﷺ نے ایک رات اپنے عمرے کے بارے میں خواب دیکھا۔ ●

نبی کا قلب خواب کی وادیوں میں بھی نہیں سوتا۔ یہ حقیقت عمری کی ایک اور سطح ہے۔ واضح تر الفاظ میں یوں کہتے کہ رسول کا خواب بھی وحی کی ایک قسم اور اشارہ رہا بانی ہوتا ہے۔

حضور ﷺ نے اپنے صحابیوں کو اپنا خواب سنایا اور اپنے رب کے اشارے کے مطابق عمرہ کے قصد کا اعلان فرمایا۔ قرب و جوار کے قبائل میں سناوی کرا دی گئی۔ قرب و جوار کے لوگ جنہوں نے مدینہ کی اسلامی ریاست کے اقتدار کے سامنے سر جھکا یا تھا اور ایمان کی گہرائیوں اور بلند یوں سے بہرہ یاب نہ ہوئے تھے ہجرت میں بڑے..... وہ یہ بات سوچنے کے لئے بھی تیار نہ تھے کہ کہہ والے مسلمانوں کے قافلے کو حد و حرم میں داخل ہونے کی اجازت دیں گے۔ ان کے خیال میں یہ سفر و حرم کی طرف نہ تھا بلکہ موت کی وادیوں کی طرف تھا۔ انہیں یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی زندہ وہاں نہیں آسکیں گے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ یہ صحابی معزینہ، خنساء، جیسے قبیلوں کے بدو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان عذر تراشیوں کی خبر پہلے ہی دے دی جو مدینہ واپس پہنچنے پر ان پیچھے رہ جانے والوں کی طرف سے سامنے آئیں۔

سَيَسْأَلُكَ الْمُتَخَلِّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ مَتَى نَجَّيْنَا
وَأَهْلَنَا فَاسْتَعْفِرْنَا ۖ تَقُولُونَ يَا لَيْسَ فِيهِ
قُلُوبُهُمْ ۗ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ
بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۗ بَلَىٰ كَذٰبًا يٰمُتَّمِلُونَ

خَيْرًا ۞ نَبَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَنْ يَنْفَلِبَ الرُّسُلُ وَالْمُؤْمِنُونَ
الْبِئْسَ اَهْلِيْنَهُمْ اَبْدًا وَّ زَيْنَ ذٰلِكَ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ عِلْمَ
السَّوْءِ ۞ وَظَنَنْتُمْ قَوْمًا مَّعْرُوْمًا ۞

”جو یہ مہمان پیچھے رہ گئے، وہ مہتریب آپ ﷺ سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال و مہمان نے فرست نہ لینے دی سو ہمارے لئے (اس کو ہائی کی) معافی کی دعا کیجئے یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں آپ کہہ دیجئے کہ سو وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارے لئے کسی چیز کا (کچھ بھی) اعتبار رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے، بلکہ تم نے یوں کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور (ان کا ساتھ دینے والے) مؤمنین اپنے گھروں میں کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو بھی اچھی معلوم ہوئی تھی، پھر تم نے نہ سے نہ گمان کے اور تم بہرہ بردار ہونے والے لوگ ہو گئے۔“

(سورۃ فتح ۲۸ آیات ۱۱-۱۲)

لیکن وہ اہل ایمان جنہوں نے بدر کی بے سرو سامانی میں اللہ کی نصرت کے جلوے دیکھے تھے، وہ جنہوں نے اُحد کے میدان میں شیعہ مسات ﷺ کے حضور اپنی زندگیوں کو فانوس کی صورت پیش کیا تھا اور جانثاری کے زندہ جاوید کارنامے پیش کئے تھے، وہ جنہوں نے فزوة الحزاب میں کھڑی حمزہ قوتوں کو ہوائے نصرت رہتی ہے چوں کی طرح بکھرتے دیکھا تھا، ایک لمحہ کے تذبذب کے بغیر اس سزے کے لئے آمادہ ہو گئے۔“

ذی القعدة ۱؎ ہجری کے آغاز میں تقریباً پندرہ سو مسلمان پر کرام ﷺ کا قافلہ دامن نبوت سے وابستہ ہو کر اور مکمل نبوت کی گروہ راہ بن کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا۔ ذوالحجہ کے مقام پر عمرہ کا احرام باندھا گیا۔ اور قرآنی کے انھوں کے ساتھ اہل ایمان منزل پہ منزل آگے بڑھنے لگے۔ ان مسلمانوں کے پاس نیام میں بند گواہوں کے سا کوئی ہتھیار نہ تھے اور تلواریں ساتھ رکھنے کا حق انہیں عرب کے معروف دستور کے مطابق حاصل تھا۔

جب قریش کو مسلمانوں کے سز کا ظم ہو تو وہ حیرت میں پڑ گئے۔ ان کے لئے کوئی فیصلہ کرنا

بے حد مشکل مرحلہ تھا۔ حرام جنہوں میں دو عمرہ اور طواف کا حق کسی سے نہیں چھین سکتے تھے۔ اس طرح ان کے خلاف سارے عرب میں شدید رد عمل پیدا ہو سکتا تھا۔ دوسرے قبیلے یہ سوچ سکتے تھے کہ آخر قریش کبہ کے حتمی کی جگہ اپنے آپ کو صاحب کبہ کیوں کر قرار دے سکتے ہیں۔ لیکن اسلام و وحی تمام مصطفیوں اور خیالات پر غالب آئی اور قریش نے خالد بن ولید کو سواروں کے ایک دستے کے ساتھ مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا۔ یہ ایک سیاسی چال تھی۔ مسلمانوں کو مشتعل کر کے وہ کسی صورت میں آغاز جنگ چاہتے تھے تاکہ دوسرے قبیلوں کو یقین دلایا جاسکے کہ مسلمان عمرہ کیلئے نہیں بلکہ جنگ کے لئے آئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس دست کی خبر سن کر قافلہ کا راستہ بدل دیا اور نہایت سختی اور دشواری گزارا راستہ سے یہ قافلہ حد مدینہ پہنچ گیا، جس کا فاصلہ مکہ سے بارہ تیرہ میل ہے۔

نبی خزاعہ ۲؎ کے سردار بدیل بن ورقا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے قحاصہ بڑے اونٹ دیکھے۔ اس بات کا مشاہدہ کیا کہ مسلمان مسلح ہوئے نہیں آئے ہیں۔ پھر سردار دو عالم ﷺ سے ان کی گفتگو ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ ”قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم عمرہ کی فرض سے آئے ہیں بلکہ متصور نہیں۔ جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے اور ان کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک مدت صحن کے لئے معاہدہ صلح کریں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اس پر بھی اگر وہ راضی نہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں یہاں کھڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہے کر دے۔“ ۳؎ بدیل نے قریش والوں کو حضور ﷺ کا یہ پیغام جا سنا، مگر نہ لعلائین کی کوشش صلح کو نکر دی کی علامت بنا۔

قریش کے نوجوان تو آمادہ جنگ تھے، مگر تجربہ کار سرداروں نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔ گنت و شندہ کے بھانپے انہوں نے مکہ کے گرد و نواح کے قبائل کے جموہہ احاطہ میں کے سردار علیس کو آپ کے پاس بھیجا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ محمد ﷺ علیس کی بات نہ مانیں گے اور یوں ان قبائل کی قوت میدان جنگ میں ہمارے ساتھ ہوگی، مگر علیس نے مسلمانوں کی احرام بندی

۱۔ قبیلہ قریش کے ساتھ انہیں ایک فیصلہ تھا کہ مسلمانوں کا طواف کرنا ان کے حصوں کا علم نہیں کے ذریعہ مسلمانوں کو ہتھیار۔
۲۔ قبیلہ۔ برہان ص ۲۶۱۔ ۳۔ اہل مدینہ ص ۲۶۱۔ ۴۔ قرآن مجید ص ۲۶۱۔

اور قربانی کے اہانت دیکھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی اس نے یہ بات سنی کہ ہم عمرو کے لئے آئے ہیں، اپنے جدا محمد کی سنت کی ادائیگی کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں، قربانی کے جانور ہمارا ۱۱۵ ہیں اور احرام ہمارا لباس پھر ذی قعدہ محرم اور حرام مہینوں میں سے ہے۔ اس میں جنگ کا کوئی سوال نہیں۔ عیسیٰ قریش کے پاس لوٹا اور صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ محمد ﷺ اور محمد ﷺ کے ساتھی اپنے سفر کے بارے میں جو کہتے ہیں سچ کہتے ہیں۔ ان کا راستہ ندر کو اور ہم حرموں کی پابلی کے راستے میں تمہارے ہم سفر نہیں۔ یوں اللہ نے قریش کی ایک گہری سیاسی اور زرعی چال کو ناکام بنادیا۔

ادھر قراباہی گفت و شنید کا سلسلہ جاری تھا اور ادھر قریش اشتعال کے مواقع تلاش کر رہے تھے تاکہ مسلمان مشتعل ہو کر جنگ کا آغاز کر سکیں۔ ایک رات قریش کے ایک دست نے مسلمانوں کے ٹیموں پر پشت زنی شروع کر دی۔ پھر پتھروں کے بعد تیر بے لگے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان چالیس پچاس سپاہیوں کو گرفتار کر لیا مگر خاتم النہین ﷺ نے انہیں چھوڑنے کا حکم دیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فیصلہ وہی الہی کے مطابق تھا کیونکہ قرآن حکیم نے اسی واقعہ کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَارْتَدَّ عَنْكُمْ مِثْلًا
مِثْلًا مِنْ نَبْعِدِ أَنْ أَتَفَّرَ عَنْكُمْ عَدُوِبَهُمْ ط وَكَانَ اللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيْرًا ۝

”اور وہ ایسا ہے کہ اس نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان کے (قل) سے مین کد (کے قرب) میں روک دیے۔ بعد اس کے کہ تم کون پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو کچھ ہاتھ لگاؤ“ (سورۃ اعراف، آیت ۳۳)

اسی طرح ایک اور منظر نماز فجر کے وقت کیا گیا اور وہ بھی ناکام رہا۔

قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو اپنے اٹیچی کے طور پر بھیجا۔ عروہ نے بھی آپ ﷺ کو اپنی دایلوں سے کہا سمجھانا چاہا کہ نہ کہہ دے کہ داخل ہونے کے ارادے سے باز آ جائیں۔ حضور ﷺ نے اسے بھی وہی جواب دیا جو پہلے بدیل اور علیس کو دے چکے تھے۔ عروہ نے واپس جا کر قریش کو

سمجھایا کہ محمد ﷺ اور اصحاب محمد ﷺ سے ڈال لیا جائے۔ اس نے کہا۔ میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ یہ عقیدت اور وارثی کہیں نہیں دیکھی۔ محمد ﷺ بات کرتے ہیں تو سنانا سمجھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو پانی جو گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے۔ باغم یا حوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور پھر سے اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔ ۱

ان ملاقاتوں کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کنکلتو کی تکمیل کے لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مد بھیجا۔ فواد بن اسد میں ڈوبا ہوا اہل اپنی طاقت کے نشتر میں جموں رہا تھا۔ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نظر بند کر دیا اور پھر شریعہ اعلیٰ کی تکمیل میں خبر مشہور ہو گئی کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے۔

حق نے ان کے لئے ہجرت پوری کی دی تھی اور اب حالات کا تقاضا دوسرا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے ساتھی جنگ کے لئے نہیں نکلے تھے۔ ان کے پاس فوجی ساز و سامان نہ تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ ان جانثاروں کے ساتھ تھے، اور ایمان کی قوت ان کی متاع جاں اور سب سے بڑا امتیاز تھی۔ یہ وہ تھے جن کی مثال نے اس خیال کو ایک مسلمہ حقیقت بنا دیا کہ

ع مؤمن ہوتے ہی تھے سبھی لڑتا ہے سبھی

حضور ﷺ ایک بھول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ نے اہل ایمان کو اللہ کی طرف اور اپنی طرف بلا دیا اور انہیں صلوات عام دی کہ آؤ اور اپنے ایمان کو سرفروشی کے اس موقع کے حضور پیش کر دو۔ یہ قدری نفس انسان آگے بڑھے، اور حضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال قربان کرنے، جاں نثاری اور آخری دم تک لڑنے کا عہد کیا۔ یہی عہد نبوت رضوان ہے۔ یہی وہ نبوت ہے جس میں رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں پر نبوت کرنے والوں کے لئے کہا گیا کہ انہوں نے اللہ کے ہاتھ پر نبوت کی، اور ان نبوت کرنے والوں کے سلسلہ میں اپنی خوشنودی کو اللہ نے قرآن حکیم کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما دیا۔ سورۃ الفتح میں ہمیں سورۃ رضوان کی جنت جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ

أَكْبَدْنَهُمْ فَمَنْ نَكَتْ فَإِنَّمَا يَنْتَكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْ فِى
بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمَسِيئَةٌ يَوْمَ آخِرِ عَظِيمَةٍ ۝

”جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر (بعد بیعت کے) جو شخص عہد توڑے گا اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر (بیعت) اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے سو مغزریب اللہ تعالیٰ اس کو بڑا اجر دے گا۔“ (سورۃ آہ آت: ۱۰)

نبی اکرم ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمان غنی ؓ کا داہنا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بھی بیعت کی۔ اللہ اکبر۔ ذرا اس شرف عثمانی پر غور تو کیجئے۔ یہ بیعت جان نثاری کی بیعت تھی، یہ بیعت اپنے آپ کو راہ اللہ میں قربان کر دینے کے لئے تھی۔ اور حضور ﷺ کو حضرت عثمان ؓ کی تمنائے شہادت، ذوق ایمان اور جذبہ سرفروشی پر اس درجہ اکتاؤ تھا کہ اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھ کا ”قائم مقام“ بنا دیا۔

انتہائی کشیدگی کے لمحات گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان ؓ کی شہادت کی خبر بے بنیاد تھی۔ قریش نے صلح کے ایک معاہدہ کی تکمیل کے لئے کھیل بن مروی کی قیادت میں ایک وفد بھیجا۔ نبی کریم ﷺ اور قریش کے درمیان وہ معاہدہ مرتب ہو گیا جسے تاریخ ”صلح حدیبیہ“ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

اس صلح نامہ کی شرائط یہ تھیں

- ۱- مسلمان اس سال عمرو کی ادا جنگی کے بغیر واپس جائیں۔
- ۲- اگلے سال مسلمان عمرو کی ادا جنگی کر سکتے ہیں مگر مکہ میں ان کا قیام صرف تین دن کا ہوگا۔
- ۳- مسلمان ہتھیار بند ہو کر نہیں آئیں گے۔ وہ صرف تلواریں لے کر آ سکتے ہیں اور تلواریں نیاموں میں ہوں گی۔
- ۴- فریقین کے درمیان دس سال تک، جنگ بندی رہے گی، اور اس دوران دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف کوئی علانیہ یا خفیہ کارروائی نہیں کریں گے۔

۵- معاہدہ کی مدت میں قریش کا جو شخص بھی (خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان) مدینہ جائے گا، مسلمان اسے پناہ نہیں دیں گے بلکہ اسے قریش کو واپس بھیج دیں گے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ جائے گا تو قریش اسے مدینہ واپس نہیں بھیجیں گے۔

۶- اس وقت بھی مکہ میں تمہیک کی مسلمان کو مسلمان اسنے ساتھ مدینہ نہیں لے جائیں گے۔

۷- قبائل عرب کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے کسی کے بھی حلیف بن کر شریک ہو سکتے ہیں۔

اس صلح نامہ کی تکمیل و تحریر کے موقع پر جو پیچیدگیاں، چٹنی کشش اور اعصابی فضا پیدا ہوئی اس کو تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر دیا۔

مدینہ اطعم ﷺ نے باب العلم علی الرضیٰ ؓ کو کتابت معاہدہ کے لئے منتخب فرمایا۔ علی الرضیٰ نے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے آغاز کیا۔ کھیل بن مروی نے کہا کہ دستور عرب کے مطابق باسماک اللہم لکھا جائے۔ چٹانی علی ؓ پر غیرت کی لگیروں کا جال بچھ گیا۔ آنکھوں میں حرارت ایمانی کا آواز بھڑک اٹھا، مگر ان کی اب کشائی سے پہلے ہی رحمۃ اللعالمین ﷺ نے کھیل کی بات قبول فرمائی اور کہا کہ دستور عرب کی پیروی کی جائے۔

اور جب معاہدہ کا یہ فقرہ لکھا گیا ”ہذا ما قاضی علیہ فمخمسد و مسؤل اللہ“ (یہ وہ معاہدہ ہے جسے محمد رسول اللہ ﷺ نے تسلیم کیا) تو کھیل نے کہا اگر ہم آپ ﷺ کو اللہ کا رسول ہی تسلیم کرے تو کوئی بھڑکنا ہی کیوں ہوتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ عزوجل کی سونگہ۔ میں اللہ کا رسول ہوں، مگر چم تھکد یہ کرتے ہو۔“

اور پھر ”آپ ﷺ نے علی بن ابی طالب ؓ سے فرمایا رسول اللہ کا لفظ منادو۔ علی ؓ نے عرض کیا نہیں خدا کی قسم ہے میں آپ کا نام بھی (اپنے ہاتھ سے) نہ منادوں گا۔ حضرت علی ؓ کے الفاظ تھے ”لا واللہ لامحکوم ابدا۔“ پروردگار و امان رسالت ﷺ علی ؓ کے ان الفاظ سے جذبہ کی شدت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علی ؓ جو اطاعت کی تصویر اور حب رسول ﷺ کا ہیبتا جاگتا مجسمہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ”رسول اللہ کہاں لکھا ہے؟“ اور پھر یہ عبارت آپ نے خود حذف فرمادی۔

اور ابھی یہ معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ زنجیروں کی صدا بلند ہوئی اور ایک پاپہ زنجیروں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے قدموں پر لاگایا۔ اور اب سبھی "قیدی" ہر گناہ کا مرکز تھا۔ بیرون میں زنجیروں پر ہم پر چٹوں کے نشان، ہال خاک آلودہ، آنکھوں میں صبر و استقامت کے ساتھ ساتھ مجبوروں کے گہرے سانسے۔ اس کی بے زبانی، اس کی مظلومیت کی دستاویزی تھی۔ اس کی خاموشی ساری دنیا کے حق پرست مظلوم انسانوں کی تقریبی تھی۔ یہ تھے حضرت ابو جہلؓ۔ اسی کتبیل کے بیٹے جو اس معاہدہ کی تحریر کے سلسلہ میں قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک تھا اور جس نے تھوڑی دیر پہلے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کو تمام مسلمانوں کو جیسے ایک مسئلہ کے عالم میں جٹکا کر دیا تھا۔ وہ مسلمان جنہوں نے اپنی زبان کی قیمت پر رسالت ﷺ کی صداقت کی شہادت دی تھی۔

اسلام قبول کرنے کے "تخت" کے طور پر قریش نے ابو جہلؓ کے بیرون کو زنجیروں کا اور جسم کو چٹوں کا یہ عطیہ دیا تھا۔ ابو جہلؓ نے فریاد کی کہ "اے ہادی برحق میں نے تیری صداقت کی گواہی دی اور میری قوم نے مجھے اس راستے سے ہٹانے کے لئے بے دردی سے مارا ہے، مجھے جیڑاں پہنائی ہیں۔ اب تیری رحمت اللعالمین کے سانسے میں پناہ لینے آیا ہوں۔" ہر آنکھ اٹکھار ہوئی، اور ایک سکوت چھا گیا۔ اس خاموشی کو کتبیل کی کفایت آواز نے مجروح کیا۔ "صلح کی شرانگٹے ہو چکی ہیں۔ ابو جہلؓ کو آپ نہیں لے جاسکتے۔ اسے واپس کر دیجئے۔" حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ "ابھی صلح نامہ لکھا تو نہیں گیا ہے۔ تحریر اور دستخطوں سے پہلے اس پر عمل کیوں ہو۔" اس کلمہ صدق کا جواب یوں ملا۔ "تو پھر ہمیں صلح منظور نہیں۔" حضور ﷺ نے کئی بار کتبیل کو سمجھایا مگر اس کا انکار باقی رہا اور آخر حضرت خاتم المرسلین ﷺ نے ابو جہلؓ سے کہا۔ "ابو جہلؓ، صبر اختیار کرو۔ اللہ تمہارے اور دوسرے مظلوموں کے لئے اس علم سے نکلنے کی کوئی کتبیل کرے گا۔" ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے اور اب ہم اس سے پھر نہیں سکتے۔ یوں ابو جہلؓ کو اس طرح پاپہ زنجیروں پر اچھی سے ڈالنے سے بلکہ یوں کہنا درست ہوگا کہ "بہ شوق" آئے تھے اور "بہ ترماں" بن کر لوٹے۔

عمر ابن الخطابؓ، جن کی تمنا نے حق و باطل کو ایک دوسرے سے اور بھی دور کر دیا تھا،

اضطراب کے بوجھ سے بے قابو ہو گئے اور بیچ اٹھے کہ "حضور ﷺ، اللہ کے رسول ہیں، ہم مسلمان ہیں، پھر بدین کے مسئلہ میں یہ ذلت کیوں گوارا کر لیں اور عمر ﷺ کے بگڑے ہوئے جذبات کو بیکر صدق و تسلیم و رجا ابو بکر صدیقؓ کے ان شہنشاہتوں نے جیسے خشک میں بدل دیا۔" عمرؓ۔ رسول اللہ ﷺ کا دامن تھا ہے رہو۔ یہی دامن نجات کا وسیلہ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں (ﷺ)۔" صدیق اکبرؓ نے ایسے لمحہ میں حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دی کہ عمر ﷺ جن کا رسالت محمدیؐ پر ہی رجبہ یقین تھا، بے ساختہ کہہ اٹھے۔ "اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔"

مسلمان جب حدیبیہ سے لوٹے تو وہ دل شکستہ تھے۔ یہ تو نبی کریم ﷺ سے ان کی بے مثال اور غیر معمولی وابستگی تھی کہ وہ اس "صلح" کو قبول گئے۔ اگر اس جماعت میں ضبط و نظم کی ذرا سی بھی کمی ہوتی تو جذبات کے فیصلہ کے مطابق کھواروں کی جھلک سے مکہ کی وادیاں گونج اٹھیں اور یوں محرم مہینہ اور بیت اللہ کی حدود کی حرمت مجروح ہو جاتی۔ اس جماعت نے اپنے قاتک اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے سامنے اطاعت کا سر جھکا دیا تھا، مگر دلوں میں یہ سوال کھلب رہا تھا کہ یہ ذلت آجیڑ صبح کیوں کی گئی۔ ● اور دلوں کی اس کھلب کے موسم میں حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے سورۃ الفتح نازل ہوئی، سورۃ الفتح رات کو نازل ہوئی تھی۔ دوسری صبح صحابہ کرامؓ کھنکھانے سے پہلے حضور ﷺ نے فرمایا کہ۔

"رات بچھ پر ایک (ایسی) سورۃ نازل ہوئی جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ پسند ہے جن پر سورج طلوع ہوا۔"

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۚ لِيُخْفِرَنَّ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ
ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ۚ وَيُمْرِعْ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا
مُسْتَقِيمًا ۚ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيمًا ۚ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ
السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيُبْذَرُوا الْيَمَانَةَ مَعَ
إِيمَانِهِمْ ۚ ذُلُّهُمْ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ

عَلَيْمًا حَكِيمًا هُوَ الَّذِي جَعَلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ حَسَنَاتٍ تَحْسِرُ مِنْ تَحْقِيقِهَا الْأَنْهَارُ خَلِيدِينَ فِيهَا وَيُحَقِّقُ عَنْهُمْ سُبْحَانَهُمْ وَسُكَّانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ قَوْمًا عَظِيمًا ۝

”بے شک ہم نے آپ کو ایک فتح تمہیں (کھلی ہوئی فتح) عطا کی تاکہ اللہ تعالیٰ تمام اگلے پچھلے (شمنوں) کے اتہامات سے آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ پر اپنے اتہامات کی تکمیل کرے اور آپ کو سیدھے راستے پر لے چلے اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا لہجہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکوت (سکون) و اطمینان پیدا کیا ہے تاکہ ان کے پچھلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ (مصلحتوں کا) بڑا جانے والا بڑی حکمت والا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی جنت میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ ان کے گناہ دور کر دے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔“

(سورہ فتح ۲۸ آیت ۵ تا ۱۰)

اہل ایمان کی تحسین کے لئے وحی الہی کافی تھی، اگرچہ ابھی اس فتح عظیمین کے کتنے ہی پہلو وقت کے پردے میں چھپے ہوئے تھے مگر زمان و مکاں اور مکانات و حوادث کا خالق تو ان سے پوری طرح باخبر تھا، کیونکہ وہی مستقبل کے ان امکانات اور توفیق حیات کو تخلیق کرنے والا تھا۔ جذبات کے سببان میں جماعت مناسبتیں اس صلح نامہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ نہ لے سکتی تھی۔ عمرہ کے بغیر لوٹنا، ابو جندلؓ کی واپسی اور رسول اللہ کے ٹکڑے کا عذف کرنا۔ یہ واقعات ان کے دل و دماغ پر چھا گئے تھے اور جب جذبات کا یہ غبار چمن توحیدتوں نے اپنے آپ کو آشکارا کرنا شروع کر دیا۔

دس سال تک جنگ بندی کے معاہدے نے مسلمانوں کو قریش کے حملوں اور ریشہ وادنیوں کی طرف سے بے فکر کر دیا۔ اب وہ مدینہ میں اسلامی معاشرے اور اپنی مقبوضات میں ریاست اسلامی کے احکام کا کام پوری تعہیت خاطر کے ساتھ کرنے کے قابل ہو گئے۔ اس کے علاوہ

انہیں یہ موقع مل گیا کہ وہ عرب کے شمالی اور وسطی علاقوں کی ان قوتوں پر اپنی بلا لادنی قائم کر لیں اور نئے سکر کر لیں جو بظلم اسلام میں کانٹے کی طرح چھری تھیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد ہی غیر فتح ہو گیا اور اس کے بعد فدک، وادی القرظی، حجاز اور تبوک کی بیرونی استیساں اور گڑھ مسلمانوں کے تابع ہو گئے۔

معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو مسلمان مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ جائے گا اسے قریش واپس نہیں کریں گے، جب کہ مکہ سے مدینہ جانے والے مسلمان (اور غیر مسلم) کو مدینہ والے، مکہ واپس بھیج دیں گے۔ نظر بظاہر اس شرط میں کبھی احساس ہوتا ہے، مگر جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”میرا جزا دی جائے گا وہ ضرور مانتا ہوگا۔ اس کا جاننا ہی اچھا ہے۔ البتہ جس مسلمان کو ہم واپس کریں گے تو اس کے لئے خداوند کریم جلد سامان عاقبت پیدا کرے گا۔“

مکہ والوں نے مسلمانوں کو روک کر خود ہی اپنے ”دوئس“ میں اسلام کی تبلیغ کا سامان پیدا کر دیا۔ صاحب رحمۃ للعالمین (قاضی سلیمان منصور پوری) نے حضرت ابو جندلؓ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر ایک سال کی مدت میں مسلمانوں ہونے والوں کی تعداد تقریباً تین سو لکھی ہے۔ اسی طرح قریش کی اس شرط کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں نے عمر اور بدر کے درمیان صحیح کے مقام پر اپنی ایک ہفتی بسالی۔ ہوا یہ کہ ابو بصرہؓ مکہ معظمہ سے مدینہ پہنچے۔ قریش بھلا ایک مسلمان کی آزادی کیسے پر داشت کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے دو آدمی ابو بصرہؓ کی واپسی کے لئے بھیجے۔ نبی اکرم ﷺ تو ہر مومن کے لئے روف اور رحم تھے۔ ان کا دل اس خیال سے تڑپ اٹھا کہ واپسی کے بعد ابو بصرہؓ کو قریش کیسی کبھی اذیتیں دیں مگر محمد کی پاس داری کے تحت آپ ﷺ نے ابو بصرہؓ کو قریش کے نماندوں کے حوالے کر دیا۔ ابو بصرہؓ نے موقع پا کر ان میں ایک کو قتل کر دیا اور خود مدینہ پہنچ گئے۔ قریش کا دوسرا فرزند بھی فریادی بن کر پہنچا۔ ابو بصرہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ۔ آپ نے معاہدہ کے تحت مجھے تو قریش کے حوالہ کر دیا تھا۔ یہ تو اللہ نے میرے لئے رہائی کی تکمیل نکالی ہے۔ ویسے میں مدینہ میں رہ کر کوئی مسئلہ نہیں پیدا کرنا چاہتا۔ یوں ابو بصرہؓ نے صحیح کو اپنے قیام کے لئے چٹا روفتہ اور روفتہ ابو جندلؓ اور دوسرے مسلمان بھی وہاں جمع ہو گئے اور اس جماعت نے قریش کے تجارتی قافلہوں کے لئے سفر کو دشوار

ان کو ادا کر دو اور کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو جو ہر تم نے اپنی کافر بیویوں کو دیے تھے وہ تم واپس مانگ لو اور جو ہر کافر عورتوں نے اپنی مسلمان بیویوں کو دیے تھے انہیں دو واپس مانگ لیں یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ ظالم و ستم ہے۔“

(سورۃ المائدہ: آیت ۱۰)

اللہ تعالیٰ نے اس امر کی وضاحت فرمادی کہ حکم کا مقصد مسلم خواتین کا تحفظ ہے، اسی لئے چاہئے کہ نکاح اور استحکان کی شرط رکھی گئی تاکہ دوسری امر اغرض کے تحت مکہ سے مدینہ پہنچنے والی عورتوں سے مسلم معاشرہ کو بچایا جاسکے۔ یہ استحکان تو حنیف و درسات ﷺ کے اقرار تک محدود تھا کیونکہ کسی کے ایمان کی حقیقت سے صرف اللہ تعالیٰ ہی باخبر ہو سکتا ہے۔

یوں معاہدہ حدیبیہ فتح ”مین“ ثابت ہوا اور دوسری فتوحات کا دیباچہ جس میں فتح خیبر اور فتح مکہ اہم ترین ہیں۔ سورۃ الحج میں ان دونوں فتوحات کی بشارت دی گئی۔ بعض مقامات قرآنی فتح خیبر کے سلسلہ میں پیش کئے جائیں گے۔ یہاں چند آیات پیش کر دینی مناسب ہوں گی۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا
قَرِيبًا وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَحَسَنَّ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا
وَعَدَّكُمْ لِلَّهِ مُعَاتِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا فَعَمَلٌ لَكُمْ هَذِهِ
وَكَلَّمَ كَلِمَاتٍ السَّلْسِ عَنكُمْ ۖ وَلَيْسَ كَثِيرًا لِّلْمُؤْمِنِينَ
وَيَهْدِيكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۚ أَسْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ
أَخَذَ اللَّهُ بِهَا وَحَسَنَّ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ

”پہنچیں اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش و واجب کرے کہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیٹھ کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم تھا پس اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو انعام میں قرعہ فتح بخشا اور یہ کہ اس فتح میں بہت ہی تمہیں بھی دین میں کو یہ لوگ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ زیورست بزا حکمت والا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم سے (اور بھی)

نادیا۔ آخر قریش نے خود ہی عاجز آ کر معاہدہ کی یہ شرط منسوخ کر دی۔

مسلمان مردوں کے علاوہ بعض مسلم خواتین بھی مکہ سے مدینہ پہنچیں۔ سب سے پہلی مہاجرہ اکلثوم بنت عقبہ تھیں۔ ان کے بھائی معاہدہ کے حوالے سے ان کی واپسی کا مطالبہ کرنے پہنچے۔ سب ایک نیا سوال پیدا ہوا وہ یہ کہ معاہدہ کا اطلاق مسلمان مردوں کے علاوہ مسلمان عورتوں پر ہوگا یا نہیں؟ معاہدہ میں ”رجل“ کا لفظ ذکر کیا گیا تھا جو ”مرد“ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے معاہدہ کی شرط کے الفاظ کی طرف اکلثوم کے بھائیوں کی طرف توجہ دلائے تو بے فرمایا۔ ”سكان الشرط في الرجال دون النساء“ یعنی شرط عورتوں کے بارے میں نہیں مردوں کے بارے میں تھی۔ یہ بات تھی واضح اور سامنے کی تھی کہ اس کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا تھا۔

حضور ﷺ کا یہ فیصلہ وحی الہی کی روشنی میں تھا۔ سورۃ المائدہ اسی زمانے میں نازل ہوئی، جس میں مسلم مہاجر خواتین کے بارے میں حکم دیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا حَاتَكَ الْمُسْلِمَاتُ مِنْ مِهْجَرَاتٍ
فَمَا تَسْجُنُوهُنَّ أَكَلَّهُنَّ أَسْلَمَ بِيَمَانِهِنَّ ۚ فَبِمَا غَلَبَتْهُنَّ
مُؤْمِنَاتٌ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ مَلَاهُنَّ جَلَّ لَهُمْ وَلَا هُمْ
يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۗ وَأَنَّهُنَّ مَأْتَفَقُونَ ۗ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ
تَسْجُنُوهُنَّ إِذْ أَتَيْتُمُوهُنَّ أُخُورَهُنَّ ۗ وَلَا تُسَبِّحُوا بِعِصْمِ
الْكُفَّارِ وَاسْتَلُوا مَا نَفَقْتُمْ ۗ وَفِيئَتُوا مَا نَفَقْتُمْ ۗ ذَلِكَمْ حُكْمُ
اللَّهِ يُحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب مسلمان عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو ان کے مسلمان ہونے کی (چاہئے) چال چال کرو، اور ان کے ایمان (کی حقیقت) کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مؤمن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، نہ وہ کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لئے حلال۔ ان کے کافر شرابروں نے جو ہر انہیں دیے تھے وہ انہیں لوٹا دو اور ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم ان کے مہر

بہت سی شخصوں کا وہ درہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگ لوگ کے سو قری طور پر تم کو یہ (صحیح) عطا کر دی، اور لوگوں کے ہاتھ تم سے (جسہارے خلاف اٹھنے سے) روک دیئے ہیں تاکہ یہ اللہ اہل ایمان کے لئے ایک نشان بن جائے اور اللہ تعالیٰ سید سے راستے کی طرف تمہیں حمایت بخشنے اور ایک فتح اور وحی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی، اللہ تعالیٰ اس کا وعدہ میں لئے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

(سورۃ فتح: ۱۰۸ آیات ۲۳۱۸)

ان آیات میں فتح قریب سے مراد ”فتح خیبر“ ہے جو صلح حدیبیہ کا انعام تھی۔ قرآن نے اس بات کی تصریح کر دی کہ خیبر کی فتحیں اصحاب رضوان کے لئے مخصوص تھیں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے خیبر پر حملہ کے وقت دوسروں کو شریک نہیں کیا تھا۔ وحشت سے واپس آنے والے مہاجرین اور بعض دوسرے صحابیوں کو جو حصہ دیا تھا وہ تو کس سے دیا گیا یا اصحاب رضوان کی اجازت و رضا مندی سے۔ حق کے طور پر کسی کو کچھ نہ دیا گیا۔ اصحاب رضوان کے مرتبہ کا شاہد تو خود قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی خوشنودی کا اظہار و اشکاف الفاظ میں فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے دن اپنے ان اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ آج تم اس کرۂ ارض کی بہترین جماعت ہو۔

انتم خیر اهل الارض •



صلح حدیبیہ کے بعد عالم گیر دعوت اور فتح خیبر

صلح حدیبیہ اس حقیقت کا عملی اظہار تھی کہ قریش نے اسلام کو ایک ”مفرق“ کا درجہ دے دیا۔ دس سال کی جنگ بندی۔ دعوت ہانی کے دوسرے مرحلے کا آغاز تھی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف جزیرہ نمائے عرب کے لئے رسول بن کر نہیں آئے تھے، بلکہ وہ عالم انسانیت کی طرف اللہ کے پہلے اور آخری رسول ﷺ تھے۔ سورۃ الاعراف کئی دور کے آخری زمانہ کی سورت ہے جس میں ساری دنیا کے انسانوں سے یوں خطاب فرمایا گیا ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ خَاجِعًا بِالذِّبَى لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۗ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِى وَيُمِيتُ ۗ فَاسْمِعُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ السَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ۗ الَّذِى يَشْفَعُ عِنْدَ رَبِّهِ ۗ وَسَيَكْفِيهِ وَابِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ ۝

”آپ کہہ دیجئے کہ (دنیایاں) کے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین پر ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سوائے اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے (ایسے) نبی امی: (نبی) جو کہ (خود) اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان (نبی) کا اظہار کرتا کہ تم (راہ راست) پر آ جاؤ۔“ (اعراف: آیت ۱۵۸)

انبیاء و نبی کئی سورت ہے اور اسی میں حضور سرور کائنات ﷺ کو دنیایاں کے لئے رحمت قرار دیا گیا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۗ (سورۃ انبیاء: آیت ۱۰۷)

صلح حدیبیہ کے بعد وہ مرحلہ آ گیا جب نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی آقاویت اور عالم گیری کو

نے انداز سے قرآن حکیم نے پیش کیا۔ سورۃ الجمعہ مدنی سورت ہے جس کا پہلا رکوع صلیح حدیبیہ کے بعد نازل ہوا۔ اس میں حضور ﷺ اہل بیت کے بارے میں ارشاد ہوا۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَیْقَىٰ ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَأَخْرَجْنَا مِنْهُمْ لَمَامًا لِحَقْوَاهُمْ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

”وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی کی قوم میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنا تا ہے ان کی زندگی کو ستوارا اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ (اس رسول کی بعثت سے) پہلے سبھی گمراہی میں مبتلا تھے اور (اس رسول ﷺ کی بعثت) ان دوسرے لوگوں کے لئے بھی ہے جو ان ہی میں سے نہیں لے ہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست حکیم ہے۔“ (سورۃ الجمعہ ۲۹: آیات ۳-۲)

سورۃ الجمعہ کی تیسری آیت اس حقیقت کی قرآنی شہادت ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لئے تمام عربی و عجمی اقوام کے لئے ہے۔

صلح حدیبیہ سے ”فتح یمنین“ ہونے کا پہلا ثبوت یہ حقیقت ہی کہ حضور ﷺ نے سلاطین و امراء عصر کے نام تبلیغی خطوط اپنے سفیروں کے ذریعہ ارسال فرمائے۔ عالم گیر تبلیغ کا یہ سلسلہ عجم سے شروع ہوا ہجرت کے بعد اسلامی تاریخ کا نہایت اہم سال ہے۔

شاہد چش کو حضرت عمرو بن امیہ کے ذریعہ مکتوب نبوی بھیجا گیا، قیصر روم کے دربار کے لئے حضرت دجین بن حلیفہ الہکمی کو سفیر کے طور پر چنا گیا؛ خسرو پرورشہنشاہ ایران تک تبلیغی خط لے جانے کی سعادت عظمیٰ حضرت عبد اللہ بن حذافہ بھی ﷺ کو حاصل ہوئی، اہالی مصر تک پیغام حق پہنچانے کی خدمت حضرت حاطب ﷺ نے اپنے ذمہ لی؛ روم سے تیسرا تک سفیر رسال بن کر حضرت سلیمان بن عمرو بھی گئے اور حکام شام کے حضور کوصلح کن کی ادائیگی کا فرض حضرت شجاع بن

۱۔ عام خیال ہے کہ اس سال نازل ہوا ہے اور یہ کہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوا۔ ہم نے جات دہائی کی حاشیہ سے اسے تحریر کے لئے پیش کیا ہے، لیکن حضرت خلیفہ کے اس سے مراد صلح حدیبیہ ہی ہے۔

۱۔ وہب الاسدی ﷺ نے انہماج دیا۔

ان خطوط میں حضرت سیدنا محمد ﷺ نے ان حکمرانوں، امیروں اور رئیسوں کو مدنی حق کی دعوت دی۔ جو اہل کتاب تھے ان کے نام خطوط میں آپ ﷺ نے تحریر فرمایا۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْۤآءًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ..... (آل عمران ۳: آیت ۶۴)

”اے اہل کتاب! اس چیز کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خدا نہ بنائے۔“

وہ جن کی فطرت میں سعادت تھی، ان خطوط کی طرف متوجہ ہوئے، اور وہ جنہیں تاریخ کے لئے مثال عبرت بنانا تھا، سرکشی کے مرتکب ہوئے اور پھر وقت کی سدا جانگئے والی آنکھ نے دیکھا کہ ان کی عظمتیں کس طرح پارہ پارہ ہو گئیں۔

قیصر روم کے دربار میں ابولوفیان نے، جو تجارتی دورے پر تھے حضور ﷺ کی صداقت اور ایٹائے عہد کی شہادت دی؛ حالانکہ ابولوفیان، اس وقت حضور ﷺ کے دشمنوں کے سرخیل تھے۔ خسرو پرویز نے نامہ رسالت کو چاک کر کے اپنی سلطنت کے مقدر پر مہر ثبت کر دی۔ چند ہی برسوں کے بعد رسول عربی ﷺ کے نگاہوں نے عجم کی سلطنت کو فرمان کو ایمان کے قدموں سے کچل ڈالا، اور مملکت ایران بکھر گئی۔ شاہ چش نجاشی نے مکتوب نبوی پڑھ کر حضرت جعفر طیار ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ ۱۔ عزیز مصر نے سفیر رسول ﷺ کی تحریم کی اور

۱۔ اول نازل ہی جو خطوط سفیروں کے ذریعے بھیجے گئے۔ اس کے بعد بھی اکرم ﷺ نے عام کربان، عام عیال، اہلی مکان (اور ان میں سے) امیر مصر، عام روم، کابل، روم، شام، مصر، روم، سائے، خیال کے پاس، شام، یمن، اہل انام، سزا کو، کابل، ہٹا، اہل اور رئیسوں کے پاس مکتوب نبوی بھیجے گئے۔

۲۔ مکتوب رسول اکرم ﷺ کا پھر۔

۳۔ اس سلسلہ کی گزارشیں ایک موجود ہیں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو کبھی کسی کے درجہ نبوت اور نبوت تھی۔

۴۔ تاریخ طبری کے مطابق نجاشی نے حضرت امیر حبشہ کو حضور ﷺ کی جانب سے کابل کا خط بھیجا، اور اس میں حضور ﷺ کی تعریف، سب سے حضور ﷺ کا ذکر اور ان کے صلوات لکھا، اس سے نجاشی کی حالت بے حد متحیر اور محبت سے متصف تھی۔ اسی طرح جب نجاشی کی حالت بے حد متحیر اور اس صلوات کے ان کی ہمنوا میں خود حضور ﷺ نے فرمایا اور یہ کہنے ہوئے کہ میں لوگوں سے میرے دستوں کی خدمت گزاری کی ہے، اس سے میں تمہاری خدمت گزاری کو پاپانتا ہوں۔“

آپ کی خدمت میں تھے جیسے۔ ان تھوٹوں میں حضرت مار یہ قطعیہ^۱ بھی شامل تھیں جنہیں اہل کوشین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ رضی اللہ عنہا۔

صلیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا دور ماثوت یہ حقیقت تھی کہ جب قریش کے نوجوانوں کو مسلمانوں سے قدرت نصیب ہوئی تو ان کے دل کی دنیا بد لئے لگی، تاریکیوں کے قلب میں نواری کرشمیں چمکنے لگیں؛ پتھر جیسے دلوں میں ایمان کے خشک فطرت کے زوروروں سے پھونکنے لگے۔ یہی دور تھا جب خالد بن ولید اور عمر بن حاص رضی اللہ عنہما جیسے سپہ سالاروں کو اسلام نے جیت لیا۔ یہ مہر کا ایسا تھا کہ خالد اور عمرو بن حاص رضی اللہ عنہما نے نہایت خوشی کے ساتھ اپنے وجود کو اس دین کے سپرد کر دیا جس کو ماننے کے لئے انہوں نے اپنی کمواروں کے جوہر دکھائے تھے۔ خالد کو حضور نبی کریم ﷺ نے سیف من مسوف اللہ قرار دیا۔ اللہ کی کمواروں میں سے ایک کموار۔ عہد خلافت میں اسی کموار نے قیسری مملکت کو زیر و زبر کر دیا، اور عمرو بن حاص نے فراہمن کی سرزمین کو اسلام کے آگے جھکا دیا۔

صلیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ میں یہ بات پہلے ہی عرض کی جا چکی ہے کہ یہ صلیٰ علیہ وسلم خیر کا مقدمہ نبی اور اس سلسلہ میں سورۃ الحج کی آیات ۱۸ تا ۲۱ گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہیں۔

خیر بدینہ کے شمال میں واقع ہے۔ ابن سعد کے مطابق خیر بدینہ سے سوئیل کے قاصطے پہ پہیلنے ڈاؤنی کے حوالے سے فاصلہ دو سو میل لکھا ہے، جو درست نہیں معلوم ہوتا۔ مدینہ سے بونفیس کی جلاؤٹھی کے بعد خیر یہودیوں کی طاقت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا۔ خیر کا علاقہ لاؤسے کی تعلق ہوئی پہاڑیوں کے درمیان سات واویوں پر مشتمل تھا۔ عرب کے ریگستان میں یہ علاقہ جیسے سرسبز، شادابی کی ایک جنت تھا۔ چشمے ان واویوں میں رقصاں وغزل خواں ستر کرتے۔ انجیر بہ بہر خمیں فروزاں ہوتی تھی ترنج اور لیموں کی گٹھونوں کی خوشبو ہوا کے دوش پر ستر کرتی ہوئی دور تک اس علاقے کی شادابی کی داستان پہنچاؤتی تھی۔ انجور کی پھلیں سایہ دیوار کا کام دیتیں اور کھجور کے تناور دھڑوں کے نیچے آرام کرنے والوں کو حیرانے عرب کا سرکش سورج بھی اپنی کرنوں کے لشکر سے پریشان نہ کر سکتا تھا۔

ایک طرف تو فطرت کی یہ فیاضیاں اہل خیر کے حصہ میں آئی تھیں اور دوسری طرف اپنی دولت اور وسیع وسعت سے انہوں نے اپنے زہم میں چھوٹا قاش کلکت قلے سالم قنوس، مطاۃ

قصابہ مرہطہ اور شق ثعیر کے تھے۔ ان قصبوں میں ہزار سے زیادہ سپاہی آہن و فولاد میں فرق اپنی طاقت کے نشوونما دے ہوئے تھے۔

حضور ﷺ صلیٰ علیہ وسلم کے بعد مدینہ کو لوٹے تو اہل خیر نے اس صلح کو مسلمانوں کی کمزوری سمجھتے ہوئے ایک باہر پختہ انگیزی کی عرض سے سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ غزوہ احزاب کی شکست ان کے دلوں کا ناخوشگوار تجربہ تھی۔ طبقات کبیرا اس سلسلہ کے حوالے سے صاحب ”رحمۃ للعالمین“ نے لکھا ہے۔

”نبی ﷺ کو ستر حدیبیہ سے پہنچے ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن (ایک ماہ سے کم)

ہوئے تھے کہ سننے میں آیا خیر کے یہودی بھرمہ بیڑ میں حملہ کرنے والے ہیں“۔^۲

حقیقت سے یہ خبر دست ثابت ہو گئی۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو تحقیق اور حالات کے جائزے کے لئے بھیجا اور وہاں انہوں نے یہودیوں کے سردار اسیر بن رزام کی سازشوں اور ارادوں کو چوری طرح جان لیا اور یہ بات واضح ہو گئی کہ یہود اب کسی معاہدہ کے لئے تیار نہیں بلکہ وہ ایک فیصلہ کن جنگ کے خواہاں ہیں۔

اب مشیت ایزدی نے وقت اور تاریخ کے دھماکے کو اسلام کے حق میں موڑ دیا تھا۔ کچھ ہی دن پہلے کی بات تھی کہ مسلمان خندق کو گورا اپنے شہر کی مدافعت کر رہے تھے اور اب وہ وقت آ گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اعلان فرمایا۔

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجہاد

”ہمارے ساتھ کوئی نہ آئے سوائے اُن کے جو طالب جہاد ہیں“

یوں خیر پہلا معرکہ ہے جو اپنی نوعیت کے اہتمام سے تمام گزشتہ غزوات سے مختلف ہے۔ اس غزوہ کے ذریعہ اسلام کے مفتوحہ علاقوں کے سلسلہ کا آغاز ہوا۔

جب عمر سے حدیث نبوی کریم ﷺ نے خیر کا مقصد فرمایا تو وہی اعراب اور مدثر یک ستر ہونے کے لئے یہ قرار تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ستر عمر میں شریک ہونے کے گریز ان تھے اور جن کے نزدیک وہ ستر موت کی واویوں کی طرف ستر تھا اس صورت حال کو سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ

۱۔ ابن سعد نے انھوں کی تعداد بتائی ہے اور ۲۰۰ مسمیٰ دیے ہیں۔

۲۔ قاضی محمد عثمان منصور پوری ریزہ نعلان عبدالمصلح، ص ۱۸۸، بیروت، مکتبہ اہل بیت اور

ضرر پہنچاتے۔ (ایک صحابی ضرر شدید ہو گئے)۔ آپ ﷺ کو بروقت اس "سازش" کا علم ہو گیا اور یہودیوں نے اس کا اعتراف بھی کر لیا۔ جب حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ "کس بات نے تمہیں اس پر آمادہ کیا تو جواب دیا۔"

"اگر آپ ﷺ ہونے نبی ہیں تو ہمیں آپ ﷺ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ ﷺ (سچے) نبی ہیں تو آپ ﷺ کو زہر ضرر نہ دے سکے گا۔"

فتح خیبر کے بعد حضور علیہ السلام نے کاتب بن الربیع کی بیوہ حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا۔ وہ ربیع بن خیبر کی بیٹی اور بنو نضیر کے ربیع کی بیوہ تھیں۔ حضور ﷺ نے اس طرح "حفظ عراصب" اور "تالیف قلب" کی ایسی مثال پیش کی کہ یہود خیبر کے لوگوں پر گہرا اثر پڑا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے انہیں اختیار دیا کہ وہ اپنے گھر چلی جائیں یا امہات المؤمنین بھی شامل ہو جائیں۔ صفیہؓ، جو سعادت ازلی سے بہرہ مند تھیں، تربت رسول ﷺ کے حصول کے علاوہ دوسرا فیصلہ کب کر سکتی تھیں۔

خیبر کی فتح و صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی کتاب نصرت کا نہایت درخشاں باب ہے۔ یہودی عظمت و در اسلام پر سجدہ ہو رہے ہو گئی اور یوں مشرکین کی قوت ٹوٹ گئی۔ اب مدینہ کے مسلمانوں کے اجتماعی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا، چنانچہ اس موقع پر کئی فقہی احکام نافذ کئے گئے۔ جن میں پیچہ دار پرندوں، درندوں، گدھے اور چمڑے کے گوشت کی حرمت بھی شامل ہیں۔ کئی روایات کے مطابق صدی ہجری غزوہ کے موقع پر ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیا گیا۔

فتح مکہ تک

فتح خیبر کے بعد یہودی طاقت ختم ہو گئی، لیکن وہ اب بھی مکمل طور پر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ تھے۔ فکڑ اور جماعہ کے یہودیوں نے خیبر کی شرائط کے مطابق صلح کر لی، مگر وادی القرنی میں یہودیوں نے اچانک حیران کی بوچھاڑ کر دی۔ یہ جھڑپ یہودیوں کی شرارت کے سوا کچھ اور نہ تھی اور مختصر سے مقابلہ کے بعد وادی القرنی کے یہودیوں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔

اب اسلام کی بالادستی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ فتح خیبر سے فتح مکہ تک جو واقعات پیش آئے اور جو صورتیں اور آئینے نازل ہوئیں ان کا تعلق مسلمانوں کی دینی زندگی کے نئے تقاضوں اور معاشرتی اور اجتماعی زندگی کے عام گہر بہت اہم پہلوؤں سے ہے۔

صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ حضور نبی کریم ﷺ اگلے سال مرہ اور فرمائیں گے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ہی سورۃ المائدہ نازل ہوئی۔ اس سورت کے مضامین ہی اگلے سال کے عمرہ کی نوبت ہیں۔ مشرکین مکہ نے حج کے مناسک کو جس طرح بدل دیا تھا۔ اس کا ذکر "عرب قبل اسلام" کے تحت مختصراً کیا جا چکا ہے۔ المائدہ میں مسلمانوں کو ایک طرف "زیارت کعبہ کے سفر کے آداب" کی تعلیم دی گئی ہے اور دوسری طرف حد صلح حدیبیہ کے مشرکین نے مسلمانوں کو عمرہ کی ادائیگی سے روک کر صدیوں کی روایات کی ٹہنی کی تھی۔ مسلمان انتقاماً ان کا قتلوں کو مکہ جانے سے روک سکتے تھے جن کے راستے مدینہ اور دوسرے اسلامی علاقوں سے ہو کر گزرتے تھے۔ عادل مطلق نے مسلمانوں کو ایسی انتقامی کارروائی اور علم سے منع فرمادیا سورۃ المائدہ کی ابتدائی دو آیات ایجاز و جامعیت کا ربانی مجزہ ہیں۔ یہ آیتیں قانون سازوں اور قانون نویسوں کے لئے ایک دیستان اور کتب خانہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں ان بنیادی احکام کو سو دیا گیا ہے جن کا تعلق ادائیگی عمرہ سے ہے۔ احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت، شعائر اللہ کا احترام، حرام مہنتوں کی حرمت، قربانی اور نذر کے جانوروں پر دست درازی کی ممانعت ان لوگوں کا احترام جو کعبہ کے راہی ہوں۔ اور پھر صاف صاف یہ ارشاد کہ کفار کی طرح تم خانہ کعبہ کی راہ بند کر کے ناروا زیادتیوں کے مرتکب نہ ہونا۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۖ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَيْعَةٌ
الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا بَيْنَنَا عَلَيْكُمْ غَيْرِ مُجْبَى الصِّبْءِ وَأَنْتُمْ
حُرْمٌ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا تَجْسَلُوا شَعَاتِيرَ اللَّهِ وَلَا الشُّهُرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ
وَلَا الْغُلَامَ وَلَا الْيَتِيمَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَتَتَفَعُونَ فُضُلًا مِثْرَ
رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ وَلَا تَحْرِمُوا
شَيْئًا مِمَّا كَسَبْتُمْ مِنْ حَرَامٍ ۚ وَأَنْ تَكُونُوا مِنْ
تَعْتَلُوا ۚ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى
الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

”اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کر تمہارے لئے تمام جو پائے جو چرنے والے (یعنی اونٹ، بکری، گائے) ہوں حلال کئے گئے ہیں مگر جن کا ذکر آگے آتا ہے، مگر شکار کو حالت احرام (جیکرم احرام میں ہو) حلال مت سمجھنا ہے شک اللہ جو چاہے تم کو اسے اے ایمان والو! ہے فرضی نہ کہ واللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی، اور نہ حرمت والے عہدوں کی، اور نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی، اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پنے ڈال کر لے جائیں گے، اور نہ ان لوگوں کی جو کبیرت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں اور اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں اور جس وقت تم احرام سے باہر آ جاؤ تو شکار کرنا اور ایسا نہ ہو کہ تم اس قوم سے جو ایسا سب سے بغض (دشمنی) ہے کہ اس نے تم کو کعبہ حرام سے رد کر دیا تھا ۝ وہ تمہارے لئے اس

- ۱۔ ایمان عبادت سے صرف تو اہم اور نفا سے یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے ارشادات کو کجا سمجھ کر ان کے سامنے کرنا ہی بگاڑنا۔ یہاں اس امر پر توجہ دینا چاہئے کہ اللہ کا عہد ہوتا ہے۔
- ۲۔ وہ جس میں سرخین نے ان تمام شکاری کے علاوہ کسی بھی۔ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے ان تمام ساتھیوں کا وہ بھی اور انہی سے ایک وقت تو جاننا چاہئے کہ احرام میں گھسے ہوئے سرخین کی ساتھ قربانی اونٹنی کی نہ کرنا چاہئے۔ کارکن کے حرام سمیٹے اور بیعت الحرام کی صورت کا بھی احرام نہ کیا۔

کا باعث ہو جائے کہ تم سے نکل جاؤ اور سبکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو۔ یہ شک اللہ تعالیٰ نعمت سزا دینے والا ہے۔“

(سورۃ المائدہ: ۱۰۵، ۱۰۶)

صلح حدیبیہ کے اگلے سال سرور میں ﷺ، بیت اللہ کے طواف اور عمرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ وہ سارے ریش، اس کاروان شوق میں شامل تھے جو پچھلے سال حدیبیہ سے واپس لوٹ آئے۔ سوا سے ان کے جو اس درمیانی مدت میں اپنے خالق سے جا ملے تھے۔

کئے کے ذرات، قلب صفت اس وقت جھڑک اٹھے نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی حرم کی طرف بڑھی۔ مہتاب رسالت کے گرد صحابہ کرام ﷺ کی کھٹکھٹان بجاگھری تھی۔ حضور ﷺ کے ہاتھ کی مہاجر حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ کے ہاتھوں میں تھی اور ان کے ہاتھوں پر الفاظ تہزین کر قہقہے کر رہے تھے۔

حللوا بنی الکفار عن سبیلہ

الیوم نصر بکم علیٰ تنزیلہ

ضربنا یزید الہمام عن مقلبہ

ویذہل الخلیل عن خلیلہ

”بہت جاؤ کافر، بہت جاؤ کافر، اس کی راہ سے بہت جاؤ۔ آج اگر تم نے اترنے سے روکا تو ہم وار کر دیں گے۔ وہ وار جو سر کو خواب گاہ جیسے الگ کرے اور قلب پارے دوست کی ہر یاد چھین لے۔“

یہ قافلہ، اہل ایمان میں دن میں دہرے میں مقیم ہوا۔ زعمائے قریش کے لئے نبی اکرم ﷺ کی اس شان سے تعریف آوری۔ اس وجہ سے اس ثابت ہوئی کہ ان میں سے بیشتر کہ چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے گئے تھے اور آپ ﷺ کے واپس تشریف لے جانے کے بدلے لائے۔ اللہ کا رسول ﷺ کفر کی اس گراں خاطری اور اس کے سلطان میں چھپی ہوئی کست خوردہ ذہنیت کو خوب جانتا تھا، اسی لئے اس نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین پتھروں میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ”اکڑتے ہوئے چلیں“۔ حالانکہ ”مہاجر الرضین“ کی عام رفتار زندگی میں اس سے مختلف ہوتی ہے اور۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْسُكُونَ عَلَى الْأَرْضِ هُونَ وَأَذًا
حَسَابَتُهُمُ الْجَهْلُونَ قَالُوا سَلَامًا وَالَّذِينَ يَبِينُونَ لِرَبِّهِمْ
سُحُودًا وَقِيَامًا وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ رِزْقًا أَصْرَفَ عَنَّا
عَذَابًا جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۲۵﴾ (النور: ۲۵)

”وہ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلنے ہیں“

رمل (آکر کر چلنا) کے حکم کی ایک اور مصلحت کفار مکہ کے سامنے مسلمانوں کی اہلی جسمانی صحت اور عسکری جذبہ کا اظہار بھی تھی آج بھی عمرہ اور حج کرنے والے اسی سنت پر عمل کرتے ہیں کون جانے ان میں سے کتنوں کے ذہن رمل کے وقت تقریباً پندرہ سو سال پیچھے وقت میں سڑ کر رہ گئے۔“

حج مکہ سے پہلے کے واقعات میں فرقہ فساد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ موتی کے والی شریعیل بن عمرو حسانی نے تمام آداب و روایات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شاہ بصری کے نام مکتوب رسالت ﷺ لے جانے والے سفر حضرت خالد بن ولیدؓ کو اپنے علاقہ سے گزرتے ہوئے شہید کر دیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے جنابی الاولیاءؓ میں جنیں ہزار سر فریوں کا لشکر قحاص کے لئے مرتب فرمایا اور حضرت زید بن عاصیؓ کو ساری کا اعزاز عطا فرمایا حضور ﷺ اس لشکر کو رخصت کرنے کے لئے عیثیہ الوداع تک تشریف لے گئے، اور حضرت زیدؓ کو اپنا سفید علم عطا فرماتے ہوئے ارشاد کیا کہ زیدؓ کی شہادت کے بعد لشکر کے سالار حضرت جعفر طیارؓ ہیں اہلی طالب ہوں گے، اور ان کی شہادت کی صورت میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ حضرت ابن رواحہؓ کی شہادت کے بعد لشکر اسلام کو اپنے سالار کے انتخاب کا اختیار ہوگا۔

ادھر شریعیل کو اسلامی لشکر کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی اور جب تین ہزار سر فریوں معان کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آگے ایک لاکھ سپاہیوں کے عساکر صرف آراء ہیں۔ کچھ صحابہ نے رک کر انتظار کرنے اور حضور رسالتؐ آپ ﷺ کو اطلاع دینے کا مشورہ دیا، لیکن وہ رجز خوان رسالتؐ جس کے ہاتھوں میں ادا سے عمرہ کے وقت تاقہ رسالتؐ کی مہارت تھی اور جس کے ہتھوں پر نعرہ رقص کر رہا تھا۔

اس نے اس موقع پر بھی یہ نعرہ مستان بلند کیا ”قیقوا! ہم تو عروس شہادت کو گلے سے لگانے یہاں تک آئے ہیں۔ حج ہمارا مقصد نہیں۔“

ع شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

بیچھے بننا؟ تم میں سے کون اس کے بارے میں سوچے گا اور انتظار آخر کیوں؟

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کا شوق شہادت الفاظ کے قالب میں ڈھلا، اور یہ الفاظ رفیقوں کے وجود میں اس طرح اتر گئے جیسے ”شان گل“ میں بادِ حرم کا ہی کاغذ۔ جنیں ہزار نے ایک لاکھ کے لشکر کو لاکھا۔ حضرت زیدؓ کی شہادت کے بعد ابو طالب کے بیٹے جعفر طیار صرف اعداد میں گھس گئے اور بیخ زنی کا ایک نیا باب تاریخِ حرب میں اپنے بازوؤں کی قوت سے رقم کیا۔ ان کی شہادت کے بعد جب حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ذمہ زخم بدین کو میدانِ جنگ سے اٹھایا تو اس شہید راہِ حق کے جسم پر نوے ذمہ لگنے لگے۔ ہر ذمہ بیٹے پر یا سارے رخ۔ جعفرؓ کی بیٹی زینبوں سے پاک تھی۔ اب سالارِ امی عبداللہؓ بن رواحہ نے سنبھالی۔ جنت کے در پچوں سے آنے والی شیم ان کے لئے دعوت تھی۔ ایسی دعوت کو قبول انہوں نے خون کے قطرؤں سے اپنا راستہ تراشا اور چادہ مصداق کو میدانِ دعا کے چنگوٹوں میں طے کیا۔ ابن رواحہ نے تو یہ سارا سفر ہی ان اشعار کو دہراتے ہوئے طے کیا تھا جو ان کے شوق شہادت کے آئینہ دار تھے۔

حضرت ابن رواحہؓ کی شہادت کے ساتھ ہی مسلمانوں کے قدم میدانِ جنگ سے اٹھ گئے۔ اس وقت جب ہزیمت اس لشکر کا مقدر معلوم ہوئی تھی ایک انصاری نے اسلامی پرچم کو سنبھالا۔ برقِ رفتاری سے ابن بھگتے ہوئے مجاہدوں سے آگے بڑھے اور پرچم کو زمین میں گاڑ کر حزبِ اللہ کو آواز دی کہ آؤ اس علم کے رجب ہو جاؤ تمہارے مقاصد کی علامت ہے اور جو نبی اکرم ﷺ کا عطا کر دہ ہے۔ بھگتے ہوئے قدم رک گئے۔ امواجِ گریز اس فصلِ سنگ و آہن بن گئیں۔ انصاری مجاہدؓ نے علمِ حرم خاندانِ بن ولیدؓ کے سپرد کیا اور پھر خالدؓ نے میدانِ جنگ میں اپنی شجاعت کے عملی نمونے کے ذریعہ دوست اور دشمن پر یہ حقیقت آشکار کی کہ اللہ کی تلوار (سیفِ اللہ) کسی ہوتی ہے۔ خالد کا بازو نے شمشیرِ زن اس دن بازو نے شمشیرِ تمکن بھی تمکن بن گیا اور ”سیفِ اللہ“ کے ہاتھ سے تلواریں ٹوٹیں۔

علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبیینؐ جلد اول میں اسلامی لشکر کو کھست خوردہ قرار دیا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے حاشیہ میں اس لفظی کی اصلاح فرمادی ہے۔ ویسے سید صاحب کا یہ فرمانا درست نہیں کہ اس لفظی کی اساس ابن اسحاق کا بیان ہے۔ ابن سعد نے مسلمانوں کو گلست خوردہ بتایا ہے، جب کہ ابن اسحاق کے بیان کے مطابق یہ جنگ کسی فیصلہ کے بغیر ختم ہوئی اور ابن حجر نے بخاری کی روایت کے مطابق مسلمانوں کو فتح مند کہا ہے۔ خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس لفظ کو ”فراری“ نہیں بلکہ ”کمراری“ فرمایا، یعنی یہ لوگ پیچھے نہیں ہٹے ہی اس لئے تھے کہ پلٹ کر حملہ کریں۔ دوسرے صحیحی دلائل اور آثار قرآن بھی مسلمانوں کی فتح کے بیان کے حق میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمان اپنے مرکز سے بہت دور تھے اور لشکر کفاران سے بے تیشی چالیس گنا زیادہ تھا۔ اگر مسلمان گلست کھاتے تو واپسی کیسے ممکن تھی اور دشمن ان کا تعاقب کسے بغیر نہیں واپس کیوں آئے دیتا۔ پھر ایک بے ترتیب اور ہزیمت خوردہ فوج کا فرار کتنے بھیاں تک نتائج کا حامل ہوتا اور شہداء کی مجموعی تعداد سترہ (۷۷) تک محدود نہ ہوتی۔

فتح مکہ

صلح حدیبیہ کے فتح یمن ہونے پر گفتگو متعلقہ باب میں کی جائیگی ہے۔ صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب کو اپنی مرضی کے مطابق مسلمانوں یا قریش کا حلیف بننے کا حق تھا۔ اس شرط کا تحت دورِ ابائی حریف اور حارث قبیلوں میں سے بنو خزاعہ مسلمانوں کے، اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے تھے۔

بنو بکر نے اس معاہدہ کے ذریعہ دو سال کے بعد ہی قریش کی حمایت کے بل بوتے پر خزاعہ پر مظالم کا سلسلہ شروع کر دیا، انتہائی حدودِ حرم میں بھی قریش نے بنو بکر کے ساتھ حملہ کر، بنو خزاعہ کے خون سے اپنی تلواروں کو آلودہ کر لیا۔

رسول اکرم ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان تشریف فرما تھے کہ خزاعہ کے فریادی عمرو بن سالم کی قیادت میں فریادگناں پہنچے اور عمرو کی آواز گونجی۔ ”اے خدا! میں محمد ﷺ کو باہمی عہد اور وعدہ یاد لاتا ہوں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ ہماری نصرت فرمائیے اور اللہ کے بندوں کو (ہماری اعانت کے لئے) آواز دیجئے۔ سب آپ ﷺ کی آواز پر جمع ہو جائیں گے۔“ اس فریاد نے قلب رسالت ﷺ کے گداز کو ہمارا دیا۔

فریادیوں نے مظالم کی تفصیل بتائی لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اس نازک مرحلہ پر بھی انصاف کے ہر تقاضے کو پورا کیا۔ آپ نے قریش کو اپنے قاصد کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ:

(۱)..... یا تو مستقوں کا خون بہاؤ اور کیا جائے۔

(۲)..... یا قریش بنو بکر کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔

(۳)..... یا معاہدہ حدیبیہ منسوخ قرار دیا جائے۔ قریش نے تیغ معاہدہ کی شرط منظور کر لی۔

اس معاہدہ کی تیغ کے ذریعہ خود قریش نے کارِ نبوت کی تکمیل کا سامان مہیا کر دیا۔ حرمِ کعبہ کو بتوں کے وجود سے پاک کئے بغیر ہر زمین عرب میں ”توحیدِ خالص کا احیاء“ ممکن نہ تھا۔ اب

• قاصد کی روانگی کے بعد پہلی کورس سے حال کی جنگ کا احساس ہوا۔ انہوں نے توجہ سے معاہدہ کے لئے اہل یمن کو بھیجا لیکن اب چوتھے کیمبرف جنگی اور سلطان کی خبر ہواں کے باعث نہ تھے۔

• صاحبِ سہابِ حاکم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضرت خالد بن ولید کی طرف سے ان کی بہت ہی حماقت کو دیکھا گیا اور نبوت پائی۔

فتح مکہ میں حضرت دہلی، سارنگ پور، جالندھر، تروہن (پنجاب) اور مدینہ (مکہ) کے لوگوں نے شرکت کی۔

یہ بدری ہیں۔ کیا تمہیں وہ اور اشارہ دہانی پانچوں کا اہل بدر سے کوئی مواخذہ نہیں؟۔ یہ سنتے ہی سیلاب چشم نے عمرؓ کے نصیر کی آگ بجھادی۔ سورۃ اسعد کی پہلی آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ دیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَعْدٰوِيْ وَعَدُوْكُمْ اَوْلِيَآءَ
تَلْفُوْنُ اِلَيْهِمْ بِالْمَوْدُوِّ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاءَكُمْ مِنْ الْحَقِّ
يُخْرِجُوْنَ الرُّسُوْلَ وَيَاْتِيْكُمْ اَنْ تُوْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَجِيْمًا
كُتِبَتْ لَكُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِ وَيَتَّعَدُ مَرَضَاتِيْ لِيَسْرُوْنَ
اِلَيْهِمْ بِالْمَوْدُوِّ وَاَنْتُمْ اَعْلَمْتُمْ وَمَا اَعْلَمْتُمْ وَمَنْ
يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

”اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کر لے، حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں رسول اللہ ﷺ کو اور تم کو اس باہر کہ اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے آئے شہر بدر رکھے ہیں تم میرے رستہ پر جہاد کرنے کی فرض سے اور میری رضامندی و رضوت سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو اور ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ کوسب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر رکھتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ جو شخص تم میں ایسا کرے گا وہ راہ راست سے ہٹے گا۔“ (سورۃ اسعد: ۶۰-۶۱)

۱۰ رمضان ۱ھ کو قافلہ نبوت مکہ کے نواح میں تھا۔ مسز الطہران میں لشکر اسلام نے ۱۵ ذی ۱۱۔ رات کو جب تمہیں کے گرد مختلف مقامات پر آگ روشن کی گئی تو تاریکی کا جگر چاک ہو گیا۔ شبلی کے الفاظ میں ”تمام صحرا وادی امن میں گیا۔“ یہ روشنی اس حقیقت کا اشارہ دین گئی کہ کفر کی رات کا خاتمہ آج پہنچا اور اب ام القریٰ پر اسلام کے سورج کے چمکنے کی گھڑی آگئی۔ ابوسفیان بن حارث اور عبد اللہ ابن ابی امیہ، مکہ سے نکل کر لشکر اسلام میں آگئے۔ یہ ابوسفیان حضور ﷺ کے چچے سے اور دودھ شریک بھائی اور عبد اللہ بن ابی امیہ حضور ﷺ کے چچو بھی زاد

دوست آگیا تھا کہ اللہ کا راستہ روکنے والوں سے ان کا مرکز چین لیا جائے۔ بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ دینی و دنیوی اور مرکز روحانی بن چکا تھا۔ دین میں پانچ مرتبہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہوئے ان کے دلوں میں یہ خیال آتا ہی ہوگا کہ ہمارا مرکز کب تک کفر کے زیرِ نگیں رہے گا۔

حضور ﷺ نے مکہ کی طرف پیش قدمی کی تیاریاں اس احتیاط کے ساتھ شروع کیں کہ اہل مکہ کو معلوم نہ ہو۔ چند صحابہ کے علاوہ عام لوگوں کو عزم نبوی کے بارے میں کچھ خبر نہ تھی۔ اتفاق سے مکہ معظمہ سے ایک عورت آئی اور حضرت حاطبؓ، ابن ابی ہاشم نے حضور ﷺ کے منصوبہ کے بارے میں مکہ کے بعض سرداروں کے نام خط لکھ کر اسے دے دیا۔ وہ عورت مدینہ سے روانہ ہوئی تھی ہی کہ خبر صادق طایر اصول و اسلام کو اس کے رب نے مطلع کر دیا۔ حضور ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کو بھیجا اور اس جماعت نے مدینہ سے گیارہ میل کے فاصلے پر یہ خط اس عورت سے چھین لیا۔ حضور ﷺ نے جب حضرت حاطبؓ سے اس خط کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

”یا رسول اللہ ﷺ! واقعی میں نے یہ چھپی لکھی، لیکن مجھے خدا نے طہیر کی قسم ہے کہ یہ فعل میں نے نہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی نیت سے کیا اور نہ کافروں کی بھلائی کے خیال سے، بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ دوسرے مہاجرین کی مکہ معظمہ میں رشتہ داری اور قربت ہے۔ ان کے مال و اولاد کی حفاظت اس رشتہ تاتہ کے سبب ہو رہی ہے اور میں غیر ملک کارہنے والا ہوں (حضرت حاطبؓ یعنی تھے) مکہ والوں سے کوئی رشتہ نہیں۔ میرے مال اور اہل و عیال کی حفاظت کرنے والا وہاں کوئی نہیں۔ چونکہ مجھے کمال یقین تھا کہ خدا نے برتر اپنے دین کا بول بالا کرے گا اور اس کے نبی کو ہر حال میں فتح ہوگی، میں نے خیال کیا کہ اگر اہل مکہ کو اس چیز حائی کی اطلاع دے دوں تو اس سے اسلام اور اہل اسلام کو تو کوئی ضرر نہیں، البتہ قریش میرے احسان مند ہو کر میرے اہل و عیال اور اسوالم کی حفاظت کریں گے۔“ ۱۰

اسلام کی شمشیر برہنہ قاروق ﷺ نے کہا۔ ”امیازت ہو تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔“ یہ سن کر شفقت، رحمت اور رحمت کے شیر سے ٹکدے سے ہوئے وجود ﷺ نے فرمایا۔ ”عمر! ۱۰

بھائی اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے سوتیلے بھائی تھے۔ دامنِ رحمۃ لعلنا لعین ﷺ نے انہیں اپنے آپ میں سمیٹ لیا۔ اہم مشہور مخالف اسلام ایوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ جاسوسی کے لئے اسلامی شہرہ گاہ تک آئے۔ نگہبانوں نے انہیں دیکھ لیا حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ تو فوراً واپس ہو گئے، لیکن ایوسفیان کو گرفتار کر کے حضور سرور کائنات ﷺ پیش کیا گیا۔ حضرت عباسؓ کی سفارش پر آپ ﷺ نے ایوسفیان کو معاف فرمایا جو اسلام کی فتح کئی کے سلسلہ میں قریش تک کا داغ تھا، جو لشکرِ کفار کے خاص منصوبہ بندیوں میں سے تھا، جو حضور ﷺ کے قتل کی سفارش کرنے والوں میں سے تھا لیکن اس سب جرائم پر عیسٰی عفو رحمت عالم ﷺ نے خطِ نبویؐ پھیر دیا اور وہ قومِ فرمانِ معافی پر ہر رسالت کی مانند شہید ہو گیا۔

جب کا رد ان رست، رحمۃ لعلنا لعین تک میں داخل ہونے لگا تو حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ایوسفیان کو "پھاڑ کر چوٹی پر کھڑا کر دو" تاکہ وہ اللہ کی نصرت اور اللہ کے لشکر کی پیش قدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اور پھر ایوسفیان نے دیکھا کہ وہ جماعت جس نے چھ سال پہلے ہی زمانے (رمضان) میں بدر کے میدان میں انتہائی بے ہوش سامانی کے عالم میں کفر کا مقابلہ کیا تھا، آج خوشبو کی موجوں اور دریاے رحمت کی لہروں کی طرح کفر کے مرکز کو جلوہ گر تو حید میں بدلنے کے لئے آگے بڑھ رہی تھی۔ حضور ﷺ کے یوں پر سورۃ الفتح کی آیات تمہیں۔ ایوسفیان نے کہا۔ "عباس! تمہارا ہمتیجا تو شہنشاہوں کے جہروت کے ساتھ کہ میں داخل ہو رہا ہے۔" حضرت عباسؓ نے جواب دیا۔ "ایوسفیان! یہ شہنشاہوں کا جہروت نہیں، یہ حق کا جلال و جمال ہے۔"

یہ وہ گھڑی تھی جب خدا نے ذوالجلال و صاحبِ جہروت نے اپنے اس وعدے کی تکمیل تک پہنچایا یا جو اس نے اپنے بندے سے کیا تھا۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَاتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۗ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۗ وَإِنَّا حُنَدُنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۗ فَتَوَلَّ عَشْمُ حَتَّىٰ حِينٍ ۗ وَأَبْصَرَهُمْ فَسَوَفَ يُبْصِرُونَ ۗ

● ایوسفیان نے اس اہم اسلامی یاد دہانی کے سامنے ہر اہل کفر ایمان قبول کیا لیکن بعد کے واقعات ثابت ہیں کہ ان کا اسلام پختہ نہ ہو سکا، فرود خانہ اور ہرمک میں ان کی شہادت کے اعلان کے شہادت ہے۔

"اور ہمارے خاص بندوں یعنی رسولوں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے کہ بے شک وہی غالب کے جائیں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے تو آپ (تسلیم کر کے اور) حضورؐ سے زمانہ تک (مہربان کیے اور ان کی مخالفت اور ایذا رسانی کا خیال نہ کیجئے اور (ذرا) ان کو دیکھتے رہئے سو مغرب یہ بھی دیکھ لیں گے۔"

(المائدہ: ۳۲، آیات ۱۵۵، ۱۵۶)

یہ آیات کئی دور کے وسط میں نازل ہوئی تھیں، جب کفار، ایک موج بلا نیوزی طرح اسلام کو بھالے جانے کا یقین رکھتے تھے۔ مسلمان حق پرستی کے عوض ہر ایذا اور ظلم کا برف تھے اور اس وقت مومنین کے حلقہ کے علاوہ کسی کے حاشیہ کشیاں میں بھی کسی بات نہیں آسکتی تھی کہ ایک دن کفر اپنے مرکز میں حق کے سامنے یوں سر ہنجد ہوگا۔ آج اسلام کی عظمت کے ساتھ ام القریٰ کے ایک نئے دور کی تاریخ کا پہلا باب تاریخ کی جہیں پر تحریر کر رہا تھا۔ وہ تحریر جس کے خواہی رد و امیران کی فتح تک تکمیل گئے۔

اور پھر کہ دالوں نے حیرت کے ساتھ سنا کہ حرم کعبہ کے علاوہ ایوسفیان کے گھر کو بھی دارالامن قرار دے دیا گیا۔ یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ جو اپنے گھر کے دروازے بند رکھے گا اس سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔ حکیم بن حزام کے گھر کو بھی دارالامن قرار دے دیا گیا۔ لیکن اس سلوک رحمت کا بدلہ قریش کی ایک جماعت نے یوں دیا کہ تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شہید کر دیا۔ ان کے اس منکر لوہا پسا کرنے کے لئے سیف اللہ خالدہؓ کی تلوار چمکی اور دشمن تیرہ لاشے چھوڑ کر ہماگ نکلا۔

اللہ کا آخری رسول ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوا۔ یہ حضور ﷺ کے چہرہ امیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ قوت حید خانے سے تین سو ساٹھ جوں کو نکال دینے کی ساعت تھی۔ حضور ﷺ ان جوں پر اپنی چھتری سے ضرب لگاتے جاتے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت پڑھتے جاتے۔

جَاءَهُ الْحَقُّ وَرَزَقَهُ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

"حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو ٹھنڈی ہی والا تھا۔" (بنی اسرائیل: ۸۱)

تعمیر کعبہ کے بعد دربار نبوت میں قریش کے سردار حاضر ہوئے۔ آج ان سب کی آنکھوں میں ندامت تھی اور دلوں میں خوف کے سائے۔ آج یہاں کے سامنے کھڑے تھے جسے انہوں نے مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا اور جس کے پیغام کو کھینچنے کے لئے انہوں نے مدینہ پر دھاوے کئے تھے۔ حضور ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ تاریخ کے ہر فاتح کے خطبہ سے مختلف تھا۔ اس فاتح نے اللہ کی توحید کا نغمہ بلند فرمایا اور پھر قریش کو وحدت آدم ﷺ کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ جاہلیت کا ہر فرزند اور ہر فرزند خدا سے منادیا۔ برتری سب کو نہیں تھی تو کی حاصل ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ آدم علیہ السلام کی نسل سے ہو، اور پھر اس ارشاد کا سلسلہ قرآن حکیم کی اس آیت سے وابستہ کر دیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۗ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ٥

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور پھر تمہارے شہوب و قبائل (قومیں اور برادریاں) بنا دیئے تاکہ ایک دوسرے سے تعارف ہو سके اور حقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ ہے، اے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔“ (المزمت ۱۳۹، ۱۴۰)

اس خطبے کے بعد حضور ﷺ نے قریش کے سرداروں کی طرف رخ فرمایا۔ یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کردار سے تواقف تھے۔ جانتے تھے کہ یہ ”شریف بھائی“ اور ”شریف بھائی کا بیٹا“، عظیم نہیں کرے گا، لیکن اس جاننے کے باوجود وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ اس فاتح کی زبان سے یہ الفاظ نکلیں گے۔ ”چاہو تم سب آزاد ہو۔“ نبی اکرم ﷺ پر روانہ آزادی قرآن حکیم کے ان الفاظ سے جاری ہوا ”لا تترسب علیکم الیوم“ یہ الفاظ ادارۃ نبوت کی وحدت اور تسلسل کی بھی گواہی ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے یہی بات اپنے بھائیوں سے ارشاد فرمائی تھی۔

اس سلوک کی نظیر انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ ہمارے دور میں بھی تمدن و تہذیب کے

مدنی متنوع قوموں کا سودا ہوا کرتے ہیں جیسے گورکن آپس میں قبریں تقسیم کر لیں۔ شعیبہ اقوام سے اقوام متحدہ تک۔ ساری روئیداروں اس آئینے کے سر پر تقسیم ہو کر اٹھنے سانسٹا اندر

لیکن رحمتہ للعالمین ﷺ نے اپنے اور مسلمانوں کے خون کے پیاسوں کو صرف ”آزادی“ ہی عطا نہ فرمائی بلکہ نہایت فیاضانہ سلوک کیا۔ مہاجرین کے مکانوں پر قریش مکہ کا قبضہ تھا۔ آپ ﷺ نے مہاجرین سے فرمایا کہ ”تم میں سے جو لوگ مکہ میں رہنا چاہیں وہ اپنے لئے دوسرے مکان بنائیں، لیکن اب ان میں رہنے والوں کو بے گھر نہ کیا جائے۔“

فتح مکہ کی نوعیت خطبہ فتح مکہ سے ابھر کر ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ اس خطبہ کے الفاظ آج بھی ہمارے ہیں کہ فتح مکہ کو نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے قدسی نفس ساتھیوں نے ذاتی سرپرستی کا سبب نہیں سمجھا، بلکہ ان کے نزدیک یہ فتح حق و باطل کی ایک سالمہ اور پیش میں حق کی فیصلہ کن فتح تھی۔ حق کی یہ فتح تھی تو نبی کی سرپرستی کا اعلان تھی۔ حق کی یہ فتح تمام امتیازات، تقویٰ نسلی اور نسبی امتیاز اور باطل فخر کی موت تھی۔ یہ فتح وحدت آدم ﷺ کے مقرر نامہ پر عمل رسول اللہ ﷺ کی محکم اور دائمی مہر تھی۔



غزوہٴ حنین

بیت اللہ (جو اگرچہ دارالعلم بن گیا تھا) نے مکہ کو اہل عرب کی زندگی میں ایسی مرکزیت عطا کر دی تھی کہ فتح مکہ کے بعد اہل عرب جو جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے، لیکن ہوازن اور ثقیف کے قبیلے اس صورت حال کے سامنے پہرا نماز نہ ہوئے۔ یہ جنگ آزما اور اہم جو قبیلے تھے۔ حیرانمازی میں ہوازن کا کوئی حریف نہ تھا۔ ان قبیلوں نے سوچا کہ اگر وہ اس دین اور اس کے رسول ﷺ کو شکست دے دیں (معاذ اللہ) تو قریش کی جگہ عرب کی قیادت انہیں مل جائے گی۔

اس منصوبہ کے تحت ہوازن اور ثقیف نے مکہ پر حملہ کے منصوبے بنائے۔ نبی کریم ﷺ کو جب اس منصوبے کی صدقہ خبریں مل گئیں تو آپ ﷺ نے بارہ ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ پیش قدمی فرمائی اور شوال ۵ھ میں دونوں لشکر حنین کے میدان میں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئے۔ جب میدان کارزار میں اپنی صفوں اور کثرت پر نظر پڑی تو کتنے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذہنوں میں خیال کی لہر دوڑ گئی کہ اب ہاتھ ہمیں شکست نہیں دے سکتا۔ آج ہم بارہ ہزار ہیں۔ بدر کے میدان میں ہم صرف ۳۱۳ تھے، اور ہاتھ اس وقت بھی ہمیں شکست نہیں دے سکا تھا۔ حق نے اپنے ساز و سامان اور کثرت افزا پر غور کیا اور پھر حنین کے میدان نے یہ منظر دیکھا کہ محمد ﷺ کے تربیت کردہ سپاہی میدان سے بھاگ رہے تھے۔ یہ وہ تھے جو پختاؤں جیسی استقامت رکھتے تھے، مگر میدان حنین میں استقامت کی یہ پختاؤں کثرت غرور کے آہستہ آہستہ ڈوب گئیں۔ یہ ان کے انداز فکر کی سزا تھی۔ انہوں نے ایک باراً حد کے میدان میں بھی ارشاد نبوت کی خلاف ورزی کی تھی اور خاک و خون میں نہما گئے تھے۔ حنین کے میدان میں وہ اللہ کی نصرت پر بھکیے کرنے کی جگہ اپنی قوت پر ناز کر بیٹھے، اور یہ قوت روٹی کے گالوں کی طرح نفضا نے جنگ میں بھر گئی۔

جب مجاہدوں کو اپنی سمت کا پتہ نہ تھا اس وقت وہ آواز گونجی جس نے انہیں بدوؤں کی جگہ

تہذیب انسانی کا طہرہ دار اور روحانی کی عظمتوں کا ائینہ بنا دیا تھا۔ ”یسا معشر الانصار“۔۔۔ اور یہ آواز بھانجتے ہوئے قدموں کے لئے زنجیر و قابو لگائی اور بھاگتے ہوئے قدم ایک بار پھر چٹان کی طرح اپنی جگہ جم گئے۔ حجاب اٹھ گیا، نصرت الہی کی حقیقت کھری سامنے آگئی اور انصار رسول ﷺ نے ”لیک لیک لیک یارسول اللہ ﷺ، لیک لیک لیک یارسول اللہ ﷺ“ کے نعروں سے ”یسا معشر الانصار“ کا حجاب دیا اور اس امانت سے جیسے کوئی نیا لشکر میدان میں آگیا ہو۔ اب یہ لشکر اپنی تعداد پر ناز کرنے والوں کا لشکر نہیں تھا بلکہ ان قدر نفس انسانوں کا لشکر تھا جن کو نصرت الہی پر اتماد تھا۔ یہ ان کا لشکر تھا جنہوں نے دو سال ہی پہلے درشت کے نیچے حضور ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔ جان نثاری کی بیعت، جان کی قیمت پر، جنت کے حصول کی بیعت، اللہ کی رضا کی خاطر باطل سے ٹکرا جانے کی بیعت۔ وہ بیعت جو رسول اللہ ﷺ کے وسیلے اور واسطے اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ دشمن نے جب بھاگتے ہوئے کامیوں کو جم جانا اور عز و دار واد کے بیکرد میں بدل جانا دیکھا تو حیرت کے نقش کے سوا اور ہر نقش مٹ گیا، اور یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے انہیں اس تہذیبی کارنامہ بتادیا، اور رہائیت انحصار و جامعیت کے ساتھ۔ آپ ﷺ نے بلند آواز میں فرمایا۔

اننا لنسی لا کذب اننا امن عبدالمطلب

”میں رسول ہوں اور یہ جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔“

اور جب یہ بات سچ تھی تو باطل پر روند کیسے ہو سکتا تھا۔ باطل جنگی تقدیر ہی حق کے سامنے پیرا ہٹا ہوا جاتا ہے۔

سورۃ التوبہ کی دو آیات میں غزوہ حنین کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے کہ ان میں وہ تمام تفصیلات سن آئی ہیں جو اس غزوہ سے کا حاصل ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ ایمان الیمان کی قوت کے سرچشمہ کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ اللہ کی نصرت کے ذکر سے جیسویں آیت شروع ہوتی ہے۔ یہ ذکر مختصر ہے، مگر اس میں بدر سے لے کر خیمہ تک کے تمام معرکوں کی تاریخ سن آئی ہے۔ پہلے چھ لشکروں کے دان میں یہ پوری تاریخ آگئی ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ
إِذْ أَعْرَضْتُمْ كَسَرَتْكُمْ قَدَمُ تُغْيَنَ عَنْكُمْ شَيْئًا وَ ضَارَفَتْ

عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۚ ثُمَّ أَنْزَلَ
اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ حُنُودًا لَهُمْ
وَأَوْعَا وَعَدَّتِ الْيَدَيْنِ حَقْفَرًا ۗ وَذَلِكَ حِزَابُ الْكَافِرِينَ ۝

”تم کو اللہ تعالیٰ نے (لاٹائی کے بہت) سے (مقبوضوں پر) نکال دیا، اور زمین کے ارضین کے ارضین میں جب کہ تم کو اپنے پیچھے (اور لشکر) کی کورت سے غرہ ہو گیا تھا، پھر وہ کورت تمہارے لئے بھگکا کر مٹا دیتا ہے اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی، پھر (آخر) تم پیٹھ دیکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور دوسرے مؤمنین پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لئے) اپنے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی، اور یہی کافروں کی (ذلت) کا سزا ہے۔“ (الانبیاء آیات ۱۵-۲۶)

حنین کے میدان میں ہوا زین اور ترقیت کے جنگ آزماؤں کو شہید جنگ اور مزاحمت کے بعد اتنی ہی شدت سے شکست ہوئی، مگر وہ لوگ جانتے تھے کہ وہ اسلام کے خلاف عرب کے آخری معرکہ آراء ہیں اور اس خیال نے ان کو اپنا حوصلہ قائم رکھنے میں مدد کی۔ یہ لوگ اوٹاس اور طائف میں دوبارہ مجتمع ہوئے۔ اوٹاس کے معرکہ میں عاقبتیں اسلام کو شکست ہوئی اور جنگی قیدیوں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی۔ ان قیدیوں میں حضور سرور کائنات ﷺ کی دو دھڑ شریک بن حضرت شیماء بھی تھیں۔ جب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی گئیں تو انہوں نے عجبین کی ایک بات یاد لائی۔ ”اسے میرے کریم بھائی اچھیں یاد ہے تاکہ عجبین میں تم نے میری پیٹھ پر کاٹ لیا تھا۔ وہ نشان آج بھی میری پیٹھ پر تمہاری عمت کا نشان بن کر چمک رہا ہے۔“ حضرت شیماء کے ان کلمات سے رشتہ لگائے ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کے گہر لڑنے لگے۔ حال ماضی بن گیا، وقت نے اپنے فاصلوں کو سمیٹ لیا۔ بھائی نے آگے بڑھ کر اپنی بہن کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ پھر صحت کی خشکی چھماؤں سے بھائی نے بہن کو کھٹے عطا کئے اور نہایت احترام سے رخصت کیا۔

اس کے بعد قحط بدمرد حنین ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا۔ تیس دن کے محاصرہ نے ان کی جمعیت اور حوصلوں کو شکست دے دی۔ اگرچہ چشمہ فتح ہو گیا لیکن محاصرہ کا مقصد پورا ہو گیا، اور

آپ ﷺ اس مقصد کی تکمیل کے بعد دھرانہ و اجپس لوٹ گئے۔

غزیر کی طرح متین اور دلواپس کے فروات سے بھی بہت سامان قیمت جماعت مؤمنین کے ہاتھ آیا۔ حضور ﷺ نے مال قیمت کی تقسیم میں فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے والوں کو خصوصی طور پر زیادہ حصہ مرت فرمایا۔ یہ بھی اس ابرکرم کی شان تھی۔ آپ ﷺ نے انہیں نواز جو جگہ تک آپ ﷺ کے خون کے پیاسے تھے۔ عادل اعظم ﷺ کے اس فیصلے سے انصار کے بعض حضرات کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فیصلے اور عزیزوں کے زیادہ حصہ دے دیا۔ چہرے کی تکبر و میں اللہ کے نور سے اشیا کو دیکھتے اور پر کھنے والے ﷺ نے اس خیال کو بڑھ لیا (ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے پیغام مسلمانوں کے سامنے اس خیال کو کون ظاہر کر سکتا تھا۔) حضور ﷺ اللہ کے رسول تھے، امیر المؤمنین تھے، مسلمانوں کے سپہ سالار اعظم تھے۔ آپ ﷺ کے فیصلے کے خلاف کون احتجاج کر سکتا تھا، مگر یہ وہ ذات تھی جو مسلمانوں کے لئے رؤف و رحیم تھی، ان کے لئے فریص و عزیز تھی، اور ان کی اونی کی تکلیف پر جس کی روح بے قرار ہو جاتی تھی۔ یہ وہ ذات تھی جس نے غزیر کے یہودیوں اور غزیر کی ہستی کے لئے حملہ کی رات کو دعا فرمائی تھی اور انصار تو آپ ﷺ کی آنکھوں کے تارے اور آپ ﷺ کے دل کی ٹھنڈک تھے۔ حضور ﷺ کو وہ دن یاد تھا جب آپ ﷺ "جانی اسلام و عار بدر و قحیر" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ پہنچے تھے اور سختی بچیوں نے دف پر یہ نغلا پا تھا کہ:

"چاند نکل آیا ہے، کوہ وداع کی گھاٹیوں سے"

حضور ﷺ نے انصار کو بلایا اور ان کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اے مدینہ والو! کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب تم گمراہ تھے اس وقت اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت کی دولت عطا کی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ تم بکھرے ہوئے اور منتشر تھے اور اللہ نے میرے ذریعہ تم میں الفت و اتحاد اور اتفاق پیدا کیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ تم مٹنے سے اور اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں مٹنی کر دیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ تم موت سے لرزتے تھے اور اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں ایمان کی وہ طاقت عطا کی کہ موت کو زندگی سمجھتے ہو۔"

ہادی برحق ﷺ کے ہر فقرے پر جماعت انصار یک زبان ہو کر جواب دیتی۔ "بے شک، بے شک۔ اللہ اور رسول ﷺ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔" اس پر نبی اکرم ﷺ نے نہایت

کرب اور شفقت کے ساتھ فرمایا۔ "نہیں نہیں۔ میرے رفیقو! تم ٹھیک جواب نہیں دے رہے ہو۔ تم یہ کہو کہ اے محمد (ﷺ)! کیا یہ سچ نہیں کہ جب تیرے شہر والوں اور عزیزوں نے تجھے جھٹکایا تو ہم نے تیری تصدیق کی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ جب مکہ والوں نے اپنے دروازے تجھ پر بند کر دیئے تو ہم نے تجھے بھلا دیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ تو ہمارے درمیان مجلس آیا تھا، اور ہم نے تیری اعانت کی۔" اور یہ کہنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا۔ "عزیزو! تم کہو تو۔ اور میں تمہارے ہر فقرے پر کہوں گا کہ تم سچ کہتے ہو، تم سچ کہتے ہو۔" انصار کے مجمع پر کسی شہر مسکوکے باشندوں کا گمان ہوتا تھا۔ ایک سناٹا تھا کہ فضا پر طاری تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے انصار تو سانس لیتے ہوئے ڈر رہے تھے کہ کہیں خاموشی کا سینہ بھرجو نہ ہو جائے اور اس خاموشی کے سمندر میں محمد ﷺ کی آواز کی جاوداں لہر ابھری اور انصار کے سینوں میں اس طرح اترنی جلی گئی جیسے ایمان کی شعاع نور اترنی تھی۔ آپ ﷺ نے کہا۔ "اے انصار! یہ سب سچ ہے، مگر کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ دوسروں کو لوٹ، بکریاں، خیمے اور گواراں میں بیٹیں اور محمد ﷺ تمہارے حصے میں آئے۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ دنیا کی دولت کے مقابلے میں محمد ﷺ کو اپنے گھر لے چلو۔" اور پھر تو انصار بے اختیار ہو کر خنجرے میں بچوں کی طرح رونے لگے۔ حضور ﷺ کے سامنے جو لوگ سیدنا و جہدیب کے مجسموں کی طرح بٹھتے تھے، جنہوں نے کبھی جہا اعمال کے خوف سے ذات رسالت آپ ﷺ کے سامنے بلند آواز میں گفتگو کی تھی، مگر یہ یوں ان کے گلو گیر ہوا کہ وہ اپنی جہتوں کو دبانا سکے۔



وفدِ نجران

فتح مکہ اور غزوہٴ حنین و طائف نے جزیرہ نمائے عرب پر اسلام کی جو بلاؤں متاعی قائم کر دی۔ اب اسے قرب و جوار کی قوتوں اور قبیلوں نے تسلیم کر لیا۔ چند ہی سال پہلے صلح حدیبیہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اپنے قاصد مختلف مسلمانین و امراء کے پاس بھیجے تھے اور اب مختلف قوتوں کے وفد دارالاسلام مدینہ آرہے تھے۔

۹۔ جبری میں نجران کا عیسائی وفد مدینہ آیا۔ نجران کا علاقہ حجاز اور یمن کا درمیانی علاقہ ہے۔ اس علاقے کی اہمیت اور پھیلاؤ کا اندازہ اس سے کیجئے کہ نجران کے عیسائی قبیلے اور سبز (۷۰) سے زیادہ بستیاں ایک آواز پر سوالاتھ جنگجو سیاحوں کو میدان کارزار میں صف آرا کر سکتی تھیں۔ ان بستیوں کا نظم و نسق تین سردار مل کر کرتے تھے، اسی لئے اس علاقے کی حکومت کو جمہوری قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو وفد مدینہ آیا اس میں تینوں سرداروں کے ساتھ اس عیسائی جمہوریت کے کم و بیش ساتھ بہترین دماغ شامل تھے۔ یہ لوگ زندگی کے مختلف شعبوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اسی بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی ریاست کو کس درجہ اہمیت دے رہے تھے۔ یہ وفد ایک طرف تو اسلامی ریاست کے ساتھ اپنے آئندہ تعلقات کا جائزہ لینے آیا تھا اور دوسری طرف اسلامی معاشرہ کا مطالعہ اس کا مقصد تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ لوگ عیسائیت اور اسلام کے عقائد کا تقابل بھی کرنا چاہتے تھے، بلکہ موقع ملنے پر عیسائیت کی تبلیغ بھی ان کی آرزو تھی۔

یہ ایک تاریخی موقع تھا۔ ایسا موقع کہ رب العزت نے حضور ﷺ پر وہ تقریر نازل فرمائی جو آپ ﷺ نے اس وفد کے سامنے پیش کی۔ یہ تقریر سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۳۳ سے شروع ہوتی ہے اور آیت نمبر ۱۲۰ تک جاری رہتی ہے۔ اس تقریر میں نہایت مدلل طور پر عیسائیوں کے غلط عقائد کی تردید کی گئی ہے اور اسلام کا سیدھا اور سچا راستہ ان کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

۱۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت نمبر ۱۲۳ تک جاری رہتی ہے اور اس کے بعد کی آیات کا خطاب یہود سے ہے اور یہ آیات کی اور سورۃ نازل ہوئی ہیں۔ جس میں یہ کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہوں حاصل یہ کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ادا کیا مانو، یہ نیک اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو تم لوگ اس کی عبادت کرو۔“

(آل عمران ۳ آیات ۵۰-۵۱)

سورہ آل عمران میں آپ اس تقریر کو ملاحظہ فرمائیں تو حضرت عیسیٰ ﷺ کی حیات اور مقصد نبوت کا ایسا تذکرہ سامنے آتا ہے کہ خود یہ تذکرہ قرآن حکیم کے کتاب الہی ہونے کی ایک دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اور اسی لئے حضور ﷺ پر یہ تقریر نازل کی گئی تھی کہ اس کے آئینے میں عیسائی وفد اپنے موقف کے بوجہ پنا کا ہر شش دیکھ لے۔ درج بالا آیات سے یہ حقیقت ہمارے سامنے ابھر کر آتی ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ نے اپنی قوم کے سامنے اللہ تعالیٰ کو اقتدار اعلیٰ اور اپنے آپ کو اس میں اقتدار اعلیٰ کے خلیفہ اور نمائندہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ ﷺ نے بھی اپنے اقتدار اعلیٰ اور اپنی بندگی کی طرف کوئی اشارہ تک نہ کیا۔ انہوں نے واضح طور پر اپنی قوم کو بتا دیا کہ بندگی صرف اللہ کی ہوگی، رسول کی اطاعت اللہ کے نمائندہ کے طور پر کی جائے گی، اور انسانی زندگی میں حلال و حرام، جائز اور ناجائز کا فیصلہ صرف احکام الہی کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے وفد بھران پر وہی الٰہی کی روشنی میں یہ بات ثابت کر دی کہ وہ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے ہیں۔ وہ تو اس دین کی تکمیل کے لئے اس عالم آپ و گل میں تشریف لائے ہیں جو حضرت آدم ﷺ سے لے کر حضرت عیسیٰ ﷺ تک، تمام رسولوں تک بھیجا گیا۔ لیکن عیسائی وفد نے بہت دھرمی اور اپنے مفادات کی بناء پر ان حقائق سے بلا دلیل انکار کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو مہلک کا حکم دیا۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا
نَدْعُ ابْنَاءَنَا وَابْنَاتَنَا وَبَنَاتَكُمُ وَنُذَاعُوا بِنَا وَنُذَاعُوا بِنَا
وَأَنْتُمْ سَوَاءٌ لَنَا بِالنَّبِيِّينَ فَتَجْعَلُونَ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ
”جس جو شخص آپ ﷺ سے عیسیٰ ﷺ کے باب میں (بھی) حجت کرے آپ کے پاس علم (حق) آنے کے بعد تو آپ فرمادیجئے کہ آجاء ہم (اور تم) کلمائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور

حضرت عیسیٰ ﷺ اور تمام انبیائے کرام کی بشریت کو جا کر گیا ہے۔ اس تقریر میں رب عظیم و خیر نے حضرت عیسیٰ ﷺ کے انکار و خیالات اور منصب نبوت کو انہیں کے الفاظ میں (انہیں کی طرف سے صیغہ واحد تکلم) میں پیش کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ ﷺ کے اس خطاب میں اسلام کے تسلسل اور ان کی عہدیت کو بنیادی نکتہ کی حیثیت حاصل ہے۔

وَرَسُولًا إِلَىٰ تَنبِيءِ إِسْرَائِيلَ قُلْ أَنسَىٰ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
مِنْ رَبِّكُمْ إِنِّي أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطَّيِّبِينَ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَانْفُخْ
فِيهِ فَيَجُودُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَآخِرُ الْأَخْخَمَةِ وَالْأَبْرَصِ
وَأُحْسِ الْمَوْئِيءَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَآتَيْتُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا
تَدْرُونَ إِنِّي نَبِيُّكُمْ إِنِّي فُيَ ذَلِكَ لَآيَةٌ لَكُمْ إِنْ
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ تَوَصَّيْتُمَا لِمَا بَيْنَ يَدَيْ مِنَ التَّوْرَةِ
وَلِإِحْسَانِ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حَرَّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
مِنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝

”اور ان کوئی اسرائیلی کی طرف رسول بنا کر بھیجیں گے (اور وہ کہیں گے کہ میں تم لوگوں کے پاس (اپنی نبوت پر) کافی دلیل لے کر آیا ہوں وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایک نعل نکل گیا ہوں جیسی پرندے کی شکل ہوتی ہے پھر اس کے اندر چھوٹک مارتا ہوں جس سے وہ (جاندار) پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں اچھا کر دیتا ہوں یا رزادانہ سے کو اور بھڑائی کو اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور میں تم کو بتا دیتا ہوں جو کچھ چاہئے گھروں میں کھاتے ہو اور جو کچھ رکھ کر آتے ہو۔ بلاشبہ ان (باتوں) میں (عبری نبوت کی) کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے اگر تم ایمان لانا چاہتے ہو اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ تمہاری کتاب میں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے تھی یعنی تورات کی اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے لئے یعنی انہیں بچریں حلال کردوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھی اور میں تمہارے پاس دلیل لے کر آیا

تہماری صورتوں کو اور خود اپنے نفس کو اور تمہارے نفس کو (ہم تم دونوں)۔ پھر ہم (سب مل کر) غوب دل سے دعا کریں، اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں اُن پر جو (اس بحث میں) ناحق ہوں۔" (آل عمران آیت ۶۱)

وہ نہجراں کے اکثر ارکان آنحضرت ﷺ کی سچائی کے قائل ہو گئے تھے اور باقی ماندہ بھی آپ کی نبوت کے باب میں محزول ہو گئے تھے۔ ان کی انسانی کیفیت کا اندازہ اسی حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ وہ اس سہلہ کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے۔ اس طرح انہوں نے اپنے ناحق پر ہونے کا خودی ثبوت فراہم کر دیا۔ ان کی انسانی بے یقینی کا ایک بڑا سبب یہ حقیقت تھی کہ انہیں اپنے بہت سے عقیدوں (مثلاً عقیدہ الوہیت سچا) کی سند خود اپنی کتابوں میں نہ ملتی تھی۔ یوں اہل عرب نے دیکھ لیا کہ مخالفین اسلام کا موقف کتنا بوجہ ہے۔

تربیت کے اعلیٰ تر مرحلے اور ایلا و تخیر

گزشتہ ابواب کے مطالعہ سے یہ حقیقت کئی مقامات پر آپ کے سامنے آئی ہو گی کہ عہد نبوت کے بعض بڑے نازک موقعوں اور موڑوں پر ایسے مسائل بھی سامنے آئے جن کے اچھے نئے سے اسلامی معاشرہ کی اندرونی قوت کا اظہار ہوا، اہم نئی احکام نازل ہوئے، ملت اسلامیہ کو آداب معاشرت عطا کی گئی، اور انسانی فطرت اور انسانی کمزوریوں کے حوالے سے قطعی نفس و معاشرہ کی تعلیم دی گئی۔ واقعہ انگ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کے نکاح کے موقع کو اپنے ذہن میں دہرائیے پھر آپ کو بطور بالا کی اہمیت اور مسلمانوں کی تربیت کے مراحل کا پورا اندازہ ہو سکے گا۔

فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بعد اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لینے والوں کی تعداد بڑھتی گئی اس سے پہلے بھی تمام لوگ اسلامی آداب سے یکساں واقفیت نہ رکھتے تھے اور نہ ہی سب ایمان کے ایک سے درجہ پر فائز تھے۔ سورہ جمعہ کے حوالے سے یہ نکتہ بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب پر اسلام کی سیاسی بالادستی کے بعد ایسے لوگوں کی تعداد بہت بڑھ گئی جو سابقوں الاولوں کی طرح تربیت اور آرائش کے کٹھن مرحلوں سے نہ گزرے تھے۔ نئے نئے مسلمان ہونے والوں میں ایسے بھی تھے جو آکر ناشائستہ اور تیز آواز میں اللہ کے نبی برحق ﷺ سے گفتگو کرتے، اور اگر نبی اکرم ﷺ ازواج مطہرات کے حجروں میں ہوتے تو آپ ﷺ کے باہر آنے کا انتہار تک نہ کرتے بلکہ باہر سے آوازیں دینے لگتے۔ ان لوگوں میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو باہر سے مدینہ آتے اور اس وقت اسلامی آداب و معاشرت سے بیگانہ ہوتے اور اپنی پرانی عادتوں کا بے ساختہ اظہار کر جاتے۔



نبی حکیم کا وفد ۹ھ میں مدینہ آیا۔ جس وقت اہل وفد نبی اعظم ﷺ سے ملنے پہنچے تو آپ ﷺ کسی حجرے میں تھے، اور ان لوگوں نے باہر سے ہی آوازیں دینی شروع کر دیں۔ وہ ذات جو مؤمنین کے لئے رؤف و رحیم تھی یہ سب کچھ برداشت کرتی رہی۔ مگر رب العزت نے ہماری تاریخ کے اس مرحلے میں مسلمانوں کو وحی کے ذریعہ ان آداب کی تعلیم فرمائی جن سے یہ جماعت

اپنے صمد (اور ہر صمد) کی تمام جماعتوں سے یزیدی کی جاکے۔ سورۃ الحجرات کی اولین آیات اسی میں صخر (آمد فندی تسم) میں نازل ہوئیں۔ ﴿

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَأَنصُوا لِلَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا
تَحْضَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَحْضَرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْطَط
أَعْنَاقُكُمْ وَأَنَّكُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَعْضُونَ
أَعْنَاقَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ
قُلُوبَهُمْ لِلنَّبِيِّ ۖ لَهُمْ شُفْعَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۚ إِنَّ الَّذِينَ
يُسَادُّونَكَ مِنْ وِزَائِكَ السُّحْرَابِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۚ
وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ
وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے پہلے تم
سبقت مت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ
(تمہارے سب اقوال کو) سننے والا اور (تمہارے سب افعال کو) جاننے والا
ہے۔ اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے بلند مت کیا کرو
اور ان سے ایسے گل کر لو کہ پیچھے آؤں میں ایک دوسرے سے گل کر لو
کرتے ہو (ایسا نہ ہو کہ کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو فخر بھی نہ
ہو، بے شک جو لوگ اپنی آوازیں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے
ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے عقوبت کا اللہ تعالیٰ نے تمہاری لئے خاص کر دیا
ہے ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے جو لوگ جبروں کے باہر سے

﴿ آگے کے صفحہ ۲۰۷ میں ہر صمد کا معنی ہے آپ بھی پھر سے کیے ہیں خطائے انبیاء جن میں انصاف اور سچی
کے بعد فیصلہ کی رہا یہ اختلاف کی صورت میں مسلمانوں کا جب جس فیصلہ ہو گئی سے جلا زائل خیالات سے ہے۔

پکارتے ہیں ان میں سے اکثروں کو حمل نہیں ہے اور اگر یہ لوگ (ذرا صبر
اور انتظار) کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس آجائے تو یہ ان کے
لئے بہتر (کیونکہ ادب کی بات تھی) اور اللہ تعالیٰ بخیر (اور) رحم ہے۔“

(سورۃ الحجرات ۴۳، آیات ۵۳ تا ۵۴)

اس بیان کے آغاز میں مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے ”پیش قدمی“ (سبقت)
سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان کسی معاملہ میں خود ہی فیصلہ کرنے سے پہلے
یہ معلوم کرے کہ متعلقہ معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اس کے رسول ﷺ کا طریق کار اور
سنّت کیا ہے؟ جماعت مومنین سے اس لحاظ کا تعلق صرف انفرادی معاملات تک محدود نہیں
بلکہ ہیئت اجتماع اور اجتماعی مسائل سے بھی ہے۔ مسلمان اپنے معاشرہ ہیئت اجتماع اور سیاسی
نظام کے ضد وخال وہی الہی اور سنت نبوی ﷺ کی روشنی ہی میں اچالتے ہیں۔ اس آیت کا تعلق
بھی وفد نبی تمیم سے بیان کیا گیا ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ نبی تمیم پر کسے حاکم مقرر کیا جائے؟
آنحضرت ﷺ کے سامنے اس مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی۔ ”حضرت ابو بکرؓ نے گفتگو بن
سعدی کی نسبت رائے دی اور گفتگو بڑھ کر دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس پر یہ حکم نازل
ہوا۔“ ﴿

یوں اس معاملے میں ایک طرف تو افضل البشر بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ،
اور دوسری طرف ”شاہکار سالت“ حضرت عمر فاروقؓ کی مثال سے تمام مسلمانوں کو صحابہ دی
گئی ہے، اور دوسری طرف اس میں ہمارے لئے اور ہر دور کے مسلمانوں کے لئے بھی ایک
مستقل ہدایت ہے۔ ہمارا دور یہ بھی یہی ہونا چاہئے کہ ہم مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ
سے رجوع کریں اور جہاں آپ ﷺ کا کوئی حکم پیش کیا جائے اس کو نہایت ادب اور احترام سے
قبول کر لیں کیونکہ رسول ﷺ کا مرتبہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ادنیٰ ہی ہے اور بی ساری زندگی کے
اعمال ضائع ہو جانے کا سبب بن سکتی ہے۔

اسی دور میں واقعات کا ایک ایسا سلسلہ وقوع پزیر ہوا جس میں ہم سب کے لئے ایسا ہی
سبق موجود ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات میں تمام مسلمانوں کے لئے اہدی ہدایت کا سامان

﴿ ۱۰۱ : ۱۲۱ خازن فی تہذیب، بیان القرآن (مختصر شدہ) صفحہ ۸۳۰

موجود ہے، اسی کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم نے شخصیت پرستی کے تصور کی جڑ اور شاخ کو یوں قطع کر دیا کہ صرف اللہ کے احکام اور ذات رسالت مآب ﷺ ہی کو جنت کا درجہ ملتا ہے۔ امہات المؤمنین کی ذات، ہر مسلمان کے لئے ناموس حیات کا درجہ رکھتی ہے، لیکن ان میں بھی معمولی بشری کمزوریاں و قبیح طور پر ابھری آتی ہیں جو حضور ﷺ کے لئے باعث آزار بن جاتی تھیں۔ وہ دین جو دین فطرت ہے وہ ہر مسئلہ کا سامنا کرتا ہے اور انسانوں کو زندگی کے ہر مرحلہ پر ہدایت عطا کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی زندگی ”فقر نبوت“ سے عمارت تھی۔ فقر اس لئے تیار ہی کا نام ہے کہ آدھی کو مال و متاع دنیا پر تصرف کی پوری قدرت حاصل ہو، اور وہ اس سے بے نیازانہ زیست بسر کرے جب تو حیات کا سلسلہ بڑھتا جائے اور مال نعمت سے عام مسلمانوں کی زندگی میں بھی خوش حالی کا رنگ گہرا ہوتا گیا۔ اس وقت بھی کا شانہ نبوت میں یہ کیفیت تھی کہ وہ وقت بھی ڈھنگ کی غذا میسر نہ آتی۔ بخاری شریف میں اس باب میں کئی احادیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔ اور یہ احادیث ہیں جن کا تعلق حضور ﷺ کی مدینہ کی زندگی سے تھا۔ ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”ہم پر ایسے مہینے بھی گزرے ہیں جن میں ہم نے آگ تک نہ جلائی صرف کھجور اور پانی پر گزار رہی تھی، سوائے اس کے کہ ہمیں (کھین سے) گوشت مل جاتا۔“ اس صورت حال کو سامنے رکھتے اور پھر اس حقیقت کو بھی کہ کا شانہ نبوت میں جن قدری لمس بیبیوں سے روٹی تھی ان میں سے کئی ایسے خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں کہ بچپن سے آرام و آسائش کی فخر تھیں اور انہوں نے اس آسائش کے مقابلہ میں قربت سرور کا نکت کو اپنے لئے پسند کیا تھا۔ لیکن عام معاشی خوش حالی کے ساتھ ان میں بھی یہ بشری رد عمل پیدا ہوا کہ وہ بھی توسیع خلق کا مظاہرہ کر لیں۔ اس مطالبے میں اگرچہ کبھی امہات المؤمنین شامل تھیں لیکن ان میں سے وہ زیادہ شدت کا اظہار کیا اور اس فقر آن حکیم نے انہیں یوں متاثر کیا۔

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرُئِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ۝

اسے (رسول ﷺ) دونوں بیویاں اگر تم اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو تو پھر

ہے کیونکہ تمہارا دل جبک گئے ہیں اور اگر (اسی طرح) رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں تم دونوں باہم اعانت کرو گی تو یاد رکھو رسول اللہ ﷺ کا رفیق اللہ ہے اور جبرئیل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے (آپ ﷺ کے امدادگار ہیں۔“ (سورۃ قمر، آیت ۴)

اللہ تعالیٰ کی اس سبب سے بعد امہات المؤمنین کو اپنے برتاؤ کے ناز یا پہلوؤں کا پوری طرح اندازہ ہو گیا۔ ادھر آیت ”تختیر“ ۱۰ نے انہیں یہ حق حطا کر دیا کہ وہ چاہیں تو وہ حضور ﷺ سے وابستہ رہ کر دین و دنیا کی برکتیں اور سعادتیں اپنے دامن میں سمیٹ لیں اور چاہیں تو رخصت ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ وہ کچھ خواہتیں جنہوں نے اپنے معاشرے اور بعض صورتوں میں اپنے گھر والوں کو اس قرب پر قربان کر دیا تھا، دامن رسالت مآب ﷺ اپنی زندگی کے ہاتھوں سے کیسے چھوڑ دیتیں اور دوسری طرف ان میں حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما بھیے جانداران رسالت کی بنیادیں تھیں جو حضور ﷺ کے چہرہ القدس پر سکر اہٹ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اپنی بیٹیوں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے پر آمادہ تھے۔

بِنَاهِبِ النَّسَبِ فُؤَلٌ لِّكَوْا اجلِكَ اِنْ سَخْتَنْ فُرُوْدَ الْخَبْوَةِ الدُّنْيَا
وَزَيْتِنَهَا فَعَلَمَيْنِ اَمْعَبَكُنْ وَاَسْرَحُكُنْ سَرَا حَاجِبِيْلًا ۝ وَاِنْ
سَخْتَنْ فُرُوْدَ اللّٰهَةِ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارِ الْاٰخِرَةِ فَاِنَّ اللّٰهَ
اَعَدَّ لِلْمُحْسِنِيْنَ مِنْكُمْ اٰخِرًا عَظِيْمًا

”اے نبی ﷺ! آپ اپنی ذات سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیاوی زندگی (کا پیشہ) اور اس کی بھرا چاہا تو آدھیں توبہ کر لو گھر کو مال و متاع (دنوی) دے دوں اور تم کو خوبی (اور عظیم طریقہ) سے رخصت کروں اور اگر تم اللہ تعالیٰ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول ﷺ اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیکو کاروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے عظیم عطا کر رکھا ہے۔“ (سورۃ احزاب، آیات ۳۳-۳۴)

۱۰۔ معجز طبرین کا ایک گروہ آپ ﷺ (سورۃ احزاب) کے بارے میں ان تجزیہ پر لکھا ہے کہ یہ عظیم حدیث ہے جو اس کی بھرا چاہا تو آدھیں توبہ کر لو گھر کو مال و متاع (دنوی) دے دوں اور تم کو خوبی (اور عظیم طریقہ) سے رخصت کروں اور اگر تم اللہ تعالیٰ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول ﷺ اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیکو کاروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے عظیم عطا کر رکھا ہے۔ (سورۃ احزاب، آیات ۳۳-۳۴)

حیات محمد ﷺ قرآن حکیم کے آئینے میں

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ طحال و حرام کے قصین کا حق صرف ذات باری تعالیٰ کو ہے اور رسول اکرم ﷺ نے جو چیزیں حرام بنا لی ہیں، وہ وہی الٰہی کی روشنی میں۔ دوسرا اہم نکتہ ہمارے سامنے یہ آتا ہے کہ باہف عصمت نبی اکرم ﷺ کا جو قدم ذرا بھی فحشائے خداوندی سے ہٹا ہوا تھا قرآن حکیم میں اسے پیش کر دیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات بین طور پر ہمارے سامنے آ جاتی ہے کہ حضور ﷺ کی ساری زندگی اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے نمونہ اور معیار عمل ہے اور یہ زندگی ایک ایسی کتاب ہے جس کے صحیح نگاہ و عالمین نے کی ہے اور جس میں ایک ننگی غلطی کا احتمال تک نہیں ہے۔

اس طرح اہمات المؤمنین کا جو عمل ان کے مرتبہ کے شایانہ تھا اسے بھی قرآن کی اہدیت نے محفوظ کر دیا ہے تاکہ ملت اسلامیہ کی بیٹیوں کے سامنے یہ مثالیں رہیں اور وہ صراطِ مستقیم کو اپنا سکیں اسی کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم نے اہمات المؤمنین کے مرتبہ اور درجہ کو مسلمانوں کے سامنے اس طرح پیش کیا ہے کہ ان کی طرف اچھی اٹھنا اور انہیں بدفہم بنانا انسان کے ایمان کی بنیاد کو ڈھاتا ہے کیونکہ ان کی تحریم کو قرآن حکیم نے جب رسول ﷺ کے ساتھ پیوستہ کر دیا ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ

”مؤمن نبی کے ساتھ خود اپنے نفس سے بھی زیادہ حلق رکھتے ہیں اور آپ

ﷺ کی ازواج (مطہرات) ان کی مائیں ہیں۔“ (سورہ آہزاب: ۶)

یہ تھا وہ جس منظر جس میں نبی کریم ﷺ نے ایک ماہک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نہ ملنے کا عہد فرمایا۔ اسی کا اصطلاح شریعت میں ابلا کہتے ہیں۔ اتفاق یہ کہ سرورِ دو عالم ﷺ کے حجر میں زخم آ گیا جس کے سبب آپ کو ایک بالا خانہ میں گوشہ گیر ہونا پڑا۔ آپ ﷺ کی اس گوشہ گیری اور معزونی طبع کو چھو کر ایک صحابی نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے اور اس بات کو ایک خبر کے طور پر حضرت عمر فاروق اعظم ﷺ اور دوسروں تک پہنچا دیا اور یوں مدینہ کی فضا سوگوار ہو گئی۔ حضرت عمر فاروق اعظم ﷺ نے جسارت سے کام لے کر حضور ﷺ سے حقیقت حال دریافت کی اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ خبر درست نہیں ہے تو بے ساختہ ”اللہ اکبر“ کا نعرہ بولیں بلند کیا کہ تم و ائمہ و کے بادل چھٹ گئے اور حقیقت کا سورج چمکنے لگا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں اور مدینہ کی فضا کی

توسیع نقشہ کے مطالبہ کے علاوہ اسی زمانے میں ایک اور ایسی بات ہوئی جس نے حضرت محمد عربیؐ فداء الٰہی و الٰہی کی جمیت خاطر پر بڑا اثر ڈالا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازواج مطہرات میں کسی سے کوئی راز کی بات فرمائی اور وہ انہوں نے دوسری ازواج سے بیان کر دی، اگرچہ حضور ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ وہ بات بھی کیجھا سکی اہم تھی۔ محض یہ تھی کہ ان بی بی کے پاس خاطر سے آپ ﷺ نے عہد کر لیا کہ اس میں شہد بھی نہیں کھاؤں گا۔

وَأَنذَرْتُ النَّبِيَّ إِلَىٰ بَعْضِ الْأَوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ - فَلَمَّا نَبَأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَأَنِي الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

”جب اور نبی ﷺ نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات چیکے سے فرمائی پھر جب اس بی بی نے وہ بات (دوسری بی بی) کو بتلا دی اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے (بذریعہ وحی) اس کی خبر کر دی تو رسول اللہ ﷺ نے (ان ظاہر کر دیے والی بی بی کو) تمہاری ہی بات تو جتا دی اور تمہاری ہی بات کو حال گئے سو جب آپ ﷺ نے ان بی بی کو وہ بات بتلا دی وہ کہنے لگی کہ آپ کو کس نے خبر دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو بڑے جاہلے والے، خبر رکھنے والے (اللہ تعالیٰ) نے خبر کر دی۔“ (سورہ الاحزاب: ۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق ﷺ کو صرف اس واقعہ سے باخبر ہی نہ کر دیا بلکہ مصلحت خداوندی نے کامل ترین انسان کی زندگی کے اس عہد کے پس منظر میں یہ بادی حکم بھی نازل فرما دیا کہ کسی چیز کو طالع و حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

بِأَنبِئَا النَّبِيَّ لَمْ تَحَرِّمْ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ - تَبَيَّنَ مَرَضَاتِ الْأَزْوَاجِ ۖ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ

”اسے نبی ﷺ! جس چیز کو اللہ نے آپ ﷺ کے لئے حلال کیا ہے آپ ﷺ (حکم کر کے) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں (مجھ کو بھی) اپنی ازواج کی خوشحودی حاصل کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“ (سورہ احزاب: ۳۶)

محرومی ختم ہوئی اور مسرت احساس بہار کی طرح غلامی رنج گئی۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ سوال ملتا ہے کہ قرآن اور اپنے ائمہ کرام کو وہ نتائج کی تحسیر کی اسلامی معاشرہ میں منجائش نہیں ہے۔ یوں نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کی غلطیاں ہمارے لئے راہ مستقیم بن گئی ہیں۔ انہیں مثالوں نے ہمارے راستے کو سہل بن دیا ہے، اور شاید ہی انسانی زندگی کی کوئی صورت حال ایسی ہو جس کے سلسلہ میں ہمیں عہد رسالت مآب ﷺ کے واقعات اور حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ سے روشنی ملتی ہو۔



غزوہ تبوک

فتح مکہ اور غزوہ حنین کے ساتھ ہی جزیرہ نمنا کے عرب میں حق و باطل کی کشمکش ختم ہو گئی۔ لیکن یہ حقیقت خود اس بات کا اشارہ تھی کہ اب اس کشمکش کا دائرہ زیادہ وسیع ہو گیا ہے، کیونکہ حق و باطل کی یہ کشمکش تو ازل سے جاری ہے اور آج بھی ہمارے لئے قیامت کا درپہرہ کھتی ہے۔

رومی سلطنت کے ساتھ مسلمانوں کی کشمکش کی جانب گزشتہ صفحات میں بعض اجمالی اور بعض قدر سے تفصیلی بیانات پیش کیے جا چکے ہیں۔ حضور ہادی کائنات ﷺ نے جب امر اسلامین کے درباروں کو اپنے وفد بھیجے تھے تو رومی سلطنت کے زیر اثر بعض قبائل نے تمام سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر ان انگریزوں میں سے کئی کو شہید کر دیا تھا۔ ایک وفد کے پندرہ ارکان ذات اطلاع کے مقام پر شہید کئے گئے تھے۔ بصری کے عیسائی وانی نے بھی قاصد رسول ﷺ کو شہید دیا تھا۔ انہیں واقعات کے بعد ● غزوہ موصیہ میں ایک لاکھ سے زیادہ فوج سے فائوس توحید رسالت کے تین ہزار پر وانیے جا کر آئے اور یوں کہ باطل غالب نہ آسکا۔

فتح مکہ کے بعد رومی سلطنت نے یہ بات اور زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کی کہ اگر فوراً اس نئے مذہب کی فتح کئی نہ کی گئی تو یہ ایک سیاسی اور فکری طاقت بن کر سلطنت روم پر چھا جائے گا۔ رومی سلطنت کے ارباب صل و عقد نے مسلمانوں سے انجمنے کے لئے شام کے عیسائی حکمران خاندان خسانی کو چنا۔ دوسرے عیسائی قبائل بھی اس مہم میں ان کے شریک تھے۔ ان کی جنگی تیاریوں کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ بیٹن میں ان کے اچانک حملے سے پہلے کے لئے صحائفوں کی ”شبِ عشقی“ کا نظام قائم کر دیا گیا تھا۔ رومیوں نے شام میں ایک لشکر جرار بھیجا اور سپاہیوں میں سال بھر کی تلوخو اہانت دی تاکہ وہ اپنے متعلقین کی طرف سے بے فکر رہیں۔ اور حرمہ بیٹن

●۔۔۔ جنگ موتی بہت کا اندازہ ہی ہو سکتا ہے کہ اس سر پر حکم ہرزبان سپہ سالار کھو کر رہ جاتی ہے۔ اس مقام سے یہ جنگ اس ہرزاری فتح بھی ہے کہ اس کے پہلے مسلمانوں کی ہزرتی قحاً بودھے تھے خود پرانی تھی اور اس سر پر کاپ ﷺ نے جو اس کے ساتھ بھیجا تھا۔ ارباب لشکر مسلمان فرما سوتے، ابلیس آقا فرما کر، عالم ﷺ نے اسے ”کراوی“ فرما دیا تھا۔ اور اسی ماری بشری حامت ورا کا نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ شام سے نگر عراق تک کے پچھلے ہوئے کی عیسائی اور لہوی قبیلوں کے بڑوں کو اس وقت کوئی اسلام نہ ملے۔

مناقشہ کی سازشوں اور سرگرمیوں کا سلسلہ ختم ہوا تھا۔ مدینہ کے منافق ابوعامر ابےہب کو مسلمانوں سے روٹیوں اور خیراتوں کے عیسائیوں کے ساتھ روابط قائم کر چکے تھے۔ اور انہوں نے مسجد خرابہ اور اپنی سازشوں کا گڑھ بنالیا تھا۔ یوں خزیب دین کے لئے مسجد کی تعمیر کی گئی تھی۔

جب نبی کریم ﷺ کو اللہ کے حکم اور حکم اپنے ذرائع اور شام سے آنے والے سوداگروں کے ذریعہ اس تیاری اور مدینہ پر حملہ کے ردی اور فحشائی منصوبے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے عام الام ہندی کا حکم فرمایا۔ ہر مسلمان کو شرکت جہاد کے لئے طلب کیا گیا اور نبی ﷺ نے اس طلبی پر لبیک کہنے کو ایمان کی علامت قرار دیتے ہوئے بتا دیا کہ جو اس جہاد میں شرکت سے پہلو ہٹا کرے گا وہ خدا کا لعنہ کا مستحق ٹھہرے گا۔

إِنَّا تَنصُرُوهَا يُؤَيِّدُكُمْ وَعَذَابُ الْكٰفِرِيْنَ ۗ وَنَسْتَعِيْذُ بِكَ فَاغْوٰنِيْمْ سَيِّئًا
وَلَا تَصْرُوهٗ شَيْعًا ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

”اگر تم نہیں نکلو گے (جہاد کے لئے) تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت سزا دے گا ۝
(ہلاک کر دے گا) اور جہاد سے بدلے دوسری قوم کو بھیجا کر دے گا (اور ان سے اپنا کام لے گا) اور تم اللہ (کے دین) کو جو کہ نہ خراب پہنچا سکو گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“
(سورہ اعراف: ۱۰۹ آیت ۱۰۸)

یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیحی تقویم کے اقسام سے اگرچہ نومبر ۲۳ء کا مہینہ تھا، مگر سخت گرمی پڑتی تھی، سخت قحط سالی کا عالم تھا، دوسری طرف فضیلتیں تیار نہیں اور لوگوں نے اچھی فصل کی امید کے سہارے کو دن گزار دیا ہے۔ پھر صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کی کوئی مستقل فوج نہ تھی۔ ہر مسلمان اللہ کا سپاہی تھا، لیکن اس بار درود دراز کا سطر و پیش تھا اور مقابلہ دنیا کی عظیم ترین دو طاقتوں میں ایک سے تھا۔ سواری کے جانوروں کے ساتھ اسلحہ جنگ کی فراہمی کا مسئلہ سنگین تھا۔ اس لئے عسکری تیاریوں کے لئے فوری طور پر بہت سرمائے کی ضرورت آن پڑی۔ یہ جماعت سرمایہ داروں کی جماعت تو تھی نہیں، یہ ان کی جماعت تھی جنہوں نے اتفاق کو اپنا شعار بنا لیا تھا اور زور تمدنی سے کوئی بہرہ نہیں رکھتے تھے، لیکن اس

• یہاں اس کی ہم کی جہاد ہے کہ جب مسلمانوں کا ہر مسلمانوں کو جہاد کی مہم دے دے نہ صرف جہاد سے بلکہ

”پہنچ“ کا مقابلہ کرنے کے لئے اہل ایمان سیدہ یاسمین ہوئی دیوار بن گئے۔ اپنی ذاتی ضرورتوں کا خیال ہی کو نہ رہا۔ جس کے پاس جو کچھ تھا سہی کے مطابق جہاد کی تیاریوں میں حصہ لیا۔ اگر ایک طرف حضرت عمرؓ نے اپنے اندوختہ کا آدھا حصہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور حضرت عثمانؓ نے تم و پیش ایک ہزار اونٹ اور سو گھوڑے پیش کئے تو دوسری طرف حضرت ابو بکرؓ نے انصاری اور دوسرے چھوہارے لے کر حاضر ہو گئے کسی کے کھیت میں کام کر کے انہیں اپنی مزدوری اور حق محنت کے طور پر چار سیر چھوہارے ملے تھے۔ آدھے چھوہارے بال بچوں کو دے آئے اور آدھے چھوہارے مسلمانوں کے ”عسکری فنڈ“ میں دے دیئے۔ اقبال کی وہ نظم جس میں صدیق اکبر ﷺ کے اہل کار کا ذکر ہے، اسی موقع سے متعلق ہے۔

اک دن رسول پاک ﷺ نے اصحاب سے کہا

دیں مال راہ حق میں جو ہوں تم میں مال دار

صدیق اکبر ﷺ نے تو اپنے مال و متاع اور گھر کے اثاثہ میں بال بچوں کا بھی کوئی حصہ الگ نہیں کیا، بلکہ اس رفیق نبوت نے تو یہ کہتے ہوئے اپنا سارا سرمایہ نبوت ﷺ کے قدموں پر روانہ دار گزار کر دیا تھا۔

ن صدیق کے لئے یہ خدا کا رسول ہے

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حالات ایسے ہی اہل کار کا تھا ضرور تھے۔ اسلامی ریاست قحط سالی کا شکار تھی، موسم بہت سخت تھا اور مسلمانوں کی مالی کیفیت تھی کہ چھوہارے کے لئے سواریوں کا انتظام کرنا بھی پوری طرح ممکن نہ تھا اور تھے ان صاحبان ایمان چن بے چاروں کو دل میں دبائے ہوئے پاپس لوٹ گئے کیونکہ ان کے لئے سواری کے جانور نہ تھے اور مدینہ سے جو کہ قافلہ کوئی پونے چار سو میل تھا۔ اور پھر اس جہاد سے پہلو ہٹو کر ”غزب الہم“ کا موروثی ارادہ کیا گیا تھا، اس سے ان ”بے سر سامان“ چھوہاروں کا اضطراب بکھا اور ہی بڑھ گیا تھا۔ ان کا اضطراب کو اس حقیقت نے بکھا اور بھی بڑھا دیا تھا کہ منافق یہاں اور بڑ تر اثر کر اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔ قرآن کریم نے ان مؤمنوں کو تہمت دیتے ہوئے انہیں ”مخسین“ میں شامل کیا اور منافقوں کے گھر فریب کے پردے چاک کر دیئے۔ منافقوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ گھر بیٹھ رہے ہوں بلکہ انہوں نے افواہ سازی اور جھوٹی خبروں کی شہہ کو اپنا پیشہ بنا لیا اور فتنہ پیدا کرنے کے مواقع

پیدا کرتے رہے۔ ان منافقین کے علاوہ وہ اعراب بھی جہاد سے بھاگتے رہے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اور ایمان نے جن کے دلوں میں جگہ نہیں بنائی تھی۔

وَجَاءَ الْمُعَذَّبُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَبُيْبَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرْجٌ إِذَا نَضَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلُوا لَيَجْلَبِهِنَّ فَلْتٌ لَأَأْخِذَ مَا أَخْبَلَكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَنْفُسُهُمْ تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يَنْفِقُونَ هَ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

”اور کچھ بھانہ باز لوگ اعراب (دیہاتوں) میں سے آئے تاکہ ان کو (گھر رہنے کی) اجازت مل جائے اور (ان میں سے) جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے بائیں ہی جھوٹ بولا تھا (اپنے دعویٰ ایمان کے سلسلہ میں) وہ باطل ہی بیخیز ہے۔ ان میں سے جو (آخر تک) کافر ہیں گے ان کو دردناک عذاب ہوگا مگر دردوں اور کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ مریضوں پر، اور نہ ان لوگوں پر جن کو اللہ تعالیٰ کی راہ اور سطر جہاد پر (خرچ کرنے کو) میسر نہیں جب کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ غلطوں رکھیں ان محسنوں (اور نیک کاروں) پر کسی قسم کا اہرام نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ اور اہرام ہے) کہ جس وقت وہ آپ ﷺ کے پاس لے آئے ہیں کہ آپ ﷺ ان کو کوئی ساری (سٹر جہاد کے لئے) لے آئے ہیں تو آپ ﷺ

ان سے کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تم کو سوار کرواؤ تو وہ اس حالت میں (کا نام) دواپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم سے کہ ان کو (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں، پس اہرام (اور گرفت) تو صرف ان لوگوں پر ہے جو باوجود اہل سامان (اور صاحب قوت) ہونے کے (گھر میں رہنے کی) اجازت چاہتے ہیں، وہ لوگ (نہایت بے غیرتی سے) خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پھر کر دی جس سے وہ (گناہ و توب) کو چاہتے ہی نہیں۔“ (سورۃ اہزابہ آیت ۹-۱۰)

دعا کی اسی ہی کی وجہ سے غزوہ تبوک کو فزودہ صرت بھی کہا گیا ہے لیکن حضور ﷺ کے چاہنے اور ذات رسول ﷺ کو اپنی زندگی کا مرکز سمجھتے تھے اور اس مرکز کے گرد تیس ہزار جاں فروش جمع ہو گئے۔ اب مدینہ سے رخصت کی گھڑی آئی، حضور ﷺ جب بھی مدینہ سے کسی غزوہ یا کسی بھی کام سے جاتے تو کسی نہ کسی کو اپنا قائم مقام بناتے۔ اس موقع پر حیدر کرار ﷺ کے حصے میں یہ سعادت آئی، لیکن اللہ کا شیر قوس میدان جنگ میں اپنی گوارا کے جوہر دکھانے اور اپنے خون کے قطروں سے جنت خریدنے کے لئے بے قرارتھا۔ اب یہ صورت حال بخاری شریف کی ایک حدیث میں ملاحظہ کیجئے۔

”رسول اللہ ﷺ جب تبوک کے لئے روانہ ہونے لگے تو آپ ﷺ نے حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا۔ ”کیا آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”علیؑ تم کو خوش ہونا چاہئے کہ میرے نزدیک تمہارا مرتبہ ایسا ہے جیسے موسیٰؑ کے ہاں ہارونؑ کا ہے مگر یہ کہ میرے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔“

ترجمہ ۹۔ ہجری میں حضور ﷺ جب مدینہ سے نکلے تو تیس ہزار کرار ہیں کے ساتھ وہی ہزار گھوڑے بھی تھے۔ یہ صدیق اکبر ﷺ سے لے کر ابوبکر ﷺ سے لے کر ابراہیم خاندان کے اہل راہ و قرابتوں کا خرم تھا۔ راستے میں وہ مقامات آئے جو مغضوب قوموں کی زندہ و شہادتوں کا دہرہ رکھتے تھے۔

مجاہد بن اسلام کے قدموں تلے نعل کی طرح بچھ گئی۔ حضور ﷺ کے اس طویل جہاد نے ان عرب قبائل کے حوصلوں کو ہمیشہ کے لئے پست کر دیا جو رومیوں کی طرف نگاہ امید سے دیکھتے تھے۔ نتیجہ کے طور پر غزوہ تبوک کے بعد سلطنت روم اور مدینہ کے درمیانی علاقے کی قومیں مسلمانوں کی بالادستی کو تسلیم کرنے لگیں اور مختلف ریاستوں اور علاقوں کے وفود نے مدینہ منورہ کا زرخ کیا۔

اللہ ﷻ نے اس غزوہ کا مقصد اپنے رسول کی معرفت اسی وقت اہل ایمان پر واضح کر دیا تھا اور یہ مقصد اسی سفر کے ذریعہ حقیقت بن کر نظروں کے سامنے آ گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ
وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ
”اے ایمان والو! ان کافروں سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو
تمہارے اندر سختی پانا چاہیے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ (اور اس کی مدد) حقین
کے ساتھ ہے۔“ (سورۃ قہقہ: آیت ۱۲)



قوم ثمود کے وہ مکانات جو پہاڑوں کا جگر چیر کر تراشے اور تعمیر کئے گئے تھے، اور جن کی گتھنی اور مضبوطی پر انہیں اتنا یقین تھا کہ عذاب الہی کو افسانہ سمجھتے تھے، اور پھر خود افسانہ بن کر رہ گئے۔

حضور اکرم ﷺ نے لشکر اسلام کو عبادت کی کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچاؤ گئے ہوئے تیزی کے ساتھ اس علاقہ عذاب سے بڑھ جائے۔ یہاں شوق قیام کیا گیا اور اس علاقے کا پانی پیا گیا۔

تبوک پہنچ کر فوج مجاہدین کو قیام کا حکم دیا گیا۔ یہاں یہ حقیقت سامنے آئی کہ رومیوں نے حضور ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر سن کر سعد سے اپنی فوجیں ہٹائیں۔ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء نے کوئی تیس دن تبوک میں قیام فرمایا، پھر مدینہ واپسی کا حکم دیا۔

جب نبی آخر الزماں ﷺ اس فوج حق نشان کے ساتھ تھراؤح مدینہ میں پہنچے تو وقت نے جیسے ماضی میں سفر کرنا شروع کر دیا اور وہ صبح ایک بار بھر طلوع ہوئی جب حضور ﷺ حجرت فرما کر شرب کو مدینہ لہی ﷺ بنانے کے لئے یہاں پہنچے۔ ایک بار پھر معصوم بچپاں اور عصمت و عفت کے پیکر گھروں سے نکل آئے اور ان کے لبوں پر وہی کلمات استقبال تھے، وہی نغمہ فضاؤں میں پر افسانہ تھا۔

طلع البدر علينا من سميات الوداع
چاند ہم پر طلوع ہوا وداع کی کھائیوں سے
وحب الشکر علينا مصادعا اللہ داع!
شکر ہم پر واجب ہے جب تک اللہ کو پکارنے والا کوئی شخص بھی باقی ہے

غزوہ تبوک اسلام کے طلوع کا ایک اور عنوان بنا۔ غزوہ خندق کے بعد سرور کائنات ﷺ نے فرمایا تھا: ”اس سال کے بعد اپ تریش والے تم پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ اب تمہارے لشکر ان کی طرف یلغار کریں گے۔“ اور غزوہ تبوک کے بعد اہل عرب اور علاقہ کی تمام قوتوں کو معلوم ہو گیا کہ رومہ اکبریٰ کی عظمت کا چاند گہنا چکا ہے۔ وہ رومہ اکبریٰ جس کے لشکر نے برقل کے پرچم تلے ایران کی بالادستی کو گلست میں تبدیل کر دیا تھا۔ پھر غزوہ تبوک میں حضور ﷺ کا شام کی طرف سفر ایک اشارہ رہا بنی تھا۔ اور اسی اشارہ کو سمجھتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق ﷺ اور حضرت فاروق اعظم ﷺ کے عہد خلافت میں اسلامی لشکر نے اسی راستے کو اپنا راستہ بنایا۔ حضور ﷺ کے نقوش و قدم، وعدہ نصرت کی طرح اس راستے پر چمک رہے تھے اور پھر شام کی سرزمین

غزوہ تبوک کے بعد

مسجد ضرار۔ کعب بن مالک۔ حج اور برأت۔ عام الوفود

غزوہ تبوک کے سلسلہ میں ابو عامر مہذب اور مسجد ضرار کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ حضور ﷺ نے مدینہ تشریف لا کر سب سے پہلے مسجد قبا کی تعمیر فرمائی تھی۔ وہ مسجد جس کی بنیاد قرآن مجید کے فرمان کے مطابق پہلے ہی دن سے تقوینی پر رکھی گئی تھی۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی سرکردگی میں جماعت مؤمنین نے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کی۔ مدینہ کے مسلمان مسجد نبوی میں نماز ادا کرتے تھے اور مضامینات مدینہ کے مسلمانوں کے لئے مسجد قبا تھی۔ اس مسجد کے ہوتے ہوئے منافقوں نے ایک اور مسجد بنا رکھی تھی اور اسے اسلام کے خلاف اپنی سازشوں کا مرکز بنایا۔ یہ منافق اندرونی بغاوت کے ساتھ ساتھ سلطنت روم سے بھی ساز باز کر رہے تھے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنے لشکر نصرت کے ساتھ مدینہ کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہونے لگے تو ان منافقوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اس مسجد میں ایک نماز کی امامت فرمادیں تاکہ برکت کا سبب بن سکے۔ ان منافقوں کے ارادے اور سازشیں نبی برحق پر ہی طرح آچکا تھیں جیسے ان کے چہروں میں منافقت کی تجلی ہوئی کہانیاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تبوک سے واپس آنے دو۔

جب نبی کریم ﷺ تبوک سے واپس تشریف لانے لگے تو مدینہ پہنچنے سے پہلے فرمایا کہ اب اس مسجد کے بارے میں فیصلہ کرنے کا وقت آ گیا ہے، اور فیصلہ یہ تھا کہ اس مسجد کو آگ لگا دی جائے۔ قرآن حکیم نے اس مسجد کو مسجد ضرار قرار دیا ہے کیونکہ اس کا مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا اور مسلمانوں کے درمیان چوٹ ڈالنا تھا۔ ❶

آپ ﷺ کے قتب کردہ صحابیوں کی جماعت نے آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی مسجد ضرار سے اس مقدس سرزمین کو پاک کر دیا، کیونکہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو ہدایات فرمادی تھیں کہ۔

❶۔ کیا آج بھی ایسی مسجدیں تعمیر نہیں ہو رہی ہیں، ایسی مسجدیں جس کے سہرے مل ایمان کی گھمڑی چلی جائے اور عقائد میں مسلمانوں کی دہلیاں گھمڑی چلی ہیں۔

وَعَلَى الشَّفَةِ الذِّيْبِيْنَ خُلِفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ
الْأَرْضُ بِمَا رَزَحَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوْا
أَنَّهُ لَا مَلْسَحًا مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ تُنَابَ عَلَيْهِمْ ۖ لِيَتُوبُوا
إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

”اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے حال پر توجہ فرمائی مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے اسی جنگ کی وقت رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا تھا بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ زلزل اور کچھ ایسی جھنجھکی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی بلاشبہ اللہ تعالیٰ رؤف اور رحم (مشفق اور مہربان) ہے۔ اور ان جن شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ فتویٰ کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب ان کی پریشانی کا یہ عالم ہوا کہ زمین اپنی فریادیں دوسعت کے باوجود ان پر ٹھک ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے ٹھگ آگئے اور انہوں نے کھدایا کہ اللہ (کی بکرا) سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی جو اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے اس وقت وہ خاص توجہ کے قائل ہوئے) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رہا کریں بے شک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والا (توجہ قبول کرنے والا) اور بہت رحم ہے۔“ (سورہ بقرہ، آیت ۱۷۷-۱۷۸)

ان جتنیوں صحابوں کی ولی کیفیات کو قرآن پاک نے چند لفظوں میں سمیٹ لیا ہے کہ زمین اپنی فریادیں کے باوصف ان پر ٹھک ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے ٹھگ آگئے۔ حضرت کعب بن مالکؓ نے اس حالت انورا کے دوران اپنی کیفیت نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے جسے ان کے بیٹے عبداللہ بن کعب کی روایت کے ساتھ بخاری شریف کے مصنفات نے محفوظ کر لیا ہے۔ یہ بخاری کے باب ۴۷۷ کی پہلی حدیث ہے۔ اس حدیث کو قدر سے اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ جو بولے کہ باپ میں ایسا واقعہ شاید ہی پیش آیا کیا جاسکے۔

”جو تک کے وقت میں میری حالت بہت اچھی تھی خدا گواہ ہے کہ اس سے پہلے کسی میرے پاس دوسواریاں بیٹھ نہیں ہوتی تھیں۔۔۔۔۔

آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جب جنگ کا ارادہ فرماتے تو صاف صاف (مقام بجاؤ) کا پتہ

نشان اور جگہ نہیں بتاتے تھے بلکہ کچھ ہم الفاظ میں ظاہر کرتے تھے۔ لیکن جب جوک (کے غزوے) کا وقت آیا تو آپ نے مسلمانوں کو پورے طور پر آگاہ کر دیا کہ ہم جوک چاہ رہے ہیں اور قرلوگ پوری تیاری کر لو۔ گرمی بہت شدید تھی، راستہ طویل اور بے گیام تھا اور دشمن کی تعداد زیادہ تھی۔

کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا جو اس لڑائی میں شریک نہ ہونا چاہتا ہو۔۔۔۔۔ غرض محمد ﷺ نے جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ وہ زمانہ تھا کہ سیوہ پک رہا تھا اور سائے میں بیٹھنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ سب لوگ تیاریاں کر رہے تھے اور میں مرجع کو بھی سوچتا تھا کہ میں تیاری کر لوں گا کیا جلدی ہے۔ میں تو بہت تیاری کر سکتا ہوں۔ اسی طرح دن گزارتے رہے اور پھر ایک صبح محمد ﷺ روانہ ہوئے۔ میں نے سوچا کہ میں ایک دن کی تیاری کر کے راستے میں اس لشکر کو جا بکڑاؤں گا۔ غرض دوسری صبح کو میں نے تیاری کرنی چاہی مگر وہ ہو سکی۔ تیسرے دن بھی میں ہوا اور پھر میرا ہر ایک بھی ہوا، اب سب لوگ بہت دور نکل چکے تھے۔ میں نے کئی بار قصد کیا کہ آپ ﷺ سے جا ملوں مگر یہ لنگر ہے میں نہ تھا۔ کاش ایسا کر لیتا۔

”آنحضرت ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں مدینہ میں چلتا پھرتا تو مجھ کو یا تو منافق نظر آتے یا بدہ نظر آتے جو کمزور مضیف اور بیمار تھے۔ مجھے بہت افسوس ہوتا تھا۔۔۔۔۔

آنحضرت ﷺ جب مدینہ پھر تشریف واپس لا رہے تھے تو میں سوچنے لگا کہ کوئی ایسا حیلہ بہانہ ہاتھ آجائے جو آپ ﷺ کے ہٹنے سے مجھے بچا سکے۔ میں اپنے ناندان کے کچھ دارلوگوں سے مشورہ بھی کرنے لگا مگر جب یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ مدینہ کے بالکل قریب آگئے ہیں تو میرے دل میں بہانہ سازی کا خیال دور ہو گیا اور مجھے یقین آ گیا کہ جو تک آپ ﷺ کے ہٹنے سے مجھے نہیں بچا سکا گا۔“

”حضور ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے۔ اب جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں آنا شروع کیا اور اپنے اپنے عذر بیان کرنے لگے اور میں کھانے لگے۔ یہ لوگ ۸۰ تھے یا اس سے کچھ زیادہ۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے مدعا قبول کر لئے۔۔۔۔۔ دوران کے دلوں کے خیالات کو اللہ کے حوالے کر دیا۔

میں بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام پیش کیا۔ آپ ﷺ نے غصہ آلود جسم کے

حیات محمد ﷺ قرآن حکیم کے آئینے میں

چچا زاد بھائی ابوقادہ کے باغ میں پہنچا اور اسے سلام کیا۔ مجھے اس سے عیدِ محبت تھی مگر خدا شاہد ہے کہ اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: ”ابوقادہ کیا تم نہیں جانتے کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کتنی محبت ہے۔“ میرا بھائی خاموش رہا۔ پھر میں نے قسم کھا کر یہی بات دہرائی اور وہ خاموش رہا۔ میں نے تیسری بار یہی بات دہرائی تو اس نے صرف یہ کہا: ”اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو خوب معلوم ہے۔“ پھر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہو گیا اور میں لوٹ آیا۔

ایک دن میں بازار سے گزر رہا تھا کہ ملک شام سے غلہ فروخت کرنے کے لئے مدینہ آنے والا ایک عیسائی تاجر لوگوں سے میرا پتہ پوچھ رہا تھا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کعب بن مالک وہ جا رہے ہیں۔ دو مہرے پاس آیا اور دشمنان کے نصرانی حکمران کا خط مجھے دیا اس نے لکھا تھا کہ ”تمہارے رسول ﷺ پر بہت زیادتی کر رہے ہیں اور تمہیں ذلیل کر رہے ہیں۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ ہم تمہیں نہایت عزت و اکرام کے ساتھ رکھیں گے“ میں نے سوچا کہ یہ دہری آزمائش ہے (اب کافر میرے ایمان کی قیمت لگا رہے ہیں) میں نے خط کو آگ کے تھور میں جھونک دیا۔ یہ تھا میرا جواب۔

اور وہ پچاسواں دن تھا۔ میں فجر کی نماز کے بعد اپنے گھر کے پاس بیٹھا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ زندگی ایک عذاب بن گئی ہے، اور زندگی میں کس وقت میرے لئے سچے سچے میں بدل گئی ہے۔ کراتے میں کوہِ صلب پر کسی خدا دینے والے نے نپکار کر کہا اے کعب بن مالک تم کو بشارت دی جاتی ہے۔ اور یہ سنتے ہی میں خوشی سے عیدہ میں گر گیا۔

اب تو لوگ میرے پاس اور میرے دوسرے دونوں ساتھیوں کے پاس خوش خبری اور مبارک باد دینے کے لئے بھاگ بھاگ کر آئے تھے۔ ایک صاحب (زبیر بن العوام) گھوڑا بھگاتے ہوئے میری طرف آئے اور بنی سلم کے ایک آدمی نے کوہِ صلب پر چڑھ کر وہاں کی بندھیوں سے میرے لئے بشارت لکھا کہ خروار لگا لگا اور اس کی آواز میرے کانوں میں بھنگی تھی۔ (جب وہ میرے پاس آیا تو) میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو دو دیئے اور ابوقادہ سے دو کپڑے لئے کر مہینے لئے کیونکہ اس وقت میرے پاس وہی دو پارچوں کا واحد لباس تھا۔

میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کیے لئے پہنچا تو وہاں وہاں۔ راتے میں لوگوں کا ایک

ساتھ جواب دیا۔ میں آپ ﷺ کے سامنے (دو زانو) ہو کر بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا: ”کعب تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے حالانکہ تم نے تو سواری کا انتظام کر لیا تھا۔“ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! (ﷺ) اگر میں کسی اور کے سامنے ہوتا تو حیلہ بھانڈ کر کے چھوٹ جاتا کیونکہ میری زبان میں خوب روانی ہے، لیکن جا جاتا ہوں کہ آج میں جھوٹ بول کر آپ ﷺ کو راضی کر رہی ہوں تو کل اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مجھ سے خوش کر دے گا۔ اس لئے میں سچ ہی بولوں گا۔ اللہ میرا شاہد ہے اور اسی سے مجھے مغفرت اور بخشش کی امید ہے۔ خدا کی قسم میں حضور و وارہوں۔ مال و دولت کی فراوانی کے باوجود میں شریک جہاد نہ ہو سکا۔“

”آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ“ کعب نے سچے سچے بات بیان کر دی۔ اچھا جاؤ اور اب اپنے بارے میں اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔“ غرض میں اللہ کو چلا تو بنی سلم کے آدمی بھی میرے ساتھ ہو لئے اور کہنے لگے۔ تم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح حضور ﷺ کی خدمت میں کوئی عذر پیش کر دیا ہوتا۔۔۔۔۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اقرار کیا ہو۔ کہنے لگے کہ ہاں دو آدمی اور بھی ہیں۔۔۔۔۔ ایک مرارہ بن ربیع عمروی اور دوسرے بلال بن امیہ رافعی۔ یہ دونوں صالح مسلمان تھے اور غزوہ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کر چکے تھے، ان کا نام سن کر مجھے سکون حاصل ہو گیا کہ میں ان کا ہم قسمت ہوں۔

”حضور ﷺ نے تمام مسلمانوں کو کھڑا کر ہم تینوں سے بات چیت نہ کریں اور کوئی سرکار نہ رکھیں۔ اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے ہمیں کوئی چاہتا ہی نہیں۔ زمین و آسمان بدل گئے۔ غرض پچاس راتیں اسی حال میں گزر گئیں۔ میرے دونوں ہم قسمت تو گھر بیٹھے رہے، مگر میں ہمت والا تھا، لگتا رہا۔ نماز کی جماعت میں شریک ہوتا اور بازار بھی جاتا۔ کبھی کوئی مجھ سے بات نہ کرتا تھا۔“

”میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتا۔ میں سلام کرتا تو مجھے یوں لگتا جیسے آپ ﷺ کے ہونٹ مل رہے ہوں اور آپ ﷺ سلام کا جواب عنایت کر رہے ہیں۔ پھر میں آپ ﷺ کے قریب ہی نماز ادا کرنے لگتا اور جب مجھے موقع ملتا تو میں چپکے چپکے آپ ﷺ کو دیکھتا رہتا جب میں نماز میں ہوتا تو آپ ﷺ مجھے دیکھتے رہتے، لیکن جب میری نظر آپ ﷺ سے ملتی تو آپ ﷺ ہاتھ پیر لیتے۔“

”اس کیفیت میں کتنے دن بیت گئے۔ میں لوگوں کی خاموشی سے عاجز آ گیا اور پھر اپنے

ہجوم تھا جو مجھے مبارکباد دینے کے لئے جمع ہو گیا تھا۔ میں جب مسجد نبوی ﷺ میں پہنچا تو حضور ﷺ کے پاس کی صحابہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔ طلحہ بن عبید اللہ ﷺ مجھے کچھ کر دوڑے اور مصافحہ کیا اور پھر مبارکباد دی..... میں ان کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ اور جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا تو آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "اے کعب! یہ دن تمہیں مبارک ہو، جو تمہاری پیدائش سے لے کر اب تک تمہاری زندگی کا بہترین دن ہے۔" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ﷺ" یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی طرف سے۔" حضور ﷺ جب خوش ہوتے تھے تو چہرہ مبارک چاند کی طرح چمکنے لگتا اور یوں ہم آپ ﷺ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے۔

میں نے حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اس نجات اور معافی کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے خیرات نہ کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ مال اپنے لئے روک لو۔ کیونکہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا جیسا ارشاد۔ میں اپنا خیر کا حصہ خیرات کرتا ہوں۔ اور میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول! صدق نے مجھے نجات دلائی ہے اور میں اپنی باقی ماندہ زندگی بچ بولوں گا۔ بچ کے سوا کچھ نہیں۔ خدا کی قسم! بچ بولنے سے شاید ہی کسی پر ایسی رست ہوتی ہو جیسی مجھ پر ہوئی۔"

مگر کرم اللہ ﷺ ہر شیخ ہو چکا تھا، لیکن اس سال حج مشرکین کے زہر ابراہیم ہی کیا گیا تھا لیکن اب صورت حال بدل چکی تھی۔ اب مسلمانوں کا قبلہ اسلام کے زمینیں آچکا تھا۔ جزیرہ نما سے عرب سے شرک پسپا ہو چکا تھا۔ اس میں منقرض اب تو بیت کعبہ مشرکین سے چھین لینے کا وقت آچکا تھا مگر نبی رب حق ﷺ حکم الہی کے منتظر تھے۔

جو تک سے واپسی پر آپ ﷺ نے حج کے لئے تین مسلمانوں کی ایک جماعت حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کی قیادت میں بھیجی۔ اس جماعت کی روانگی کے بعد ہی سورۃ التوبہ (سورۃ ہرأت) کے اولین پانچ رکوع نازل ہوئے، یعنی ابتدائی سترتیس (۳۷) آیات۔ اس اعلان برأت کو مسلمانوں اور مشرکوں تک پہنچانے کے لئے نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روانہ فرمایا۔ ۳۷۔ حج میں سنت ابراہیمی اور حقیقی مناسک حج کی تہہ پید کی گئی۔ حضور ﷺ نے قربانی کے لئے جو اونٹ ساتھ کئے تھے وہ ذبح کئے گئے اور صدیق اکبر ﷺ نے خلیفہ ارشاد فرمایا۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۃ توبہ کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ حکم ربی کے تحت چار ماہ کے بعد مشرکوں سے تمام معاہدے منسوخ ہو جانے کا اعلان کر دیا گیا۔ یوں ان کے پاس ۱۰ ربیع الثانی تک اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا وقت تھا۔ جنگ یا ملک بدری یا قبول اسلام۔ اور اس مدت کے گزرنے کے بعد مشرکین کو مکہ مکرمہ میں رہنے کا حق نہیں تھا۔ سورۃ توبہ کی آیات کی تلاوت کے بعد حضور ﷺ کی طرف سے حضرت علی ﷺ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا اور خانہ کعبہ کے گرد بہت عطاوف ممنوع قرار دے دیا گیا۔

سورۃ التوبہ کی جو آیات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو فرمان الہی کے طور پر پڑھ کر سنائی تھیں ان میں یہ حکم موجود تھا کہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا
 الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَوْدِهِمْ هَٰذَا وَإِنْ حَفِظْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ
 يُعْطِيكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِن شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

"اے ایمان والو! مشرک (اپنے عقائد کی بنا پر) نرے ناپاک ہیں سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئے۔" (سورۃ التوبہ: آیت ۸)

اور اسی آیت کے اگلے لکھنے سے میں یہ وضاحت فرمادی گئی کہ اللہ پر توکل رکھو۔ وہ ان کے نہ آنے اور ان کے دولت نہ فرج کرنے کی بنا پر تمہیں مفلس نہیں بنائے گا اور تمہارے لئے خوشحالی کی دوسری سببیں نکالے گا۔ حضور ﷺ نے اسی حکم قرآنی کا اعادہ اپنے فرمان کے طور پر اس موقع پر کر لیا۔ یہ اسلامی ریاست کے سربراہ کے طور پر مشرکین کے لئے آپ ﷺ کا حکم تھا۔

سورۃ التوبہ کا آغاز اور اعجاز فرمان الہی کا ساہو، اور یوں یہ سورۃ اسلامی ریاست کے دستور کی حیثیت رکھتی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ
 الْمُشْرِكِينَ ۝ فَيَسْبُحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا
 أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۝ وَإِنَّ اللَّهَ مُخَوِّضُ الْكَافِرِينَ ۝

حرم میں داخل ہو کر حضور ﷺ نے کعبہ کا رخ کیا۔ حجرا سو دہا سنے تھا۔ وہ پھر جسے آپ نے یہاں نصب فرمایا تھا کہ عرب کے قبیلے ایک خونریز جنگ سے بچ گئے تھے۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے حجرا سو دہ کا یوسر لیا اور پھر کعبہ کا طواف کیا۔ حجرا سو دہ جس نے حضور ﷺ کے یوں کے لمس کو اس لمحہ سے آج تک سختی ہی لمسوں اور ملکوں کے۔ اگت مسلمانوں کے یوں تک متخل کیا ہے، آج بھی اس لمحہ کی یاد سے قلب متوسل کی طرح دھڑک رہا ہے۔ طواف کے بعد آپ مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور یہاں آپ کی یہ پڑھی۔

وَاتَّخِذُوا مِنِّي مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ط

(مقام ابراہیم کو کعبہ کا گاہ بناؤ) اس جگہ حضور ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان رکھا۔ حضور ﷺ کے اسی محل سے طواف کے بعد دو رکعت نماز کو واجب بنا دیا ہے۔

نماز دو گنا کے بعد آپ نے حجرا سو دہ کا استعمال کیا اور درمیان سے باہر نکل کر کوہ صفا پر تشریف لے گئے، جب کوہ صفا کے نزدیک پہنچے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ط

”بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔“

اس موقع کی دوسری مثال عقاب مدارج النبیہ وادبہ رتبت کی دوسری کتابوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

مکہ میں چار دن قیام کے بعد آپ ﷺ ۸ ذی الحجہ کو منیٰ تشریف لے گئے۔ ظہر اور عصر کی نمازیں یہاں ادا کی گئیں۔ یہ بعثت کا دن تھا۔ اور جب جمعہ کا سورج طلوع ہوا تو ”عشق بلا خیر“ کا یہ قافلہ سخت جاں عشق الہی کے سالار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قیادت میں عرفہ کی طرف روانہ ہوا۔ فرہ میں آپ ﷺ کا خیمہ لگایا جانا تھا۔ آپ ﷺ نے اس خیمہ میں آرام فرمایا اور جب دو پہر داخل ہوئی اور زوال کا وقت آ پہنچا تو وہ انسانیت کے لئے ہنگام عروج تھا۔ حضور ﷺ اپنے ناقہ قصوا پر سوار ہوئے اور میدان عرفات کے وسط میں اس مقام پر پہنچے جو آج بھی ہر مسلمان کے لئے محترم ترین مقامات میں سے ہے۔ عرفات کے میدان میں اس پہاڑی کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے سختی ہی مسلمان ہر سال بلکہ ہر دن یہ قافلہ بے تباہی لے کر تے ہیں۔ یہ قافلہ

• مدارج النبیہ وادبہ (ص ۱۰۰) حضرت عیاشی رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے اس وقت ۶۶ھ میں نبی ﷺ کو یہاں دیکھا۔

پہچان کے لئے زعمہ ہو گئے۔ اور اب تو ان سابقوں اللہ والوں کے علاوہ یہ پورا علاقہ اہل اسلام کا علاقہ تھا، بعد میں مسلمان ہونے والے اپنے پیشروؤں کی سعادت پر رشک کرتے تھے اور اب زیادہ سے زیادہ وقت نبی کریم ﷺ کی معیت میں گزارنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اعلان حج سننے ہی مدینہ کے مشافعات اور دور کے علاقوں سے بھی مسلمانوں کے قافلہ مدینہ پہنچنے لگے۔ ہر راستہ اب آباد تھا، ہر طرف خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے۔ آخر ۱۲ ذی القعدہ ۶ کو حضور ﷺ نے نماز ظہر کے بعد آغا ز سفر فرمایا۔ ایک لاکھ سے زیادہ رفاہ آپ کے ساتھ تھے۔ ان احرام پوشوں کی تکرم میں آج راستے نرم ہو گئے تھے اور جب رفیق ﷺ نے اپنے رفیق اعلیٰ کو طاب کر کے کہا۔

لبيك اللهم لبيك ، لا شريك لك لبيك ان الحمد و

نعمة لك والملك لا شريك لك

تو ایک لاکھ یوں سے نبی آواز بلند ہوئی۔ لبيك اللهم لبيك۔ ایسی ہم نوئی، اس لمحہ سے پہلے کسی رسول کے حصہ نہیں آئی تھی۔ وہ عشق جو جنگہ حیات میں بے ساز و براق نکلا تھا آج اس کی شوکت کی معراج کا دن تھا۔ آج مدینہ کی فضا میں سے بیت اللہ اس کا روانہ شوق کے سفر کا آغاز دیکھ رہی تھیں۔

۱۳ ذی الحجہ ۱ھ کی صبح اللہ کے آخری رسول ﷺ کو کعبہ معظمہ میں داخل ہوتے دیکھا۔ بیت اللہ کا دل فراد شوق سے دھڑکنے لگا۔ وہ گھر بنے اللہ کی رضا کے لئے حضور ﷺ کے ہدا امیر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہم کو تہنیت فرمایا تھا، آج اس تہنیت کے مقصد کی تکمیل کا دن تھا۔

بنو ہاشم کے بیٹے گھروں سے نکل آئے۔ سرور دو عالم ﷺ نے ان بچوں کو اونٹ پر بٹھالیا۔ کوئی بچہ آگے بٹھانے کوئی پیچھے، اور جب کعبہ تک پہنچے تو نبی کریم ﷺ کی نظر پڑی تو خوشی کے آنسو آنکھوں میں لرزائے تھے اور یہ الفاظ آپ کے یوں پر تھے ”اے رب کعبہ! اپنے گھر کو اور عزت اور شرف عطا فرما۔“ اور آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ جو واحد ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، حیات اور موت کا خالق ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے، اس نے اپنے بندے کی مدد کر کے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور باطل کی تو تیس شکست کی گود میں سو گئیں۔

جو بہت مختصر ہے اور بہت طویل ہے۔ حضور ﷺ نے اس چوٹی پر کھڑے ہو کر وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو خطبہ بیچہ الوداع کے نام سے معروف ہے۔ یہ خطبہ انسانیت کے اس عہد حاضر کے قیام کا منشور ہے جو اپنا مستقبل بھی آپ سے اور جس میں سارے زمانے سمٹ آئے ہیں۔ وہ عہد حاضر جو قرآن حکیم کی پہلی آیت کے ساتھ طلوع ہوا اور جس کا دامن، دامن ابد سے بندھا ہوا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے ایک طرف انسانوں کی انفرادی زندگی کو جنت بردارماں بنا دیا تو دوسری طرف ایک اجتماعی نظام قائم کر دیا۔ وہ اجتماعی نظام جو مساوات، جمہوری اقدار، عدل، مرامی اور انسانی امکانات کی تکمیل سے عبارت ہے۔ یہ قدریں اس نظام کی محض چند صفات ہیں۔ زمانے کی بے شمار کردوئوں کے باوجود حضور ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ آج بھی اسی درجہ تابندہ و درخشنا ہیں، بلکہ تو یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس پیغام کی عظمت بڑھتی ہی گئی ہے۔ انسان اپنی تمام تر ذہانت، تجربوں اور علم کے باوجود آج بین الاقوامیت کی سطح تک پہنچا ہے اور اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا یہ خطبہ آقاقت کے مقام بلندی کی تفسیر اور قرآن حکیم کے اس ارشاد کی تکمیل ہے کہ "اسے نوح بشرا میں نے قبائل و شعوب کو تعارف کے لئے بنایا ہے، امتیاز کے لئے نہیں۔ اللہ کے نزدیک وہ عزت صرف تقویٰ ہے۔"

اقبال نے حضور ﷺ کے اسی خطبہ کی طرف اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

مکہ نے دیا خاک جینوا کو یہ پیغام
جمیعت اقوام کہ جمیعت آدم

حضور ﷺ کے خطبہ بیچہ الوداع کا عربی متن اور اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

خطبہ بیچہ الوداع

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَتُوبُ إِلَيْهِ
وَنَعُوذُ بِأَلْسِنَتِنَا مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَلِنَا
مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا مُهَادِيَ لَهُ
وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ،

لا اله الا الله وَحْدَهُ أَنْحَرَ وَعَدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ
الْأَحْزَابَ وَحَدَّثَهُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ لِيَسْمَعُوا قَوْلِي فَأَنْتَ لَا أَرَأِي
وَأَيَّاكُمْ أَنْ تَجْتَمِعَ فِي هَذَا الْمَجْلِسِ - وَلَا أَجْعُ بَعْدَ
عَاسِي هَذَا، يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا
خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِيَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ فَلْيَسِّرْ لِعَرَبِي عَلَى
عجمي فضلًا وَلَا لعجمي على عربيٍّ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى
أَبْيَضَ وَلَا لِأَبْيَضَ عَلَى أَسْوَدَ فَفَضَّلَ إِلَّا بِالْتَّقْوَى - يَا أَيُّهَا النَّاسُ
مِنْ أَدَمَ وَادَمَ مِنْ شَرَابٍ، الْأَكْثَلُ مَأْتَرَةٌ أَوْ ذِمَّةٌ أَوْ مَالٌ
يَدْعَى بِهِ فَهَوِّ تَحْتَ قَدَمِي هَاتِينَ الْأَسَدَانَةَ الْيَتِيمَ
وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ، ثُمَّ قَالَ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ لَا تَحْسَبُوا
بِالدُّنْيَا تَحْمِلُونَهَا عَلَيَّ رِقَابَكُمْ وَيَحْسَبُ النَّاسُ بِالْآخِرَةِ
فَلَا أَغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا -

الْأَكْثَلُ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِ الْحَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمِي مَوْضُوعٌ،
وَدِمَاءُ الْحَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أُضِعَّ مِنْ دِمَائِ نَدَامُ
ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَيْتِي سَعْدِي -

وَرَبَا الْحَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَوَّلُ رِبَا ضَعُ رِبَانَا، رَبَا عَبَّاسِي
بِنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كَلَّمَهُ -

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ
حَرَامٌ أَلَّا أَنْ تَلْقَوْا مِنْكُمْ كَحَرَمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا وَكَحَرَمَةِ
شَهْرِكُمْ هَذَا فَيُذَكِّرُ بِلَيْدِكُمْ هَذَا، وَأَنْكُمْ سَتَلْقَوْنَ مِنْكُمْ

فيسئلکم عَنْ أَعْمَالِكُمْ۔

اَیہا الناس! انْ لکم علی تسایکم حَقًّا وَاوَلَهُنَّ عَلَیْکُمْ حَقًّا، لکم عَلَیْهِنَّ الْاَبْوَابُ فَرُشْکُمْ غَیْرُکُمْ، وَلَا یُدْجِلُنَّ اَحَدٌ تَکْزِهُوْنَهُ یَبُوْتُکُمْ اِلَّا بِاِذْنِکُمْ، وَعَلَیْهِنَّ اَنْ لَا یَاْتِیَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِیْنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَدَّٰنَ لَکُمْ اَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاَنْ تُضْرِبُوْا ضَرْبًا غَیْرَ مُرْتَحِفَاً اَنْتَهِیْنَ فَلَہُنَّ رِزْقَہُنَّ وَکِسْوَتُہُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

اَلَا لَا یَحِلُّ لَامْرَاةٍ اَنْ تَعْطَى مِنْ مَالِ زَوْجِہَا شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِہٖ، وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ حَبِیْرًا فَاَنْتُمْ عَوَاظٌ لَّکُمْ لَا یَمْلِکُنَّ لَانَفْسِہُنَّ شَیْئًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِی النِّسَاءِ فَاَنْکُمْ اَخْلَقْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَہُنَّ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ۔

اَیہا الناس! انْ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ اعْطَى کُلَّ ذِی حَقٍّ حَقَّہٗ فَلَا وَجِیْبَةَ لَوَارِثٍ فِیْ اَکْثَرِ مِنَ الثَّلَاثِ، وَالْوَالِدِلْغَرَاثِ وَالْبُعَاثِ الْحَرِّ، وَجَسَاتِہُمْ عَلَی اللّٰهِ مَنْ ادْعٰی اِلٰی غَیْرِہٖ وَاتَّخَذَ اِلٰی غَیْرِہٖ مَوَالِیَہٗ فَعَلَبَہٗ لَعْنَةُ اللّٰهِ، اَلَّذِیْنَ مَنَعُوْا بِوَالِیِّہٖ مَرَدَاةً وَاَلْمُنْحَہٗ مَرَدُوْدَہٗ، وَالرَّعِیْمَ عَزَلَمَ۔ اَلَا لَا یَحْتَنِی حَاثٍ اِلَّا عَلٰی نَفْسِہٖ اَلَا لَا یَحْتَنِی حَاثٍ عَلٰی وَلَدِہٖ وَلَا مَوْلُوْدٍ عَلٰی وَالِدِہٖ۔

وَلَا یَحِلُّ لَامْرَاةٍ مِنْ اَحِبِّہٖ اِلَّا مَا اعْطٰی عَنْ طِیْبِ نَفْسِہٖ مِنْہٗ فَلَا تَظْلَمْنَ اَنْفُسَکُمْ۔

اَیہا الناس! کُلُّ مُسْلِمٍ اَحْوَالُ الْمُسْلِمِ، وَاِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ اَحْوٰہُ

ارِقَاتِکُمْ اطْعَمُوْهُم مِّمَّا تَاکُلُوْنَ وَاکْسُوْهُم مِّمَّا تَلْبَسُوْنَ۔ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدَیْ کَقْرًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ فَمَنْ کَانَتْ عَدُوًّا لِمَاۤ اَمَّاۃٍ فَلِیْہِ دَعْوٰی مِنْ اَمَّاۃٍ نَمَنَ عَلَیْہَا۔ اِنْ اَمَرَ عَلَیْکُمْ عِبْدٌ مِّمَّ دَعَّ اَسْوَدَ یَقُوْدُ بِکُمْ بِکِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا لَہٗ وَاَطِیْعُوْا۔

اَیہا الناس! اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدَیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَکُمْ۔ وَاِنِّیْ قَدْ تَرَكْتُ فِیْکُمْ مَثَلًا یُضِلُّوْا بَعْدَہٗ اِبْدَانَ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ کِتَابُ السَّلٰوٰتِ وَاِیَّکُمْ وَالْعُلُوْفِ الدِّیْنِ فَاِنَّمَا اَهْلَکَ مِنْ فِیْکُمْ اَلْعُلُوْفِی الدِّیْنِ وَاِنَّ الشَّیْطَانَ قَدِیْسٌ مِنْ اَنْ یَعْبُدَیْ رِضْکُمْ هٰذَا اِبْدًا وَاَلِکُمْ تَکْوِیْنٌ لَہٗ طَاعَۃٌ فِیہَا تَحْقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِکُمْ فِرِیضِ بِہٖ فَاحْذَرُوْہُ عَلٰی دِیْنِکُمْ۔

فَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ مِمْ صَلُوْا اِحْسَانًا مِمْ صَوْمُوْا شَہْرًا وَاذُوْا زِکُوْرًا اَمُوْرَ الْکِیْمِ طِیْبَۃً بِہَا اَنْفُسُکُمْ، وَتَحْحَوِیْتِ رَبَّکُمْ، وَاَطِیْعُوْا وَاِلَاۤ اَمَرَکُمْ، نَدَّخَلُوْا اَحْتٰہُ رَبَّکُمْ۔

اَیہا الناس! اِنَّمَا النِّسَیُّ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضِلُّ بِہٖ الدِّیْنِ کَفَرُوْا اِحْسَانًا مِمْ عَامِلُوْا بِحَرْمٰتِہٖ عَامِلُوْا اَطْوَاۃً عَدَۃً مَآحِرَامِ اللّٰهِ، فِیَحْلُوْا اَمَّا حَرَمِ اللّٰهِ وَیَحْرَمُوْا مَا اَحَلَّ اللّٰهُ، وَاِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَهَیْبَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ، وَاِنَّ عَدَّةَ الشَّہْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اَثْنِیْ عَشَرَ شَہْرًا، مِنْہَا اَرْبَعَةٌ حَرَمٌ، ثَلَاثَةٌ مِتْوَالِیۃٌ، وَرَجَبٌ مُّضَرٌّ الَّذِیْ بَیْنَ حِمٰدِیِّ وَشُعْبَانَ۔

أَلَا فَلْيَلْبِغِ الشَّاهِدَ الْغَالِبَ قُرْبَ مُبْتَلِغِ أَوْ عَطَى مِنْ سَامِعٍ،
وَأَنْتُمْ نَسَالُونَ عَنِّي، مَاذَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟ قَالُوا: أَنْشَهُدَا أَنْتَ
قَدَأَدَيْتَ الْإِمَانَةَ، وَبَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَنَصَحْتَ۔

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: بِصَاحِبِهِ السَّبَابَةِ يَرِفْعُهُ إِلَى السَّمَاءِ
وَيَنْكُحُهَا إِلَى النَّاسِ! اللَّهُمَّ اشْهَدِ اللَّهُمَّ اشْهَدِ اللَّهُمَّ اشْهَدِ۔

”ہر تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے، ہم اس کی ہر کہرتے ہیں اس سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی سے استفادہ کرتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے گنہگاروں کے شر اور اپنے پیمال کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ جسے ہدایت کرے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ اس کی بد توفیق اور بہت ضرری کی وجہ سے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں بلکہ اور اقلہ اور اسی کے لیے ہے اور ہر تعریف اسی کے لیے ہے، وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ واحد ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے اپنے وعدے کو پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اسی نے (سفر کے) ہتھوں اور گردنوں کو کھلتی دی۔

”اے لوگو! میری بات سنو! شاید اس سال کے بعد ہم اس کی تجدید نہ ہو سکیں اور میں پھر جگ نہ کر سکوں۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا ہے اور تمہارے لئے تمہارے شوہب و فاقہاں پیدا کر دیئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ صاحب عزت وہ ہے جو تم میں زیادہ حق ہو۔“ عربی کو بھی اور عجمی کو عربی پر کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے (تکلی ہی باصاف فضیلت ہے) انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم ہی سے پیدا کئے گئے۔

”یاد رکھو! کہ خون یا مال کے تمام دعوے میرے قدموں تلے ہیں جن کے

لوگ دہی ہیں، ہاں بیت اللہ کی گنہگاری اور حاجیوں کو پانی پانے کی خدمت بدستور باقی رہے گی (ان کے درمیان جو یہ خدمات انجام دیتے رہے)۔

پھر حضور ﷺ نے فرمایا: ”اے مسٹر قریش! آخرت کے دن ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کا ہوا چھوٹا ہوئے ہوئے حاضر ہو اور دوسرے کے آخرت کے سامان کے ساتھ آئیں، مگر ایسا ہوا تو میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے باہل نہیں پھا سکوں گا۔

”یاد رکھو! جاہلیت کی تمام باتیں اور دوسرے قدموں سے بڑھ کر بڑھ کر دی گئی ہیں، مجدد جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیئے جائیں (کوئی اب کسی سے انتقام نہ لے) میں اس سلسلہ میں اپنے ہی خاندان کا ایک خون ابن ربیع بن حارث کا معاف کرتا ہوں جس نے نبی خدا میں دودھ پیا تھا اور مجدد جاہلیت کا بر سو معاف کر دیا اور میں (اپنے بیٹے) عباس بن عبدالمطلب کا سوا کھل کا کھل معاف کرتا ہوں۔

”لوگو! تمہاری جانیں تمہارے مال تمہاری حرمت و عزت اس دن کے لئے ایک دوسرے پر حرام ہیں جب تم اپنے رب سے (قیامت کے دن) ملاقات کرو گے (باہل اسی طرح) جس طرح تمہارے اس دن اور تمہارے اس سینے کی حرمت تمہارے اس شہر میں واجب ہے اور ہر جب تم اپنے رب سے ملو گے تو تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

”خبردار! تمہارے تمہاری عمروں پر کچھ حق ہیں اور تم پر بھی ان کے کچھ حق ہیں ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ کسی غیر کو تمہارے ہمسرہ نہ ٹھینے دیں اور نہ تمہارے کسی پابند یا عہدہ آدی کو تمہاری اجازت کے بغیر گھر میں آنے دیں ان پر تمہارا یہ حق بھی ہے کہ وہ کھلی بے حیائی سے نہیں کیونکہ ایسی صورت میں تمہارے رب نے تمہیں اجازت دی ہے کہ اپنی خواب گاہوں سے الگ کر دو (اور ہار نہ آئیں تو) انہیں الگ بھی بنا کر ان کے جسموں پر نشان نہ پڑیں اگر وہ اپنی اصلاح کر لیں تو ان کا کھانا اور پیکر معروف طریقے کے مطابق تمہارے ذمہ ہے۔

”یاد رکھو! کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے مال سے جا

کا پیغام تک پہنچا دیا اور نصحت کا حق ادا کر دیا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی اگلی آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور پھر اسے لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا: "اے اللہ! تو گواہ رہتا۔ اے اللہ! تو گواہ رہتا، اے اللہ! تو گواہ رہتا۔"

خطبہ حجۃ الوداع آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اس خطبہ کے نکات کی تشریح کے لئے دفتر ہے کراں چاہے بکرا اختصار کے باوجود اس خطبہ کے بہت سے پہلوؤں کو بھی آج کے مسلمان کا ذہن اپنی گرفت میں کسی تفسیر و وضاحت کی مدد کے بغیر لے سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس خطبے میں اتحاد و اتفاق کی ہدایت فرمائی، تعظیم و ضبط کیا اس وجہ تائید کی کہ "مستقلی حبشی غلام" کی اطاعت بھی مسلمانوں کے لئے آج تک بجا رہتا ہے۔ حضور ﷺ نے عورتوں کے حقوق کی یاد دہانی کرائی۔ انیسویں صدی کے آفرود بیسویں صدی میں عورتوں کے حقوق اور "آزادی" کے لئے جو تحریکیں چلائی گئیں اور جو کچھ کیا اور لکھا گیا ہے ان کا مجموعہ بھی تاریخ اور علم کی میدان میں رسول اللہ ﷺ کے ایک ایسے جملہ سے کہیں سبک تر ہے کہ "عورتوں کے معاملے میں بھی تقویٰ اختیار کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے عورتوں پر اور تم پر عورتوں کے حقوق ہیں۔" تقویٰ کے تصور کو اسلام میں جو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس کو نظر میں رکھ کر ہی اس جملے کو سمجھا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ خطبہ کے متن میں بیان کیا گیا، خطبہ ارشاد فرما کر آپ نے اپنے فریضہ نبوت کی اداگلی کے بارے میں لوگوں سے شہادت طلب کی۔ تاریخ کے اس لمحے کو تصور مؤمن کے لئے جاوداں کر دیا ہے۔ جب آپ نے چاروں طرف دیکھا، ہر طرف ایمان کی شراب کے ستارے تھے۔ دس سال پہلے اسی وادی میں حضور نبی کریم ﷺ، فداہ اولیٰ وادی نے ام القریٰ میں اپنے رب کے پیغام کی اشاعت کے "جرم" میں ہجرت فرمائی تھی اور آج یہ وادی اسی پیغام کی تکمیل کا مرقع تھی۔ ایک لاکھ سے زیادہ زبانوں نے شہادت دی کہ عظیم ترین رسول ﷺ نے فریضہ رسالت اپنی تمام اہمیت کے ساتھ انجام دیا اور رسول عربی ﷺ نے آسمان کی طرف اگست شہادت بلند کر کے عین مرتبہ فرمایا کہ "اللہم اشہد"

رسول اللہ ﷺ تین مرتبہ اللہ جل جلالہ کو اپنا گواہ بناتے اور بارگاہ رب العزت سے جواب نہ آتا، یہ کیسے ممکن تھا۔ اللہ نے رسول اکرم ﷺ کے فریضہ رسالت کی تکمیل کی شہادت اسی وقت

اہانت کسی کو بکھوے ہو، مومن تمہاری نگرانی میں ہیں اس لئے ان کے ساتھ تم اچھے برتاؤ کے پابند ہو، مومن اپنے معاملات کو خود نہیں چلا سکتیں، اس لئے عورتوں کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کی عہد سے وہ تم پر حلال کی گئی ہیں، اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمام حق داروں کو (حیرات میں) ان کا حق عطا کیا ہے، اس لئے کسی کو کسی کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں۔ اپنے کا نسب کسی کی بیوی کے شہرہ (باپ) سے ثابت ہوگا اور جس نے بگاڑی کی اس کے لئے سزا ہے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے، جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے اپنے نسب کی نسبت کی، یا جس غلام نے اپنے مالک کے علاوہ دوسرے سے اپنے آپ کو منسوب کیا، ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، قرض ادا کیا جائے، عاریضی ہوئی چیز واپس کی جائے گی، امدان ضامن کے ذمہ ہوگا۔

"یاد رکھو! مجرم اپنے جرم کا ذمہ دار ہے، جیسا باپ کے جرم کا اور باپ بیٹے کے جرم کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔"

"کسی کے لئے بھی اپنے بھائی کی چیز لینے جائز نہیں، ہاں اگر وہ خوش دلی اور رضامندی سے دے تو جائز ہے، تم اپنے اوپر غلم نہ کرو۔"

"اے لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، تمہارے غلام تمہارے غلام (اور تمہاری ذمہ داری سے) ہیں، تم جو کچھ کھاتے ہو، ان کو کھلاؤ اور جو خود بیٹنے ہو انہیں پہناؤ۔"

"میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا، اگر ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، جس کے پاس کوئی امانت ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے ٹھیک طور پر لوٹا دے اگر تم پر کوئی حاکمی امور بتلا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق امور سرانجام دے تو اس کے احکام سنو، اور اس کی اطاعت کرو۔"

"اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔"

”اے لوگو! میں تمہارا درمیان ایک چیز چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم کتاب اللہ سے مشروطی کے ساتھ روایت رہے تو کبھی کروائیں گے اور دین میں ٹٹو اور ہلاکت سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے کی قومیں غلوئی الدین کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں اور شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین میں بھی اس کی عبادت کی جائے گی لیکن اگر معمولی باتوں میں بھی اس کی اطاعت کی گئی تو وہ اس پر بھی راضی رہے گا، پس اپنے دین (اور اس کی حفاظت) کے بارے میں ڈرتے رہو۔

”اپنے رب کی عبادت کرو، اپنی پانچوں نمازیں ادا کرو اور اپنے (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو اور اپنے سوال کی زکوٰۃ ادا کرو اور پوری خوش دلی کے ساتھ اپنے رب کے گھر کا حج کرو اور اپنے امیروں کی اطاعت کرو۔ (یوں) تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

”اے لوگو! نبی (صلوات) حرام میٹوں میں رو دیں (کفر کی زیادتی کا سبب ہے اس سے نکار گمراہ ہوتے تھے وہ ایک سال میں (حرام میٹوں کو) حلال کر لیتے تھے اور دوسرے سال حرام کر لیتے تھے تاکہ یوں حرام میٹوں کا شمار پورا ہو جائے، لیکن اب زمانہ آسمانوں اور زمین کے ہم تعلق کی ہیبت کی طرف لوٹ آیا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں چار حرام ہیں اور تین مہینے مسلسل ہیں ۷ اور ان میٹوں میں سے رجب، جمادی الثانی، اور شعبان کے درمیان ہے۔

”جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میری بات ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں کیونکہ وہ بہت سے لوگ جن تک میری بات پہنچنے کی ہر شک وہ اسے اس وقت سنتے والوں سے زیادہ چھوڑ رکھیں گے۔“

”اے لوگو! تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ (اس پر) لوگوں نے کہا ”ہم شہادت دیں گے کہ آپ نے امانت ادا کر دی ہے اللہ تعالیٰ

دی اور ان الفاظ میں۔

الْيَوْمَ أَحْسَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَدِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ بَعْثِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا.

”آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعت پوری کر دی اور تمہارے لئے اس بات کو پسند کر لیا کہ تمہارا دین اسلام ہو۔“

اللہ تعالیٰ کی اس شہادت کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو اذان کا حکم دیا۔ نماز معراج آپ کو یوں عطا ہوئی تھی کہ معراج ابوہریرہ بن کعبی اور نماز کو آپ نے دین کا ستون اور اپنی آنکھوں کی خشک کردار قرار دیا اور جس وقت اللہ تعالیٰ نے دین کے کامل ہونے کا اعلان آپ کی زبان سے صادر کیا تو فوراً امت صلوٰۃ کی دعوت کا حکم دیا گیا۔ اذان کے بعد آپ نے ظہر کی دو رکعتیں ادا فرمائیں اور اس کے بعد عصر کی دو رکعتیں۔

اور اسی صلوٰۃ کے بعد آپ ﷺ کو وقت پر آئے۔ عرقات کے میدان میں وقف کی یہ جگہ دل مؤمن کو اپنی طرف آج بٹاتی ہے۔ یہاں آپ نے اپنی سواری کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے درنگ اپنے رب سے باتیں کیں۔ اپنی عاجزی کا اظہار، اس کی عظمت و جلالت کا اعلان، گریہ و زاری، گڑ گڑاہٹ عید و عید و عید کے درمیان جیسے اس شام کو نبی پر وہ حائل نہیں رہا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک خاموش اضطراب سے گزر رہے تھے۔ وہ اضطراب جو سینے کے ساحل سے ہرگز دور نکل سکتا تھا کہ ہمارے مغفرت کے سمندر میں مصیبت اور صفائے ہاں میں ڈھال دیتا ہے۔

”مضروا کریم ﷺ نے دعا کے دوران اپنے مبارک ہاتھوں کو سینہ اقدس کے مقابل رکھا تھا، جس طرح مسکین مانگتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ ۸ اور دونوں پر یہ دعائی۔

”اے میرے اللہ! تو میرا حکام سنتا ہے اور تو میری جگہ کو دیکھتا ہے اور تو میرے بھید اور ظاہر کو جانتا ہے اور میری کوئی بات تجھ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ میں مصیبت زدہ ہوں، میں محتاج ہوں، میں فریاد کرنے کے لیے سے دربار میں حاضر ہوں، میں تیری پناہ کا طالب ہوں، پے پیمان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے

گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں ● تیرے آگے سوال کرتا ہوں جیسے ہر کسی سوال کرتے ہیں۔ تیرے آگے گزرتا ہوں جیسے گناہگار، ذلیل و خوار گزرتا ہوتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہوں، جیسے خوف زدہ، آفت رسیدہ طلب کرتا ہوں اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہو جس کی گردن تیرے سامنے خم ہو اور جس کے آنسو رواں ہوں اور جس کا پروردگار تیرے سامنے فرحتی اور بخیر و ناکساری بن گیا ہو اور جو (اعمالِ مہربانیت کے لئے) اپنی ناک تیرے حضور گزرتا ہو۔ اے اللہ، اے رب تو مجھے اپنے لئے دعا مانگنے میں ناکام نہ کر دو اور میرے لئے رفد و رحم ہو جا۔ سب مانگنے جانے والوں سے بہتر (خیر) مسؤلین اور سب عطا کرنے والوں سے بہتر۔“

غروب آفتاب کے بعد آپ عرفہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی پر آپ کے پیچھے بیٹھے تھے۔ اس سفر میں آپ کی یہ رفاقت اسامہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا بھرتا ہوا سورن تھا۔ جس کی شہادتیں بعد میں تو حیاتِ اسلامیہ کا دیباچہ بنیں۔ حضور کریم ﷺ کی دعا نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کے چھپے ہوئے اضطراب کو ابھار دیا تھا۔ گریہ گویا گویا تھا اور زبان رسالت یوں سکون کا بیجا غم سے رہی تھی۔

السکينة يا ايها الناس
السکينة يا ايها الناس
اے لوگو! سکون کے ساتھ
اے لوگو! سکون کے ساتھ

حزرانہ فریخ کر قافلہ محمدی نے اپنے سالار ﷺ کی قیادت میں نماز مغرب ادا کی۔ اس نماز کے بعدوں کے کسی کی چھوٹ آج بھی وہاں نماز مغرب ادا کرنے والے حاجیوں کی پیشانی پر پڑتی ہے۔ نماز مغرب کے بعد سوران پر سے زاور مارا گیا اور پھر اقامت کے ساتھ نماز عشاء ادا کی گئی۔ یوں بعد کا دن اپنے ناپائیدار تک پہنچا۔

سنجری صبح کے آج کے اٹھنے پر پھیلنے سے پہلے اہلی ہدایت کا سورن ﷺ بیدار ہو کر تکبیر و تجلیل اور ذکر الہی سے قلب کی دنیا کو روشن کرنا تھا۔ اول وقت آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

● انہی نے گرام کی سمت مارے ایمان کا جگڑے اور رسول اللہ ﷺ قافلہ ہاصون میں تھے، دعا سے آپ کی اجنبی نشیت اللہ کا ظہور ہوتا ہے اور اس سے صاحبِ تزک سے کہیں آپ کے گویا آپ نے امت مسلمہ کو جگڑا کر دیا تھا۔ جس کا مقصد ہی ماسک کی تعلیم تھا کیونکہ یہ بات تکمیل رسالت کے لئے لازم تھی۔

ساتھ نماز فجر ادا کی اور طلوع آفتاب سے بعد پہلے حذافہ سے کوچ کیا گیا تاکہ کفار کی قاتم کر وہ روایت ٹوٹ جائے جو طلوع آفتاب کے بعد حذافہ سے روانہ ہوتے تھے۔

یہ سڑ عجیب تھا۔ آپ ﷺ کے پچھراذ بھائی حضرت فضل رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہما بقہ پر آپ کے ساتھ تھے۔ کتنے ہی جاٹا رہا بیادہ ہمرائی میں دوڑ رہے تھے۔ لیوں پر سوال تھے۔ مناسک حج کے مسائل اور تفصیلات معلوم کی جا رہی تھیں اور حضور ﷺ سوالوں کے جواب دے رہے تھے۔ یہ کتاب اور حکمت کی تعلیم تھی۔ خصوصاً آیات، تزکیہ نرس، کتاب و حکمت کی تعلیم۔ رسول اعظم ﷺ معلوم بنا کر مہوٹ فرمائے گئے تھے اور یوں نبوت کے فرائض کی تکمیل ہو رہی تھی۔

داویا محسر کے وسط سے گزرتے ہوئے آپ نے ناقدی کر نماز تیز فرمادی۔ سبھی وہ وقام ہے جہاں اصحاب قبل پر رب کعبہ نے عذاب نازل کیا تھا اور تھی والے اہل کی تکفیر یوں کا ہدف بن کر رہ گئے تھے۔ اقوام سابقہ کے ایسے آج ہجرت کے نشانات ہیں۔ اسی راستے سے سخی ہوتے ہوئے آپ جمرہ پہنچے اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیعت کی ہوئی سات ننگریاں ماریں پھر آپ منی واپس تشریف لائے اور یہاں خطبہ عطا فرمایا یا اہل مشرقین کے وسط کا یہ خطبہ، خطبہ حیدہ الوداع کے بعض نکات کی تکرار بھی اپنے واہن میں رکھتا ہے۔ تکرار دین کی اصطلاح کے مطابق ”ذکر“ ہے۔ صبح البشر ﷺ کے ان دونوں خطبات میں یہ کتبہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ آپ نے ایک لاکھ انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے ان سے سوال کئے، ان سے شہادت طلب کی یہ تبلیغ اور موعظ کی احسن شکل ہے، اور اس سے لوگوں کی واہانت و اہمیت اور ان کی شرکت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ پھر ایمان کی یہ منزل، کھینچے کہ حضور ﷺ کوئی سوال کرتے ہیں تو ایک ہی جواب لیوں پر ابھرتا ہے ”اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں“۔ خطبہ کا آغاز ہی یوں ہوا کہ آپ نے صحابی سے پوچھا کہ ”آج کا دن کون سا دن ہے؟“ اتنی معلوم بات آپ نے در یافت فرمائی تھی، لیکن بلافت کا پیلو بھی اتنا ہی نمایاں تھا کہ سامنے کی بات دہرا دینا ناوانی ہوتا تھا اور کوئی۔ ”اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے“ اس خطبے میں بھی آپ نے جان، مال اور آبرو کی حرمت پر زور دیا جیسا کہ خطبہ عرفہ میں آپ زور دے چکے تھے۔ آپ نے فرمایا:

”اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ تم کس شہر میں ہو اور یہ کونسا مہینہ ہے اور کون سا دن ہے (آپ کے سوال پر پہلے تو لوگوں نے کہا کہ اللہ اور رسول کو زیادہ علم

ہے اور پھر لوگوں نے کہا ”یہ دن حرمت کا دن ہے اور یہ شہر مکہ حرام ہے اور یہ عیدنا احترام کا عید ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارا خون اور تمہارا مال تمہاری عزت میں اس طرح قیامت تک ایک دوسرے پر حرام ہیں جس طرح یہ دن، یہ عیدنا اور یہ شہر۔ پھر فرمایا مجھ سے دو باتیں سونو جو تمہارے لئے بیش دوام اور صحیح زندگی اپنے اندر رکھتی ہیں۔ علم نہ کرنا، خبردار علم نہ کرنا، خبردار علم نہ کرنا کسی مسلمان کے مال سے کچھ لینا، خبر نہیں ہاں اگر وہ خود راہی ہو تو جائز ہے۔ ہر خون، ہر مال جس کا بدلہ عہد جہالت سے چلا آتا ہے اب وہ تقابلیات باطل ہے۔ سب سے پہلا خون جو معاف کیا جاتا ہے اور عیدین الحارث بن عبدالمطلب کا خون ہے جس نے نبی ایت میں پرورش پائی تھی اور نبی نے جسے قتل کیا تھا۔

سومہد جہالت کے تمام سود بھی باطل قرار دے دیئے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمادیا کہ جو سود سب سے پہلے باطل کیا جائے وہ عیاس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ ابتدا میں جب خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا زمانہ پھر پھر آج ہی نظر پر آ گیا ہے (یعنی آقا زکوانا جنابا عمل گیا ہے یا پھر آج سے اس لئے نظام کی تکمیل کا آغاز ہو رہا ہے جس کا افتتاح بروز آج سے جائے گا) پھر حضور ﷺ نے سورۃ اتوبہ کا یہ نیکو اصلاحات فرمایا۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ لَا تَغْلِبُ أَقْلًا تَطْلُبُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ :
 ”یقیناً شمارہ میں (جو کہ کتاب الہی میں) اللہ تعالیٰ کے نزدیک (مستتر ہیں) بارہ مہینے ہیں جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے تھے (اسی روز سے اور اس میں چار خاص مہینے ادب کے ہیں جن (اردگرد کو دین

• وہی نیکو قرآن حکیم کے نیکو اصلاحات کے علاوہ حضور ﷺ کے دوسرے بیانات کے عین اس نیکو ہوا اپنے دوسرے بہت سے واقعات پر غور کریں۔ یہ معراج مثل کو حجاز اور ذرات ممال کی حجت کے توکل ہیں مگر قرآن حکیم سے ”ذکرناے والی حدیث کو ہی جنت مانتے۔“

مستقیم ہے سو قرآن سب مہینوں کے بارے میں (دین کے خلاف کر کے) اپنا نقصان مت کرنا۔“ (سورۃ آل عمران آیت ۳۶)

اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو اور حرام مہینوں میں کسی عمل ناقص سے اپنے اوپر ظلم کرنے لگو اور ہاں شیطان بھی اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ کھلی (نماز گزار بندے) اس کی عبادت کریں، لیکن وہ تمہارے درمیان رخصتا نماز ہی (خروج کرے گا)

”اے لوگو! عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو کیونکہ ان کا حرم پر حق ہے اور تمہارا ان پر کوہ تمہاری (آہو کی حفاظت کرتے ہوئے) تمہاری جگہ پر کسی کو نہ آئے دیں اور کسی ایسے شخص کو تمہارے گھر نہ آئے دیں جسے تم چاہتے ہو۔“ (آگاہ ہو جاؤ، جان لو کہ جس کے پاس کوئی امامت ہے وہ صاحب امامت کو اداس کرے۔“

اور خطبہ کے بعد آپ نے سننے والوں سے کہا کہ جو حاضر ہیں وہ غیر حاضر لوگوں تک یہ بات پہنچادیں کیونکہ بہت سے غیر حاضر سننے والوں سے زیادہ خوش بخت اور سعید ہوتے ہیں۔“ یہ کلمات، ایک طور پر، الروایہ لکھتے تھے اور جیسا کہ منظور گذشتہ میں عرض کیا گیا کہ تاقہ کے سفر کے ساتھ علم دین مناسک کی تعلیمات کا سفر بھی جاری تھا۔ مسلم اور ابو داؤد میں یہ حدیث موجود ہے کہ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ ”مجھ سے حج کے مناسک اور مسائل حاصل کر لو، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ حج کے بعد میرے لئے دوسرے حج کی ثواب آئے گی۔“ اسی لئے اس حج کو حجۃ الوداع کا نام دیا گیا۔

خطبہ کے بعد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما کر (قرآن کا وہ) تشریف لے گئے آپ کے ساتھ قربانی کے سوانح تھے ترمذی شواہد آپ نے دست مبارک سے ذبح فرمائے ”آخری حج کے اونٹوں، اس کی اقد اور آپ کی عمر شریف سے بھی نسبت ہے اور یہ ایک اور اشارہ تھا اس حقیقت کی طرف کہ اس خاکدان حیرہ سے آپ کی رخصت کی گزری قریب ہے۔ جسے آپ نے عمل و کردار سے جلوہ کز صفات الہیہ بنا دیا تھا۔ قربانی کے باقی جانوروں کو آپ کے ارشاد کے مطابق حضرت علی کریم اللہ وجہ سے ذبح فرمایا۔

قرآنی سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے حضرت معمر بن عبداللہ کو مطلق کے لئے طلب فرمایا آپ کے سر کے بال تراشنے کا یہ اعزاز ان کے لئے قسام ازل لکھ چکا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنے چند مومے مبارک سے سب سے پہلے حضرت ابوطالب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ محترمہ ام سلمہ اور بلال رضی اللہ عنہما سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو عطا فرمائے۔ پھر آپ کے مومے مبارک ایک ایک دو دو کر کے دوسرے صحابہ کو تقسیم کئے گئے۔ اس واقعہ کے پس منظر میں دنیا کے کئی حصوں میں آج بھی آپ کے مومے مبارک کی موجودگی نہایت آسانی میں سمجھا سکتی ہے۔ حضور ﷺ کا وجود یہاں تک کہ ام مبارک مسلمانوں کو اپنے مال یا ہاتھ پر اولاد اور جان و مال سے زیادہ عزیز ہے۔ اور ابھی تو صرف چودہ صدیاں گزری ہیں، جن لوگوں کے حصے میں یہ شائع آساں نشان آئی ہو گی ان کے اہل خانہ جہاں جہاں گئے ہولگے اسے اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں گے اور ہر انقلاب و انقلاب میں اپنے لئے سپرد اور سید تحفظ و سعادت جان کو محفوظ رکھا ہوگا۔

قرآنی کے بعد آپ ام القریٰ تشریف لے گئے، طواف کے بعد اس چشمہ پر پہنچے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بے تابگی کے ساتھ زمین پر پڑنے والی ایزبوں کے صدقہ میں خدائے ذوالجلال نے جاری فرمایا تھا۔ یہاں آپ نے آب زم زم نوش فرمایا اور آج بھی حج کے موقع پر لاکھوں فرزند ان توحید زمزم سے اپنی پیاس بجھاتے ہوئے اسی سنت کی پیروی کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کے لئے چاہ زمزم سے پانی نکالنے کی سعادت حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے آئی تھی اور آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے زمزم پیا تھا۔ آپ ﷺ کے اہل عیال نے زمزم کو نگاہ مسلم میں وہ اعزاز عطا کیا کہ آج بھی ہم میں سے جس کو زمزم کے چند گھونٹ نصیب ہو جاتے ہیں وہ خواہ کسی ملک میں ہو قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو کر زمزم پیتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ اسی دن منیٰ واپس تشریف لے گئے۔ رات وہیں گزار دی اور دوسرے دن رسی جہار کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ ہر سنگری کی ساتھ تکبیر اور فرماتے اور جہاد پر مارتے آپ ﷺ نے ایام تشریح کے تینوں دن کی رسی عمل کی، پھر ملک کی طرف روانہ ہوئے۔

سورۃ النصر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق ایام تشریح کے دوران منیٰ میں نازل ہوئی۔

”جب اللہ کی نصرت آجائے اور نصیب ہو جائے اور (اسے رسول کریم ﷺ) تم دیکھ

لو کہ لوگ فوج و رفیق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ محبوب و بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔“

ایک طرف تو تحمیل دین کی بشارت دی جا چکی ہے اور پھر سورۃ النصر کا نزول جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق قرآن حکیم کی آخری سورت ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی اور انہیں کے بیان کے مطابق قرآن حکیم کی اس سورت کے نزول کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھے میری وفات کی خبر دی گئی“۔ وہ صحابہ، جو نبی کریم ﷺ کے حرا جہاں اور دینی اہلی کے حرا تھے، یہ سورت سن کر اپنے آقا اور مولا ﷺ کے رخصت ہونے کے تصور ہی سے ریزہ ریزہ ہو گئے۔ مگر نبی کریم ﷺ کے نفس مطمئن نے آپ کو عبادت اور ریاضت میں اور مصروف کر دیا۔ اللہ کی پائی اور اس کی حمد زبان مبارک پر رواں ہو گئی۔ سبحانک اللہم و محمدک۔ اللہم اغفر لی۔ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمات اکثر ادا ہونے لگے کہ یہ کلمات سورۃ النصر کی تعبیر اور آپ کے مقصد عظیم کی تکمیل کا اشارہ تھے۔

نبی کریم ﷺ نے طواف وداع فرمایا۔ اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ پر آپ ﷺ کی نگاہ اس سکون اور یقین کے ساتھ پڑی تھی کہ بیت اللہ طاعت اسلامیہ کا مرکز رہے گا اور ہر جگہ کے اہل ایمان کے اتحاد کی علامت۔ حضور ﷺ طواف وداع کے بعد چاہ وہ زمزم پر تشریف لے گئے۔ اس بار آپ نے ایک ڈول خود کھینچا۔ اس میں سے کچھ نوش فرمایا اور باقی مائدہ پانی ڈول سے پھر چاہ زمزم میں ڈال دیا۔ یوں زمزم کا شمع نہ ہونا اور ساری دنیا کے اہل ایمان کی پیاس بجھانا۔ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابدی معجزوں میں سے ایک ہے۔ کاش زمزم پینے وقت ہمیں یہ احساس رہے کہ اس پانی کو حضور ﷺ کے لبوں سے مس ہونے کی سعادت حاصل ہو چکی ہے۔

طواف وداع کے بعد اہل ایمان کے قافلے نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ حضور ﷺ کو اپنی زندگی کے سفر کے اختتام کی خبر مل چکی تھی اور اب آپ مدینہ کی طرف بڑھ رہے تھے جس کی زمین کو آپ کے جسد مبارک کی امانت نے زمین ماوراء چند دنوں کے بعد ہی فلک مرتب بنا دیا۔

واپسی کے سفر میں قم ندر کے مقام پر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انصافیت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”جس کو میں محبوب ہوں چاہئے کہ علی بھی اس

عالم جاوید کی جانب

جینے والوں کے دوران دین کی تکمیل کی نوید دی جا چکی تھی، پھر نصرت الہی کی آمد کے ذکر کی صورت میں یہ حقیقت اہل ایمان کے سامنے پیش کی جا چکی تھی کہ نبی کریم ﷺ کا کارسالت مکمل ہو چکا۔ حضور ﷺ نے ایک ایسی امت کی تشکیل فرمادی تھی جس میں صدیق ﷺ تھے جس نے آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ ﷺ کی ہر صداقت کی تصدیق کی اور نبی آپ کے بعد بھی اپنی صدیقیت کا اظہار کرتا تھا، وہ فاروق ﷺ تھا جس کی شہرہ پیکر دار بعزم مکران اور نگاہ حجاب جس نے حق و باطل کو مہر کہ حیات میں الگ الگ کر دیا تھا، وہ غنی ﷺ تھا جس نے یہ حقیقت آشکارا کی کہ

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اور وہ علی مرتضیٰ ﷺ تھا جس کی حیدریت نے معزز خیر کو مرکب اور جس کا علم، علوم نبوی تک پہنچنے کا دیباچہ ہے۔ جینے والوں کے خطبہ میں بھی حضور ﷺ نے اپنے سفر جاوید کی طرف اشارے فرمائے تھے۔

”لوگو! میری بات سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح ہم مجلس ہو سکیں گے۔“

اور خطبہ کے آخر میں حضور ﷺ کا تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ
”اے میرے رب! تو گواہ رہنا۔“

اللہ تعالیٰ کی دہشتوں کے مطابق حضرت خاتم النبیین ﷺ نے اپنے سفر آخرت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ ﷺ اپنے رب سے ملنے کے لئے بے چین تھے۔ اور یوں آپ کے اشتیاق کے پیش نظر رب تعالیٰ نے اپنے حبیب و محبوب کو ”وصال حق کی اجازت عطا فرمائی۔“ حضور ﷺ کی عبادت اور استراق میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ ﷺ کے رب نے جینے والوں کے دوران آپ ﷺ سے فرمایا تھا کہ، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ۔ اور آپ ﷺ

کو محبوب ہو۔ اے اللہ! جو جلی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ۔“ اس خطبہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان کے رب نے بعد میں پیدا ہونے والے ”قندنا سمیت“ سے اسی طرح آگاہ کر دیا تھا جس طرح آپ ﷺ انھیں سے واقف تھے، اسی لئے مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے حضرات فضیلت رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان غنی کی فضیلت بیان فرمائی۔ یہاں تک کہ خطبہ غم خیز میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

إِنَّمَا وَابِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي أُنْبَىٰ بِكُرٍ وَعُمَرُ

”کہ میرے بعد دین کے معاملات میں ابو بکر اور عمر کا اجماع کرنا“

وہ دن کا وقت تھا جب سوا دہ بند کے مناظر آپ ﷺ کی نگاہ میں چلے۔ آپ ﷺ نے آواز دہینے کو دیکھ کر تمنن یا تکبیر ادا کی اور ارشاد فرمایا۔ ”کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ وہ واحد ہے، الا شریک ہے سلطنت اور ملک اسی کا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

لوٹ کر آ رہے ہیں تو یہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے، خدا کے سامنے اپنی پیشانیاں جھکوں میں جھکا لے ہوئے، اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کرتے ہوئے۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کو نصرت عطا کی۔ اور اس نے تمام جنسوں کو شکست دے دی۔

دہینہ منورہ میں حضور طیبہ الصلوٰۃ والسلام دن کے وقت داخل ہوئے۔ یہ اس سران منیر کی واہسی اپنے موقف کی طرف تھی جو اپنے رب کے اذن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالم انسانیت کے لئے روشن سورج بن کر آیا تھا۔



نے اس حکم کے مطابق جلیل و تنوع میں اپنی وقت گزارنا شروع کر دیا۔ اپنے اصحاب کے ساتھ آپ ﷺ کے معاملات اور برتاؤ میں زیادہ رحمت، شفقت، محبت اور نرمی پیدا ہو گئی۔ چہ الوداع کے رقیبوں کو آپ ﷺ نے بے حد شفقت کے ساتھ رخصت کیا۔ ان زعموں کے ساتھ ساتھ ان زعموں کا خیال بھی آپ ﷺ کے قلب مبارک میں تھا جو اس سے چاہتے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ حق شہداء نے اُحد کا تھا۔ حضور ﷺ شہداء نے اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے تاکہ وہ بھی آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ آپ ﷺ نے نہایت رقت کے ساتھ شہداء نے اُحد کی مغفرت کے لئے دعا فرمائی اور اس طرح رخصت ہوئے جیسے کوئی جانے والا اپنے امرا سے مل کر رخصت ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ سید نبوی کے شہر کی طرف لوٹے اور اصحاب کرام ﷺ سے فرمایا:

”میں تمہارے آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں اور خدا کی قسم اپنے حوض کی طرف دیکھو ہا ہوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا کر دی گئی ہیں۔ اور خدا کی قسم مجھے اس کا خوف نہیں کہ تم میرے بعد شکر میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن میں اس سے ڈرتا ہوں کہ تم حصول دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگو گے۔“

ان الفاظ کو دیکھئے اور اپنی امت کے لئے نبی کریم ﷺ کی محبت کا اندازہ کیجئے۔ ایک طرف شہداء سے رخصت ہو رہے ہیں اور دوسری طرف اپنے اصحاب سے خطاب ہے۔ اور تیسری طرف مستقبل کے زمانوں میں جھکتے ہوئے آنے والے دور کے امتیوں سے خطاب ہے۔ حضور ﷺ کے لئے ان کے رب نے جب پازان مات کو ایک لمحہ میں بدل کر اس کے تمام اسرار و رموز اور واقعات ان پر ظاہر کر دیئے۔

شہداء نے اُحد سے ملاقات کے بعد نبی کریم ﷺ ۱۸ اور ۱۹ مہر ۱۱ھ کی درمیانی شب کو جنت البقیع تشریف لے گئے جو مسلمانوں کا عام قبرستان تھا۔ یہاں آپ ﷺ کے کئی جائزہ صحابی اور اہل خانہ اہل بیت نمودار ہوئے تھے۔ نبی آخر الزماں نے اہل قبور سے ملاقات فرمائی اور ان کے لئے دعا سے مغفرت لدا کی۔ جنت البقیع سے تشریف آئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک میں شہید درد تھا۔ وہ دن حضرت یسویٰ کی باری کا دن تھا۔ حضور ﷺ کی بیماری بڑھتی گئی، لیکن اس عالم میں

بھی آپ نے اس محل کو قائم رکھا جس کی شرط پر قرآن حکیم نے ایک سے زیادہ نکاحوں کی اجازت اہل ایمان کو دی ہے۔ امہات المؤمنین میں سے جس کی باری ہوئی آپ ﷺ اس کے حجرے میں تشریف لے جاتے۔ جب صدف حد سے بڑھ گیا اور یہ آمدورفت مشکل ہو گئی تو امہات المؤمنین نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، ہماری یا بھی زندگی کا بھر آپ ﷺ کے عدل اور حسن سلوک کی دستاویز ہے۔ اب آپ کسی ایک جگہ قیام فرمائیں اور پھر یہ سعادت حجرہ عائشہ صدیقہ کی قسمت میں آئی کہ صاحب سعادت کاملہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری دن وہاں بسر فرمائے۔

جب تک آپ ﷺ کے لئے ممکن نہ رہا آپ ﷺ سید نبوی کا ماتم صلوة کے لئے تشریف لے جاتے رہے۔ یوں آپ ﷺ نے نماز با جماعت کی اہمیت کے ساتھ ساتھ امامت صلوة کی عظمت بھی اجاگر فرمائی اور یہ نکتہ واضح تر ہو گیا کہ مسلم معاشرہ کا سب سے مضبوط تہذیبی اجتماعی ادارہ مسجد ہے۔ آپ ﷺ نے جس آخری نماز کی امامت فرمائی وہ مغرب کی نماز تھی۔ اس میں سورۃ المرسلت کی تلاوت فرمائی۔ یوں حضور خاتم المرسلین ﷺ نے رخت سبز باندھتے اپنی امت پر قیامت اور آخرت کے اثبات کی اہمیت واضح فرمائی۔ پے در پے چلنے والی ہواؤں طوفانی رفتار سے چلنے والی ہواؤں، بادلوں کو اٹھا کر پھیلائے اور بچھاڑ کر چھانکے والی ہواؤں کی دلوں میں اللہ کی یاد پھیلانے والی ہواؤں کی شہادت کے بعد المرسلت میں خدا سے عظیم کی آواز یوں ابھرتی ہے۔

قِيَاذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ لَا وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ لَا وَإِذَا
الْجِبَالُ نُصِبَتْ لَا وَإِذَا الرُّسُلُ أُنْقِضَتْ لَا

”جب چرخ ستارے نامد پڑ جائیں گے اور آسمان بچھاڑ دیا جائے گا اور پہاڑ
دھنک ڈالے جائیں گے اور دروہوں کی حاضری کا وقت آچھکے گا۔“

گیا رمویں آیت میں حضور ﷺ کے سطر عالم جاوید کا اشارہ موجود ہے، کیونکہ اس زمین پر اپنے فراموش کی تکمیل کی شہادت کو تحلیف چہ الوداع میں پیش کی جا چکی تھی۔

عشا کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے کئی بار سید نبوی تشریف لے جانے کی کوشش فرمائی،

مگر شفی مہتاب آگئی اور جب آپ ﷺ کو بچھا فاقہ ہوا تو فرمایا "ابوبکر ؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں" حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، بابا جان کی رقت قلب آپ ﷺ کی جگہ امامت کا بوجھ برداشت نہ کر سکتی گی۔" لیکن حضور ﷺ نے دوبارہ یہی حکم دیا۔ یہ معراج کی تصدیق کرنے والے (ﷺ) کے لئے معراج کی گواہی تھی، یہ صاحب نبی الطہار کے صدق و مرتبہ کی سند تھی، یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ حکومت الہیہ کے قیام کے لئے جو سزا گیا تھا اس کے شریک کے حصہ میں رسول ﷺ کی جائتیں مقدر ہو چکی تھیں۔

صدق اکبر ﷺ تک یہ حکم رسالت پہنچا تو رزائے۔ امید وہیم کے عالم میں حضرت فاروق معظم ﷺ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ "عمر! نماز پڑھا دو۔" عمر ﷺ نے جواب دیا میرے دوست! یہ ہمارے بانی کا حکم ہے۔ اور یوں حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے نماز عشاء کی امامت فرمائی۔ عشق و مستی میں ڈوبی ہوئی اور شدت جذبات سے لرزتی ہوئی آواز تلاوت گوش حسیب خدا ﷻ تک ضرور پہنچی رہی ہوگی۔

اگلے دن ظہر کے وقت آپ ﷺ کی طبیعت میں یکھ فاقہ تھا تو نمازوں کی امامت نے کوہ یقین و صدق ابوبکر صدیق ﷺ کو بلا دیا تھا کہ "کاش میری ماں مجھے نہ بنتی اور اگر جنتا تھا تو اس دن کے دیکھنے سے پہلے مجھے موت آجاتی اور میں رسول ﷺ کو اس حال میں نہ دیکھتا" حضور اکرم ﷺ نے غسل فرمایا، حضرت علیؓ دو عباسؓ کا سہارا لیا اور مسجد نبوی شریف لے گئے۔ نماز شروع ہو چکی تھی قدموں کی آہٹ پا کر امام جماعت ابوبکر صدیق ﷺ بیٹھے گئے تو حضور غنی مرتبہ ﷺ نے منع فرمایا اور حضرت صدیق ﷺ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اب حضور ﷺ نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر حضرت صدیق ﷺ ارکان سلوٰۃ ادا کرتے اور حضرت صدیق ﷺ کو دیکھ کر جماعت مؤمنین ارکان سلوٰۃ ادا کرتی۔ یوں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی خلافت پر مہر نبوت ثبت کی اور ضلیعہ رسول اللہ ﷺ بالاصل کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ ان کے بعد آنے والے ان کے خلیفہ بنے۔

ان دنوں میں حضور نبی کریم ﷺ نے خلیفہ الوداع ادا فرمایا و مسلمانوں کو مختصر مختصر ہدایات

دیں، ہمیشہ اسامہ کی روانگی کا حکم دیا اور انصار کے ساتھ حسن سلوک کو اپنی وصیت بنایا۔ خلیفہ الوداع میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو یہ اختیار عطا فرمایا کہ وہ دنیا کو اختیار کر لے یا اس کو جو اللہ کے پاس ہے، اور اس نے اسے اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس ہے۔"

"بناشہ کسی فرد نے اپنی جان اور مال سے بھرا اتنا انسان نہیں کیا جتنا ابوبکر نے کیا ہے۔ اگر میں انسانوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ بنا تا تو ابوبکر کو، مگر اسلام کا شریک سے افضل ہے۔ مسجد کے سر بننے اور بیٹے ہیں سب بندہ کو ابوبکر کے در بیٹے کے علاوہ۔"

"جان او اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم سے پہلے انہی قوم میں گزری ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء و صلحا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ تمہیں لازم ہے کہ ایسا نہ کرنا۔ اسے مسلمانو! تمہیں جس میں اس سے منع کرتا ہوں۔ خبردار میں نے تمہیں خبردار کر دیا اسے اللہ تو گواہ رہتا۔ اسے اللہ تو گواہ رہتا۔"

یسا ایسا الناس! میں انصار کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ عام مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا مگر انصار اس طرح کم ہوتے جائیں گے جیسے کمانے میں نمک۔ انصار اپنا فرض ادا کرے جب تک تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ انصار صدوق کی طرح ہیں جس میں سبھی سامان رکھا جاتا ہے۔ میں نے ان کی طرف ہجرت کی اور انہوں نے مجھے جگہ دی اور میرے ساتھ محبت و اخلاص کا اور دوستی اور مردت کا برتاؤ کیا۔ قسم ہے رب عزوجل کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں انصار کو عزیز رکھتا ہوں۔"

حضور ﷺ نے اسی خلیفہ الوداع میں اسامہ کے لشکر کے بارے میں فرمایا کہ تم میں سے

- ۱۔ خطبہ کے اس نوحے پر حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے اپنے گروہ پر پڑھا، نہ کہ کون سے صحابہ سے صحابہ سے، جب تک ہاتھ کے بندہ حکیم کے اقتدار میں ہیں، میں اس کو بھرا کر دیتا ہوں، نہ کہ یہ بندہ حضور ﷺ میں اور آپ ﷺ نے اپنی رنجی علی سے ابی ماسد سے، کا پنے سے سطر فرمایا ہے۔
- ۲۔ آپ ﷺ کا شکر آپ ﷺ کا ہے۔

بعض اس کے باپ زید کی سرداری پر بھی معترض تھے مگر وہ اس منصب کا مستحق تھا، اور اب اس کے بعد اس کا بیٹا مجھے محبوب ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حلال و حرام کی تمیز پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ ”حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، جسے اللہ نے حلال قرار دیا میں نے ہر وہ چیز تمہارے لئے حلال قرار دی ہے اور وہی چیز حضور اکرم ﷺ نے حرام کی ہے جو اللہ نے حرام کی ہے۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیماری کا سلسلہ جاری رہا۔ آخری خطبہ جمعرات کو دیا گیا۔ اس دوران بخاری کی شدت کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ چہرہ اقدس کو چادر سے لپیٹ لیتے اور کبھی چادر کو ہٹا دیتے۔ اسی کرب کے عالم میں یاد آیا کہ چند اشرفیاء حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس رکھی ہیں۔ آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ وہ اشرفیاء اللہ کے راستے میں شہادت کر دی جائیں۔ دوشنبہ کی صبح جب جماعت مؤمنین، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی امامت میں نماز فجر ادا کر رہی تھی تو علامہ صدیقی سنتے ہوئے آپ ﷺ نے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھا کر یہ منظر دیکھا۔ یہ وہ ترحمی جو آپ ﷺ کے پیغام نے کائنات میں تخلیق کی تھی، وہ عجز جس سے شہستان و جولدز تازا ہے۔ وہ عجز جس کا دامن، دامن ابد سے بندھا ہوا ہے۔ اس منظر نے چہرہ اقدس پر نفس مطمئنہ اور کامیابی و کام گاری کے ہزاروں رنگ بکھیر دیئے۔ آپ ﷺ نے اپنی مبارک آنکھوں سے دیکھ لیا کہ نماز جو آپ ﷺ کی آنکھوں کی خشک گھی، اب جماعت مؤمنین کی شائستہ بن چکی تھی اور جماعت اپنے سجدوں میں اپنی معراج پا چکی تھی۔ دن چڑھنے لگا، سورج آسمان پر سفر کرنے لگا۔ آپ ﷺ کے ہونٹوں پر وصیت اور وصیت کے گلے جاری تھے۔ آپ ﷺ نے بار بار کہا۔ ”نماز کا خیال رکھنا اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا۔“ ایک طرف امت کا یہ خیال تھا اور دوسری طرف اپنے رب کے حضور حاضر ہونے کا شوق بڑھ رہا تھا۔ اور بار بار زبان مبارک پر یہ کلمات آتے۔

اللھم فی الرفیق الاعلیٰ

سب سے بڑے رفیق کے پاس

اب سرور کائنات ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے لئے پھین تھے۔ دور رفیق اعلیٰ جس نے شب معراج آپ ﷺ کو طرح طرح سے سرفراز فرمایا تھا، جس نے ہجرت کے سفر میں آپ

ﷺ کی رفاقت فرمائی تھی، جس حیات مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر لمحے کو آیت کہی بنا دیا تھا۔ اور جب سورج مغرب کی طرف سفر کرنے لگا اور سورہ پھر کی گھڑی آگئی تو یہ الفاظ پھر ادا ہوئے۔ الصلوٰۃ و صام لکنت ایمانکم (نماز اور قنایم) اور پھر تمہیں مرتبہ فرمایا ایل الرفیق الاعلیٰ (اور اب کوئی نہیں سوائے رفیق اعلیٰ کے) اور ان کلمات کے ساتھ زینت، ہماری شفاعت کی نوبت اور انسان و رب کائنات کے درمیان رفاقت کی سند بن کر عالم جاوید کے سفر پر روانہ ہوگئی۔

وہ دوشنبہ کا دن تھا اور رجب الاول لاکھ کی بارہویں تاریخ تھی جب یہ گروہ خاکی اس ذات گرامی کے ظلمار سے سے محروم ہو گیا جسے اس کے رب نے سراج ضمیر بنا کر بھیجا تھا، وہ جو اپنے رب کے حکم سے واقعی اہل اللہ تھا، وہ جو اہل ایمان کے لئے بشر تھا اور راہ خلافت پر چلنے والوں کے لئے نذر تھا، وہ جسے محل کہہ کر پکارا گیا، وہ جسے مدثر کہہ کر خطاب کیا گیا۔ وہ جو کتاب اور حکمت کے ساتھ بھیجا گیا۔ لاکھوں سلام اس پر اور کروڑوں درود اس ذات گرامی پر جو آج بھی ہر اہل ایمان کے دل کی دھڑکن ہے، جس کا نام ہماری اذانوں اور ہماری نمازوں میں اللہ کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے، وہ دوزخ اور جنت اور آسمانوں کا شاہد تھا اور یوں قرآن حکیم کے ارشادات کی روح سے حیات ابدی جس کا حق اور امتیاز ہے کہ نہ کشید نہ نہر ہے ہیں اور وہ تو سب سے بڑا شہید تھا۔

وہ رسول کہ آج بھی جس کے روضہ اقدس پر ہر دن لاکھوں اہل ایمان جمع ہوتے ہیں اور اپنی روح کے سماز پر یہ نغمہ فرشتوں کی ہم نوائی میں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

سلام و درود سید الانبیاء ﷺ پر

اے رسول عظیم ﷺ! اے رُف و رحیم ﷺ آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں

”اے وہ کہ تمہاری آنکھوں کی خشک ہے، اور اللہ کا آخری پیغام پر۔ اللہ اور فرشتوں کے

سلام کے ساتھ ہم بھی شریک ہیں

اے نور عرض!

طوبی ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفر نامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com